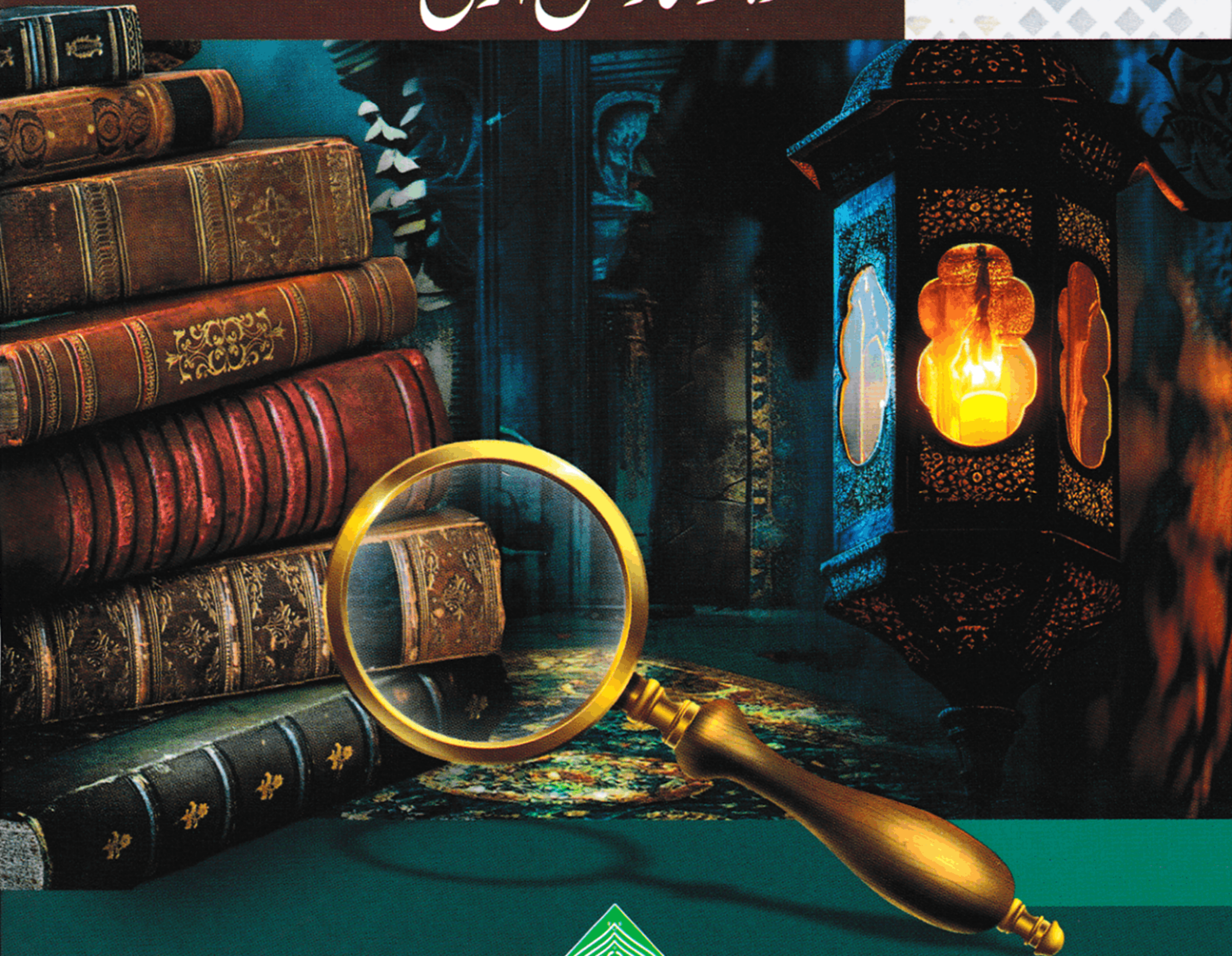
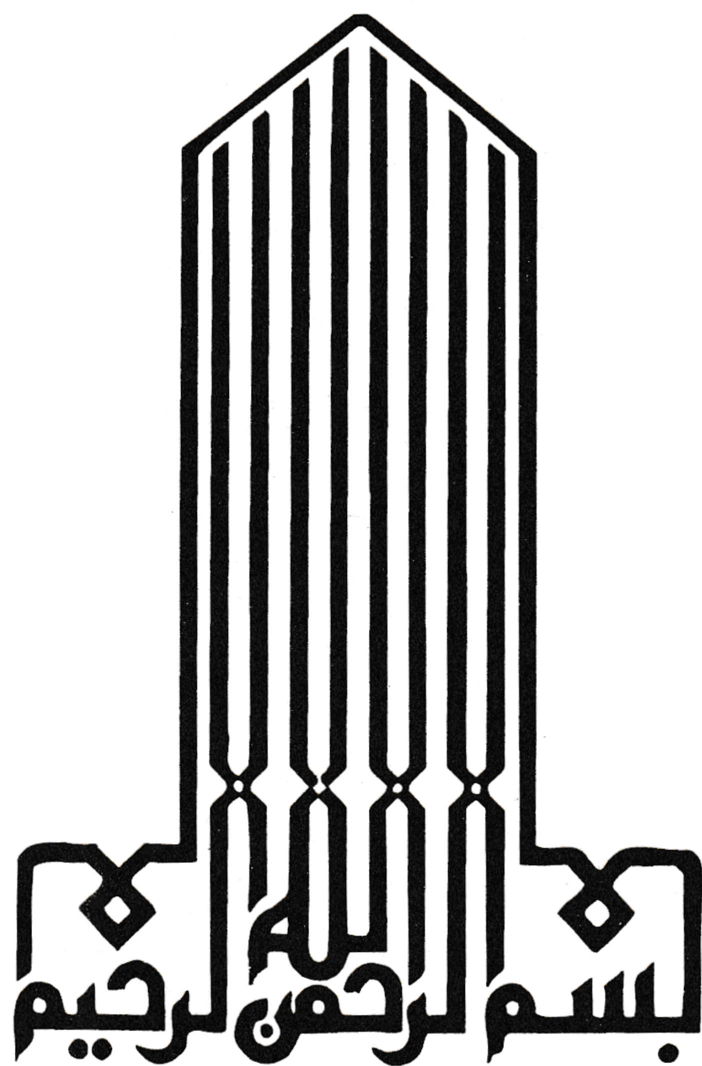
مسانید امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ
پر تحقیقی نظر

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ



پبلیکیشنز
GUJRANWALA


بسم الله الرحمن الرحيم

مسانید امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ

پر تحقیقی نظر

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ



مسانید امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ
پر تحقیقی نظر

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

اشاعت ____________ اکتوبر 2024ء

ناشر



UMM UL QURA PUBLICATIONS
Sialkot Road, Lodhi Town Gujranwala
0092 321 6466422

فہرست

2-"مسند الإمام الأعظم لابن خسرو"
پر ایک طائرانہ نظر

3- "فضائل أبي حنيفة وأخباره ومناقبه لابن أبي العوام" پر ایک نظر

4- کیا "کتاب الآثار" پہلی صحیح کتاب ہے؟

5-"جامع المسانيد للخوارزمي"



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ایک بلند مرتبت فقیہ اور جلیل القدر علمی شخصیت ہیں، جن کی اسلامی فقہیات میں گراں قدر خدمات ہیں اور تدریس و تعلیم کے ذریعے انھوں نے خلقِ کثیر کو مستفید کیا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بذاتِ خود تو کوئی علمی تصنیف یادگار نہیں، تاہم ان کے تلامذہ اور دیگر علمائے احناف نے فقہ و حدیث میں ان کے علوم و معارف کو مدوّن کرنے کی سعی ضرور کی ہے۔ بالخصوص کئی اہلِ علم نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مرویات کو مسانید کے نام سے مرتب کیا جن کی تعداد دو درجن سے زائد بتائی جاتی ہے۔ انہی میں سے ایک بڑا مجموعہ شیخ خوارزمی کی ''جامع المسانید'' ہے جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نام پر مرتب کردہ پندرہ مسندوں سے ماخوذ ہے اور اس میں مذکور روایات کی تعداد 1778 ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے چند حنفی علماء کی مرتب کردہ مسانید ابی حنیفہ رحمہ اللہ کا علمی جائزہ لیا ہے اور ان کے متون و اسانید پر تحقیقی نظر ڈالی ہے۔

اس کتاب میں مندرجہ ذیل پانچ کتب کا جائزہ لیا گیا ہے:

① مسند الامام ابی حنیفہ للحافظ عبد اللہ بن محمد الحارثی (المتوفی: 340ھ)

② مسند الامام الاعظم لابن خسرو (المتوفی: 526ھ)

③ فضائل أبي حنيفة وأخباره ومناقبه لابن أبي العوام (المتوفی: 335ھ) یہ کتاب اگرچہ امام صاحب کے مناقب پر مشتمل ہے مگر اس میں ان کی مرویات بھی ذکر کی گئی ہیں۔

④ کتاب الآثار للامام محمد بن حسن الشیبانی (المتوفی: 189ھ)

⑤ جامع المسانید للخوارزمی (المتوفی: 655ھ)

اس کتاب میں پیش کردہ علمی مباحث کے استناد کے لیے یہی کافی ہے کہ یہ محقق العصر شیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کے قلم سے رقم کردہ ہیں۔ مولانا اثری حفظہ اللہ کی علمِ حدیث میں مہارت طلبہ وعلماء پر مخفی نہیں کہ وہ اس فن میں کس قدر وسیع المطالعہ اور عمیق النظر ہیں۔ اس کتاب کے محققانہ اسلوب تحریر سے قارئین لطف اندوز بھی ہوں گے اور رجال واسانید کے مباحث پڑھ کر آگاہ ہوں گے کہ کس طرح سے بعض کذاب ووضاع اور ضعیف ومتروک راویوں نے روایتیں بنا کر امام صاحب کی طرف منسوب کر دیں اور بعد میں آنے والے حنفی علماء نے بلا تحقیق ایسا رطب ویابس مواد اپنی کتب میں جمع کر دیا، تاکہ امام صاحب کی مرویات کی کثرت ظاہر کی جا سکے۔ واللہ المستعان

کوئی ناواقف شخص کتاب کے نام سے یہ تاثر نہ لے کہ اس کتاب میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی شخصیت پر کوئی طعن وتنقید کی گئی ہے، کیونکہ اس کتاب میں امام صاحب کی ذات زیرِ بحث نہیں، بلکہ ان کے نام پر مختلف راویوں اور بعض حنفی علماء کی جمع کردہ مسانید کے علمی وفنی مقام پر بحث کی گئی ہے اور علمِ حدیث میں ان کی حیثیت واضح کی گئی ہے۔

مولانا اثری حفظہ اللہ نے یہ نگارشات مختلف اوقات میں رقم کی تھیں جو پہلے تو بعض رسائل وجرائد میں شائع ہوئیں اور بعد ازاں ان کے مقالات کی متفرق جلدوں کی زینت بنیں، مگر ہم نے استاد گرامی شیخ اثری حفظہ اللہ کی اجازت ومشاورت سے اس موضوع کے متعلق ان کی تمام تحریروں کو افادۂ عام کے لیے ''مسانید امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر تحقیقی نظر'' کے نام سے یکجا کر دیا ہے، تاکہ اس موضوع پر بحث وتحقیق اور مطالعہ کرنے والوں کے لیے سہولت رہے اور یہ مباحث بہ آسانی وہ ایک ہی کتاب میں پڑھ سکیں۔ واللہ الموفق

حافظ شاہد رفیق

”مسند الإمام أبي حنيفة للحارثي“

ایک تجزیہ وتبصرہ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد:

انواع واقسامِ کتبِ حدیث میں ایک نوع ”مسند“ ہے جس میں عموماً فقہی ترتیب کے بجائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی روایات کو جمع کیا جاتا ہے۔ اور علیحدہ علیحدہ ہر صحابی کی مرویات کو ایک ہی جگہ ذکر کیا جاتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ مرویات کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اولیت وسابقیت کی بنا پر اور کبھی حروفِ تہجی کے مطابق بالترتیب جمع کی جاتی ہیں۔ ایسی کتبِ مسانید میں اہم ترین کتب کے نام یہ ہیں:

- مسند الإمام أبي داود سليمان ابن داود الطيالسي (المتوفى: ٢٠٥هـ)
- مسند الإمام أحمد بن حنبل (المتوفى: ٢٤١هـ)
- مسند الإمام إسحاق بن إبراهيم المعروف بابن راهوية (المتوفى: ٢٣٨هـ)
- مسند الإمام أبي يعلى أحمد بن علي الموصلي (المتوفى ٣٠٧هـ)
- مسند الإمام أبي بكر أحمد بن عمرو البزار (المتوفى: ٢٥٢هـ)

علامہ محمد بن جعفر کتانی نے ایسی ۸۲ مسانید کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس

کے علاوہ بھی بہت سی مسانید ہیں۔[1]

''مسند'' کا اطلاق ایسی کتب پر بھی ہوتا ہے جن میں فقہی ترتیب سے مرفوع روایات کو جمع کیا گیا ہو، جیسے امام بخاری رحمہ اللہ کی ''الجامع المسند الصحیح'' اور امام مسلم رحمہ اللہ کی ''المسند الصحیح المختصر'' ہے۔ اسی طرح امام بقی بن مخلد (المتوفی: ٢٧٦ھ) کی ''المسند''، امام محمد بن اسحاق السراج کی ''المسند''، امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق (المتوفی: ٣١٦ھ) کی ''المسند'' بھی فقہی ترتیب پر ہے۔

بعض حضرات نے بعض خاص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات کو مسند کی صورت میں جمع کیا ہے، جیسے امام ابوبکر احمد بن علی المروزی (المتوفی: ٢٩٢ھ) کی ''مسند ابی بکر الصدیق''۔ اسی طرح امام ابوبکر احمد بن سلیمان النجار (المتوفی ٣٤٨ھ) کی ''مسند امیر المومنین عمر بن الخطاب''۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی ''مسند الفاروق'' مرتب کی تھی، جس میں امیر المومنین کے اقوال بھی شامل تھے اور فقہی ترتیب پر مشتمل تھے۔ اسی طرح امام ابن ابی داود عبداللہ بن سلیمان (المتوفی ٣١٦ھ) کی ''مسند عائشہ ام المومنین''، امام ابوعبداللہ احمد بن ابراہیم بن کثیر (المتوفی ٢٤٦ھ) کی ''مسند سعد بن ابی وقاص''، شیخ ابوامیہ محمد بن ابراہیم الطرطوسی (المتوفی: ٢٧٣ھ) کی ''مسند عبداللہ بن عمر'' ہے۔

بعض ایسی کتابیں بھی ہیں جو مسانید کی ترتیب پر ہیں مگر ان کا نام مسند نہیں ہے، جیسے حافظ ضیاء المقدسی رحمہ اللہ کی ''المختارۃ'' ہے۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ کی ''العلل'' بھی مسند کی ترتیب پر ہے۔ اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی ''جامع المسانید'' ہے اور حافظ سیوطی رحمہ اللہ کی ''الجامع الکبیر'' میں ''قسم الافعال'' مسند کی ترتیب پر مرتب ہے۔ ائمہ فقہائے اربعہ رحمہم اللہ میں سے امام مالک رحمہ اللہ کی کتاب الموطا کے نام سے مشہور و متداول

[1] الرسالة المستطرفة (٦٣)

ہے۔ اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ کی ''المسند'' بھی مشہور و معروف ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کی ''مسند'' بھی مشہور ہے، مگر اس کے مرتب ابو عمرو محمد بن جعفر رحمہ اللہ (المتوفی ۳۶۰ھ) ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ امام ابو العباس محمد بن یعقوب الاصم رحمہ اللہ (المتوفی ۳۴۶ھ) اس کے مرتب ہیں۔ مگر یہ مسند نہ ابواب پر اور نہ ہی مسانید کے اسلوب پر مرتب تھی۔ علامہ محمد عابد سندھی رحمہ اللہ نے فقہی ابواب پر اسے مرتب کیا بلکہ ''مصعد الألمعي المهذب في حل مسند الإمام الشافعي المرتب'' کے نام سے اس کی شرح بھی لکھی جس کا آخری کچھ حصہ مکتبہ محمودیہ (مدینہ منورہ) میں بتلایا جاتا ہے۔

اسی طرح امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ''مسانید'' ہیں، ان میں سے ''مسند'' کے نام سے کوئی کتاب بھی امام صاحب کی نہیں، البتہ متاخرین نے ان کی مرویات کو مسند کے نام سے جمع کیا ہے، جن کی تعداد اٹھائیس تک ذکر کی جاتی ہے۔ انہی مسانید میں سے پندرہ مسانید کو علامہ ابو المؤید محمد بن محمود الخوارزمی (المتوفی: ۶۶۵ھ) نے ''جامع المسانید'' کے نام سے جمع کیا ہے۔ انہی مسانید میں سے ایک مسند حافظ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب بن حارث بن خلیل الحارثی البخاری (المتوفی: ۳۴۰ھ) کی ہے۔

المسند بروایۃ ابی محمد الحارثی:

اس مسند کا اختصار قاضی صدر الدین موسیٰ بن زکریا الحصکفی (المتوفی ۶۵۰ھ) نے کیا جو مسند ابی حنیفہ الحصکفی کے نام سے معروف ہے۔ علامہ محمد عابد سندھی رحمہ اللہ نے اسے فقہی ترتیب پر مرتب کیا اور ''المواهب اللطيفة في الحرم المكي علي مسند أبي حنيفة للحصكفي'' کے نام سے ایک ضخیم شرح لکھی، جس کا خطی نسخہ المکتبۃ العالیہ پیر جھنڈا میں ہماری نظر سے گزرا ہے جو دو جلدوں پر مشتمل ہے، اس کی ایک شرح علامہ علی قاری (المتوفی ۱۰۱۴ھ) نے بھی لکھی ہے جو ایک جلد میں مطبوع اور متداول ہے۔ اسی طرح مولانا محمد حسن سنبھلی

لکھنوی (المتوفی ۱۳۰۵ھ) نے ''تنسیق النظام'' کے نام سے اس کی مفصل شرح لکھی اور وہ بھی مطبوع ہے۔

حافظ ابو محمد حارثی کی یہ مسند بالاسناد پہلی بار المکتبہ الامدادیہ مکہ مکرمہ سے دو جلدوں میں ''فضیلۃ العلامۃ المحدث المحقق الشیخ لطیف الرحمٰن البہرائچی القاسمی'' کی تحقیق وتخریج سے آراستہ ہوکر شائع ہوئی ہے۔ ۲۰۱۰ء میں جب ہیچ مداں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عمرے کی سعادت عطا فرمائی تو فضیلۃ الشیخ الاخ العلامۃ عزیر شمس رحمہ اللہ نے اس مسند کا نسخہ عنایت فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اس پر تبصرہ آنا چاہیے۔

آج اللہ تبارک و تعالیٰ کی توفیق سے ان کے اسی حکم کی تعمیل میں اپنی گزارشات قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ وما توفيقي إلا بالله العلي العظيم.

حافظ ابو محمد الحارثی کا تعارف:

حافظ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب بن حارث بن خلیل الحارثی السبذمونی الکلاباذی البخاری، جو عبداللہ الاستاذ کے لقب سے مشہور ہیں۔

''الکلاباذی'' نسبت خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں ذکر کی ہے۔ یہ ''کلاباذ'' بخارا کے ایک محلے کا نام ہے۔[1] ''السبذمون'' بخارا کی ایک بستی کا نام ہے جو بخارا سے نصف فرسخ پر تھی۔ علامہ سمعانی رحمہ اللہ نے اسی نسبت میں حافظ الحارثی کا ذکر کیا ہے اور ''الاستاذ'' نسبت میں بھی ان کا تذکرہ لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ انھیں ''الاستاذ'' کے لقب سے اس لیے یاد کیا جاتا ہے کہ وہ امیر بخارا اِسماعیل بن احمد السامانی کے گھر میں رہتے تھے اور وہ ان سے مسائل پوچھتے اور یہ ان کا جواب دیتے تھے اس وجہ سے دربارِ شاہی میں وہ ''الاستاذ'' کے لقب سے ملقب تھے۔

---

[1] معجم البلدان (٤/٤٧٢)

استاذ حارثی ۲۵۸ھ میں پیدا ہوئے۔ حافظ موسیٰ بن ہارون، ابو الموجہ محمد بن الموجہ المروزی، یحییٰ بن ساسویہ المروزی، محمد بن فضل البلخی، فضل بن محمد الشعرانی، الحسین بن فضل البلخی، محمد بن یزید الکلاباذی، عبداللہ بن واصل، سہل بن المتوکل، حمدویہ بن الخطاب، علی بن الحسینی بن الجنید الرازی اور محمد بن علی بن زید الصائغ وغیرہ سے استفادہ کیا۔

اور الحافظ ابو العباس احمد بن محمد بن سعید بن عقدہ الہمذانی، ابوبکر احمد بن محمد بن السری ابن ابی حازم، ابوبکر محمد بن عمر الجعابی، امام علی بن موسیٰ القمی نیشاپوری شیخ الحنفیۃ، حافظ ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن مندہ الاصبہانی، احمد بن محمد بن یعقوب الکاغذی البغدادی اور بہت سے دیگر حضرات نے ان سے روایت کی ہے۔ ۸۱، ۸۲ سال عمر پائی اور ۳۴۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ بعض نے ان کی وفات ۳۴۵ھ میں ذکر کی ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے انھیں "العلامة، الفقيه، شيخ الحنفية بما وراء النهر" اور "كان محدثاً، جوالًا، رأساً في الفقه" کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔[1]

اسی طرح حافظ قاسم بن اصبغ قرطبی کے ترجمے میں بھی ان کا ذکر "عالم ما وراء النهر ومحدثه، الإمام، العلامة" کے القاب سے کیا ہے۔[2]

بلاشبہہ وہ ماوراء النہر میں شیخ الحنفیہ تھے، حتی کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے انھیں "الحافظ" کے لقب سے ملقب کیا ہے۔[3]

مگر حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ہی ذکر کیا ہے کہ استاذ الحارثی کے تلمیذ حافظ احمد بن الحسین ابوزرعہ رحمہ اللہ نے اسے "ضعیف" کہا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

"هو صاحب عجائب وأفراد عن الثقات"

---

(1) العبر (۲/۲۵۳)　(2) تذكرة الحفاظ (۳/۸۵۳)

(3) تعجيل المنفعة (۱/۲۳۹)

”وہ ثقات سے ایسی روایات بیان کرتا ہے جن میں وہ منفرد ہے اور عجیب روایات بیان کرتا ہے۔“

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ابو سعید الرواس نے کہا: ”وہ حدیث گھڑنے میں متہم ہے۔“

احمد السلیمانی کہتے ہیں: ”وہ یہ سند اس متن کے لیے اور اس متن کے لیے وہ سند گھڑتا تھا۔“ اور یہ وضعِ حدیث کی قسم ہے۔

خطیب بغدادی نے کہا ہے: ”یہ اس درجے کا نہیں کہ اس سے استدلال کیا جائے۔ وہ صاحبِ عجائب و مناکیر ہے۔ البتہ ابن مندہ اس کے بارے میں حسنِ ظن رکھتے تھے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ کتاب القراءۃ میں فرماتے ہیں: میں نے حافظ ابو احمد سے سنا، فرماتے تھے:

”كان عبد الله بن محمد بن يعقوب الأستاذ ينسج الحديث، قال: ولست أرتاب فيما ذكره أبو أحمد من حاله فقد رأيت في حديثه عن الثقات من الأحاديث الموضوعة ما يطول بذكره الكتاب وليس يخفى حاله على أهل الصنعة“[1]

”عبداللہ بن محمد بن یعقوب الاستاذ حدیث بناتا تھا اور حافظ ابو احمد رحمہ اللہ نے اس کا جو حال ذکر کیا ہے اس کے بارے میں مجھے کوئی شک نہیں، میں نے اس کی حدیث میں ثقہ راویوں سے موضوع احادیث دیکھی ہیں جن کا ذکر کتاب کی تطویل کا باعث ہے۔ اس کا حال اہلِ فن سے مخفی نہیں۔“

حافظ الخلیلی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

---

[1] کتاب القراءۃ (۱۷۸)

''اس کو حدیث کی معرفت تھی مگر وہ کمزور ہے اور محدثین نے اسے ضعیف کہا ہے۔''

علامہ السمعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وہ کثیر الحدیث ہے مگر روایت میں ضعیف ہے۔ جو وہ نقل کرتا ہے اس میں ثقہ نہیں ہے۔ حفاظ نے کہا کہ وہ مناکیر اور اباطیل روایت کرتا ہے۔''[1]

نیچے دیے گئے تمام مراجع میں ابو محمد الحارثی کو ضعیف اور نا قابلِ استدلال قرار دیا گیا ہے، حتیٰ کہ علامہ حلبی نے ''الكشف الحثيث'' میں ذکر کر کے گویا صراحت کر دی ہے کہ یہ وضاع ہے اور من گھڑت روایات بیان کرتا تھا۔ یہی بات حافظ ابو احمد، امام بیہقی، حافظ احمد السلیمانی اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے کہی ہے۔ بلکہ انھوں نے تو اس کی مرتب کردہ مسند ابی حنیفہ کے بارے میں بھی فرمایا ہے:

''قد ألف مسنداً لأبي حنيفة الإمام وتعب عليه لكن فيه أوابد ما تفوه بها الإمام، راجت على أبي محمد''[2]

''اس نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مسند تالیف کی ہے، اس پر بڑی مشقت اٹھائی مگر اس میں بڑی منکر و متروک روایات ہیں جو امام صاحب نے روایت نہیں کیں، ابو محمد کی وجہ سے وہ عام ہو گئی ہیں۔''[3]

---

[1] تاريخ بغداد (١٢٦/١٠)، الأنساب (٢١٣/٣، ١٢٩/١)، ميزان الاعتدال (٤٩٦/٢)، لسان الميزان (٣٤٩/٣، ٣٤٨)، العبر (٢٥٣/٧)، الإرشاد للخليلي (٩٧٢/٣)، سير أعلام النبلاء (٤٢٥/١٥، ٤٢٤)، تاريخ الإسلام (١٩٠/٢٣)، المغني (٣٥٥/١)، الضعفاء لابن الجوزي (١٤١/٢)، الجواهر المضية (٢٩٠/١، ٢٨٩)، شذرات (٣٥٧/٢)، الفوائد البهية (١٠٥، ١٠٦)، الكشف الحثيث عمن رمي بوضع الحديث للحلبي (٢٤٨)، اللباب (١٠٠/٢، ٥٠/١)

[2] السير (٤٢٥/١٥)

[3] ''لسان الميزان'' میں محمد بن قاسم کے ترجمے میں اسی مسند کا ذکر ہے، جس کے حاشیہ میں شیخ ابو غدہ نے السیر سے حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا مسند ابی امام حنیفہ پر یہ تبصرہ نقل کر کے گویا ←

استاد حارثی کی طرح عبداللہ بن محمد بن جعفر القزوینی شافعی فقیہ اور قاضی نے بھی مسند الشافعی لکھی تو اس میں اس نے دو سو احادیث ایسی داخل کر دیں جنھیں امام شافعی رحمہ اللہ نے بیان نہیں کیا۔[1] ائمۂ کرام کے نام سے ایسی کارستانی بھی کی گئی۔ إن في ذلك لعبرة.

جس سے مسند ابی حنیفہ اور اس کے مصنف کی حیثیت واضح ہو جاتی ہے۔ آئندہ ان شاء اللہ آپ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کے اس تبصرے کی صداقت اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

دفاع کی ناکام کوشش:

اس حقیقت کے برعکس شیخ ابو محمد الحارثی کے دفاع میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے، چنانچہ علامہ عبدالقادر قرشی رحمہ اللہ نے میزان الاعتدال سے بحوالہ ابن الجوزی ابو سعید الرواس کا قول ''متهم بوضع الحديث''، نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے:

''عبد الله بن محمد أكبر وأجل من ابن الجوزي ومن أبي سعيد الرواس''[2]

''عبداللہ بن محمد، ابن جوزی اور ابو سعید الرواس سے بڑے اور زیادہ جلیل القدر ہیں۔''

چلیے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ عبداللہ الحارثی، ابن جوزی رحمہ اللہ اور ابو سعید رحمہ اللہ سے زیادہ عظمت و شان رکھتے تھے۔ مگر یہ بھی دیانت کی کون سی معراج ہے کہ میزان الاعتدال سے ابن جوزی کے حوالے سے ابو سعید کا قول نقل کر کے ضمیر کا بوجھ کم

← اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ (لسان الميزان: ٧/٤٤٤)

[1] ميزان الاعتدال (٢/٤٩٥)　[2] الجواهر المضية (١/٢٩٠)

کرنے کے لیے کہہ دیا جائے کہ عبداللہ الحارثی، ابن جوزی اور ابوسعید سے زیادہ عظمت والے تھے۔ مگر اسی میزان میں حافظ احمد السلیمانی، حافظ ابوزرعہ احمد بن الحسین، امام حاکم، خطیب بغدادی اور حافظ الخلیلی رحمہ اللہ کے اقوال سے صرفِ نظر کر لی جائے!

کیا یہ سبھی حضرات بھی عبداللہ الحارثی سے کم تر مرتبہ رکھتے ہیں؟ غالباً یہی وجہ ہے کہ "الجواهر المضية" کے حنفی مصحح جناب حسن نعمانی صاحب نے علامہ قرشی کے اس قول پر حاشیے میں دیگر ائمۂ حدیث کی جرح نقل کر کے اس کی کمزوری واضح کر دی ہے۔

عبداللہ الحارثی کے فقیہ، کثیر الحدیث اور مفتی ہونے سے کسی کو انکار نہیں، بلکہ ان پر راویِ حدیث اور ایک محدث ہونے کے اعتبار سے جرح ہے کہ وہ استدلال و احتجاج کے قابل نہیں اس لیے کہ ان پر تو وضعِ حدیث کا الزام ہے اور وضاعین میں انھیں شمار کیا گیا ہے۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ مسند الامام الاعظم کے "محقق، علامہ، محدث" قاسمی صاحب فرماتے ہیں کہ ابو محمد الحارثی پر رد و قدح کا سبب یہ بیان ہوا ہے کہ وہ ضعفاء سے روایت کرتے ہیں، پھر بعض ضعفاء و متروکین کا ذکر کرتے ہیں کہ ان سے فلاں فلاں محدثین نے روایت کی ہے۔ لہٰذا ضعفاء سے روایت کرنا باعثِ قدح نہیں۔[1]

أولاً: عرض ہے کہ ثقات کا ضعفاء و متروکین سے روایت کرنا ثقات پر قدح کا باعث نہیں تو کیا یہ ان ضعفاء کے ثقہ ہونے کی بھی دلیل ہے؟ اگر نہیں تو ابو محمد الحارثی کی توثیق کے حوالے سے یہ کہنا کہ اس سے حافظ ابن مندہ وغیرہ روایت کرتے ہیں، حارثی کی توثیق کی دلیل کیسے ہے؟[2]

ثانیاً: ابو محمد الحارثی کے بارے میں اعتراض ضعفاء و متروکین سے روایت

---

[1] مقدمة (ص: ٣٣۔٣٧) [2] مقدمة (ص: ٥٢)

کرنے پر ہی نہیں بلکہ وہ ثقات سے بھی عجائبات روایت کرتے ہیں، چنانچہ امام حاکم رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں:

"هو صاحب عجائب وأفراد عن الثقات"

ثالثاً: اس کا "صاحبِ عجائب" ہونا اور بواطیل روایت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ضعفاء وثقات کے نام پر وہ موضوع روایات بیان کرتا ہے۔ حسین بن داود بن معاذ بلخی کے بارے میں بھی امام حاکم رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"له عجائب يستدل بها على حاله"[3]

"ہمارے پاس اس کے عجائبات ہیں جن سے اس کے حال پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔"

خطیب بغدادی نے تو صاف کہہ دیا ہے کہ اس کی حدیث موضوع ہے۔ مزید تفصیل کے لیے سید عبدالماجد الغوری کی "معجم المصطلحات الحديثية"[2] ملاحظہ فرمائیں۔

اسی طرح "باطل" کا اطلاق موضوع حدیث پر بھی ہوتا ہے۔[3] اس لیے ابو محمد حارثی ضعفاء ومتروکین اور مجاہیل سے ہی روایت نہیں کرتا بلکہ ثقات سے موضوعات بھی بیان کرتا ہے، جس کی مثالیں آئندہ ان شاء اللہ اپنے مقام پر آئیں گی۔

رابعاً: ضعفاء ومتروکین سے روایت اگرچہ بعض ائمہ کے نزدیک درست ہے مگر اکثر ائمہ جرح وتعدیل کے نزدیک جائز نہیں، چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فكل من كان متهماً في الحديث في الكذب أو كان مغفلا يخطئ الكثير فالذي اختاره أكثر أهل الحديث من

---

[3] لسان (٢/٢٨٣) [2] معجم المصطلحات الحديثية (٤٨٣، ٤٨٤)

[3] معجم المصطلحات (ص: ١٨٩)

الأئمة أن لا يشتغل بالرواية عنه"[1]

''جو حدیث میں جھوٹ بولنے سے متہم ہو یا مغفل کثیر الخطا ہو اکثر ائمۂ محدثین کا موقف ہے کہ اس کی روایت سے شغل نہ رکھا جائے۔''

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ اسی مسئلے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں:

"أنه يجوز رواية حديث من كثرت غفلته في غير الأحكام، وأما رواية أهل التهمة بالكذب فلا تجوز إلا مع بيان حاله، وهذا هو الصحيح"[2]

''جو راوی کثرتِ غفلت کا شکار ہو اس کی روایت احکام کے علاوہ (زہد، ترغیب اور آداب میں) بیان کرنا جائز ہے، مگر متہم بالکذب کی روایت اس کی حالت بیان کیے بغیر جائز نہیں اور یہی موقف صحیح ہے۔''

اس لیے محدثین کا راجح اور صحیح موقف یہی ہے کہ کثیر الخطا اور متہم بالکذب کی روایت بیان کرنا جائز نہیں۔ اگر کوئی محدث اور ثقہ راوی ایسے راوی کی حدیث بیان کرتا ہے تو یہ اس کی توثیق نہیں، اور نہ ہی یہ ثقہ راوی کی تضعیف کا موجب ہے۔ ابو محمد حارثی تو خود ثقہ راوی نہیں ہیں اور اس پر یہ مستزاد یہ کہ وہ کذابین سے بہ کثرت روایات لیتے ہیں بلکہ ثقات سے بھی ایسی احادیث بیان کرتے ہیں جو باطل ہیں۔ لہٰذا علامہ قاسمی کا ان کے دفاع میں یہ سہارا محض طفل تسلی ہے کہ ضعفاء و متروکین اور کذابین سے روایت موجبِ قدح نہیں۔

ابو سعید الرواس رحمہ اللہ کی جرح:

حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ نے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، ابو سعید الرواس رحمہ اللہ

[1] العلل مع التحفة (٣٩٠/٤) [2] شرح العلل (٣٨٧/١)

سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''ابو محمد حارثی وضع حدیث سے متہم ہے۔''

اس جرح کے جواب میں علامہ قاسمی صاحب فرماتے ہیں:

''ابو سعید رحمہ اللہ جرح و تعدیل میں معروف نہیں۔ میں نے اس کا ترجمہ بھی نہیں پایا۔ بلکہ ابن جوزی رحمہ اللہ شاذ آراء و اقوال بیان کرنے میں معروف ہیں اور نقل میں قابلِ اعتبار نہیں۔''[1]

عرض ہے: ابو سعید رحمہ اللہ الرواس اگرچہ ائمۂ جرح و تعدیل میں معروف نہیں مگر ان کا یہ قول حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ سے متعدد حضرات نے نقل کیا ہے اور کسی نے بھی ابو سعید الرواس رحمہ اللہ اور حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ پر عدمِ اعتماد کا اظہار نہیں کیا، چنانچہ یہ قول حافظ ذہبی، حافظ ابن حجر، حافظ عجمی رحمہم اللہ کے علاوہ حافظ قاسم قطلوبغا رحمہ اللہ اور علامہ عبدالقادر قرشی رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے، لہٰذا ابو سعید الرواس رحمہ اللہ کے اس قول پر عدمِ اعتماد بجائے خود ناقابلِ اعتبار ہے۔

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کے تسامحات بجا مگر یہاں تو متاخرین نے ان پر اعتماد کیا ہے اور ان کی نقل پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ علامہ قرشی رحمہ اللہ نے اس کے دفاع میں جو کچھ کہا ہے اس کی پوزیشن ہم پہلے واضح کر آئے ہیں۔

رہے ابو سعید الرواس رحمہ اللہ تو ان کا نام بندار بن علی بن حسن ہے۔ ان سے ابو طالب نصر بن حسین القاضی الدینوری، ابو القاسم کمار بن عمر بن عبدالرحمٰن المقری البزار، عمر بن مکی ابو نصر الدینوری جیسے اعیان روایت کرتے ہیں، بلکہ ان کی مجلسِ املا قائم تھی، جیسا کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی بغیۃ الوعاۃ،[2] حافظ ابو طاہر سِلفی کی معجم السفر،[3] علامہ ابن طولون کی الأحادیث المئة المشتملة علی مئة نسبة إلی

---

[1] مقدمة المسند (۱/۴۸، ۴۹)

[2] بغية الوعاة (ص: ٤٤٤)

[3] معجم السفر (رقم: ١١٤٣)

صنائع[1] اور امام ابن عساکر کی تاریخ دمشق[2] سے عیاں ہوتا ہے۔

علامہ ذہبی، حافظ ابن حجر اور علامہ عجمی رحمہم اللہ وغیرہ کا اس حوالے سے ابوسعید الرواس رحمہ اللہ پر اعتماد بھی اس کا مؤید ہے کہ وہ ناقابلِ اعتماد نہیں، بلکہ شیخ ابوغدہ رحمہ اللہ نے تو کہا ہے کہ ایسے حاملینِ علم کے بارے میں تعدیل و توثیق تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، ان پر جرح نہ ہونا ہی کافی ہے، چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:

"إن الأصل في حملة العلم هي العدالة ما لم يتبين خلاف ذلك، فلا حاجة لقبول خبر حامل العلم معروف العناية به إلى وجود توثيق أو تعديل فيه، بل يكفي عدم ثبوت الجرح في دينه أو ضبطه"[3]

جناب علامہ قاسمی صاحب کو اپنے مہربان شیخ ابوغدہ کی یہ وضاحت پیشِ نظر رکھنی چاہیے اور ابوسعید الرواس رحمہ اللہ پر بے جا اعتراض سے گریز کرنا چاہیے۔

حافظ احمد بن علی سلیمانی کی جرح کے جواب میں علامہ قاسمی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حافظ سلیمانی وہی ہیں جنھوں نے امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ پر بے جا تنقید کی ہے اور کہا ہے: "كان يضع للروافض" "وہ روافض کے لیے احادیث گھڑتے تھے۔"

حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ جھوٹی بدگمانی ہے بلکہ امام ابن جریر رحمہ اللہ کبار ائمۂ اسلام میں سے ہیں۔ جس طرح حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے امام ابن جریر رحمہ اللہ کا دفاع کیا ہے اسی طرح ہم حافظ عبداللہ بن محمد بن یعقوب حارثی پر حافظ سلیمانی رحمہ اللہ کی بے جا جرح کا جواب دیتے ہیں کہ یہ بھی رجم بالظن الکاذب کے قبیل سے ہے۔ ملخصاً۔[4]

---

[1] الأحاديث المئة المشتملة على مئة نسبة إلى الصنائع (رقم: ٤٣)

[2] تاريخ دمشق (٣٥١/٥٣)

[3] حواشي خمس رسائل في علوم الحديث (٨٨)

[4] مقدمه (٤٩، ٥٠)

عرض ہے کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بلاشبہہ امام ابن جریر رحمہ اللہ پر حافظ سلیمانی رحمہ اللہ کے کلام کو رجم بالظن الکاذب کہا ہے۔مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے:

''فلعل السليماني أراد الآتي''[1]

''شاید حافظ سلیمانی کے کلام کے مصداق آئندہ ذکر ہونے والے محمد بن جریر ہیں۔''

بلکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تو کہا ہے:

''لو حلفت أن السليماني ما أراد إلا الآتي لبررت، والسليماني حافظ متقن كان يدري ما يخرج من رأسه فلا أعتقد أنه يطعن في مثل هذا الإمام بهذا الباطل''[2]

''اگر میں قسم اٹھاؤں کہ اس کلام میں حافظ سلیمانی کا ارادہ آئندہ ذکر ہونے والے محمد بن جریر کے بارے میں ہی ہے تو میں بری الذمہ ہوں گا۔سلیمانی حافظ متقن ہیں، وہ جانتے تھے کہ ان کے سر سے کیا نکل رہا ہے۔میں یہ اعتقاد نہیں رکھتا کہ انھوں نے یہ باطل بات امام ابن جریر رحمہ اللہ جیسے امام کے بارے میں کہی ہو۔''

مگر افسوس ہے حافظ ذہبی رحمہ اللہ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا یہی وضاحتی بیان جناب علامہ قاسمی صاحب نے نظر انداز کر کے عبداللہ حارثی کے دفاع کی کوشش کی ہے۔

مزید برآں علامہ ذہبی رحمہ اللہ یا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حافظ سلیمانی رحمہ اللہ کی امام ابن جریر رحمہ اللہ پر جرح کو اگر باطل قرار دیا ہے تو اس سے یہ کس طرح لازم آتا ہے کہ عبداللہ حارثی پر بھی ان کی جرح باطل ہے؟

حافظ ذہبی رحمہ اللہ کی حارثی پر جرح اور اس کی جمع کی ہوئی مسند امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ

---

[1] میزان (۴۹۹/۳) [2] لسان (۱۰۰/۵)

پر تبصرہ پہلے گزر چکا ہے۔ حافظ ابو زرعہ احمد بن حسین رازی، امام حاکم، خطیب بغدادی، حافظ خلیلی، حافظ ابو احمد اور امام بیہقی رحمہم اللہ کا کلام اس پر مستزاد ہے۔ اس لیے علامہ قاسمی صاحب کا عبداللہ حارثی کو امام ابن جریر رحمہ اللہ کے تقابل و تناظر میں ذکر کرنا بجائے خود غلط ہے اور ''چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک'' کا مصداق ہے۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ پر اگر حافظ سلیمانی رحمہ اللہ نے جرح کی ہے تو وہ اس میں تنہا ہیں۔ مگر یہاں معاملہ یوں نہیں، استاذ ابو محمد کی توثیق ثابت نہیں جب کہ متعدد حضرات نے ان پر جرح کی ہے، اس لیے حافظ سلیمانی رحمہ اللہ جرح میں منفرد نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کی جرح کی یہاں تردید بلا جواز مدافعانہ کارروائی ہے۔

بلکہ عبداللہ حارثی نے جن اسانید سے متونِ احادیث بیان کیے ہیں، بجائے خود ان سے حافظ سلیمانی رحمہ اللہ کی تائید ہوتی ہے، جیسا کہ (ان شاء اللہ) اس کی وضاحت آئندہ آئے گی۔ عبداللہ حارثی کی اسی کمزوری کے باعث ہی تو علامہ حلبی رحمہ اللہ نے اسے ''الكشف الحثيث عمن رمي بوضع الحديث'' میں اور علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی نے ''تنزيه الشريعة'' کے مقدمے[1] میں وضاعین کا ذکر کرتے ہوئے استاذ عبداللہ حارثی کا بھی ذکر کر کے اس کے وضاع ہونے کو ثابت کیا ہے۔

عجیب بات ہے کہ علامہ قاسمی نے ''العبر'' وغیرہ میں استاذ حارثی کے بارے میں ''الشيخ، الفقيه، العلامة، المحدث، الحافظ، شيخ الحنفية'' جیسے الفاظ کو الفاظِ تعدیل میں شمار کیا ہے، حالانکہ انھی کتابوں میں اس پر جو جرح ہے اور خود علامہ ذہبی رحمہ اللہ وغیرہ کا جو فیصلہ ہے اس سے ان کلمات کی حیثیت واضح ہو جاتی ہے۔ یہ الفاظ عدالت و ضبط میں بھی صریح نہیں ہیں۔ ''حافظ'' کا لفظ اس کے کثیر الروایة

[1] مقدمة (٧٥)

ہونے اور اس کے حفظ و ضبط پر تو دلالت کرتا ہے مگر عدالت کے لیے یہ قطعاً صریح نہیں۔ ابو ایوب سلیمان بن داود شاذکونی، محمد بن عمر واقدی، ہشام بن محمد بن سائب کلبی جیسے کذابین کو بھی حافظ کہا گیا ہے۔

فقہ و فتاویٰ کا دائرہ اور ہے جبکہ حدیث کا میدان اس سے مختلف ہے۔ استاذ حارثی بلاشبہہ شیخ الحنفیہ تھے، اس اعتبار سے ان کے مقام و مرتبے کا کسی کو انکار نہیں۔ اعتراض ہے تو اس پر کہ روایتِ حدیث میں ان کا مقام و مرتبہ کیا اور کیسا ہے؟

علامہ قاسمی ہوں یا ان کے دیگر ہمنوا؛ وہ ان کے بارے میں کسی سے بھی ثقہ یا صدوق کا کلمہ ذکر نہیں کر پائے۔ ان کی تشفی صرف اس سے ہوتی ہے کہ اگر وہ متہم و متروک ہوتے تو حافظ ابن مندہ یا حافظ ابن عقدہ اس سے روایت نہ لیتے۔ حالانکہ خود علامہ قاسمی فرماتے ہیں متروکین، کذابین اور ضعفاء سے ثقات نے روایت لی ہے۔ اور اس کی انھوں نے متعدد مثالیں ذکر کی ہیں۔[1]

اگر ان متروکین و کذابین سے ثقات کی روایت ان کے ثقہ ہونے کی دلیل نہیں تو حافظ ابن عقدہ یا حافظ ابن مندہ وغیرہ کا استاذ حارثی سے روایت لینا اس کی توثیق کی دلیل کیونکر ہے؟

یہاں یہ بات بھی پیشِ نگاہ رہے کہ بعض علمائے احناف نے استاذ حارثی کے تعارف میں یہ بات بڑی شد و مد سے کہی ہے کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے تذکرۃ الحفاظ میں قاسم بن اصبغ کے ترجمے میں انھیں امام، العالم، العلامۃ اور عالم ماوراء النہر کے القاب سے نوازا ہے۔[2]

---

[1] مقدمة (٣٤، ٤٣)

[2] حاشية دراسات اللبيب (٢٠٥)، حاشية الأجوبة الفاضلة (٢١٤)، حاشية الإمام ابن ماجه وكتابه السنن (٥٨)، ومقدمة مسند الإمام أبي حنيفة وغيره.

حالانکہ تقریباً یہی القاب العبر ، سیر أعلام النبلاء اور تاریخ اسلام میں بھی ہیں۔ بالخصوص جبکہ انھوں نے تذکرۃ الحفاظ میں اس کا ترجمہ ذکر نہیں کیا۔ صرف تذکرۃ الحفاظ میں ضمنی حوالے سے استاذ حارثی کا تعارف امانتِ علمی کے بالکل منافی ہے۔ تعجب ہے حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے میزان، العبر اور السیر وغیرہ میں جو سخت ترین جرح کی ہے اس سے اغماض کیوں کیا جاتا ہے؟ اور اس جرح کے جواب کی جو کوشش کی گئی ہے اس کی پوزیشن بھی قارئین کے سامنے ہے۔

استاذ حارثی کی موضوع روایات:

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے باسناد امام دیلمی رحمہ اللہ استاذ حارثی کے واسطے سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت بایں الفاظ ذکر کی ہے:

"كان رسول الله ﷺ إذا استاك قال: اللهم اجعل سواكي رضاك عني واجعله طهوراً... الخ"

اس کے بعد کہا ہے:

"فيه عبد الله بن محمد بن يعقوب البخاري قال في الميزان: متهم بوضع الحديث، وقال في المغني: يأتي بعجائب واهية، وقال الخليلي: حدثونا عنه بعجائب"[1]

''اس میں عبداللہ بن محمد بن یعقوب البخاری ہے، ذہبی رحمہ اللہ نے میزان میں کہا ہے: وہ وضعِ حدیث سے متہم ہے۔ اور ''المغنی'' میں کہا ہے: وہ واہی عجائبات بیان کرتا ہے، اور حافظ خلیلی رحمہ اللہ نے کہا ہے: ہمیں اس کے واسطے سے عجائبات بیان کی گئی ہیں۔''

یہی روایت علامہ محمد طاہر پٹنی رحمہ اللہ نے تذکرۃ الموضوعات[2] میں ذکر کی ہے

[1] ذيل اللآلئ المصنوعة (٩٩) [2] تذكرة الموضوعات (٣٢)

اور فرمایا ہے: "فیه متهم بالوضع" "اس میں راوی وضعِ حدیث سے متہم ہے۔" تذکرہ کے حوالے سے یہی روایت الفوائد المجموعة[1] میں بھی ذکر کی ہے اور کہا ہے:

"قال في التذكرة: فيه متهم بالوضع"

"التذکرہ میں ہے کہ اس میں راوی متہم بالوضع ہے۔"

علامہ ابن عراق رحمہ اللہ نے بھی تنزیہ الشریعہ[2] میں اسے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں عبداللہ بن محمد البخاری ہے۔

جس سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ استاذ حارثی کی روایات کو موضوع کہا گیا ہے۔ اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے جو "السیر" میں کہا کہ اس کی تالیف کی ہوئی مسند میں ایسی روایات ہیں جو امام صاحب نے روایت نہیں کیں۔ اس سے بھی اسی حقیقت کا اظہار ہوتا ہے، بلکہ علامہ عبدالرحمٰن المعلمی رحمہ اللہ نے "الفوائد المجموعة" کے حاشیے میں فرمایا ہے:

"في سنده عبد الله بن محمد بن يعقوب البخاري الحارثي الملقب بالأستاذ، ترجمته في لسان الميزان وهو مرمي بالوضع وقد وقفت له على أشياء أجزم بأنها من وضعه كوصية أبي حنيفة للسمتي، ومناظرة الأوزاعي مع أبي حنيفة وأشياء لا ريب في وضعها، ولكنه يسمى شيوخاً لا يعرفون ثم يصنع تلك البلايا، ويحدث بها عنهم، وقد كانت له معرفة وعلم ونعوذ بالله من علم لا ينفع"[3]

"اس کی سند میں عبداللہ بن محمد بن یعقوب البخاری الحارثی ہے جسے

---

[1] الفوائد المجموعة (رقم: ٣٦)

[2] تنزيه الشريعة (٧٤/٢) [3] حاشية الفوائد (١٤)

''الاستاذ'' کا لقب دیا گیا ہے۔ اس کا ترجمہ لسان المیزان[1] میں ہے اور اس کی طرف وضع کی نسبت کی گئی ہے۔ میں اس کی کئی اشیاء پر مطلع ہوا ہوں جن کے بارے میں مجھے یقین ہے کہ وہ اسی کی گھڑی اور بنائی ہوئی ہیں، جیسے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی سمتی کے نام وصیت ہے اور امام اوزاعی رحمہ اللہ کا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے مناظرہ ہے اور مزید دیگر روایات جن کے وضعی ہونے میں کوئی ریب نہیں۔ وہ ایسے شیوخ کا نام لیتا ہے جو مجہول ہیں، پھر وہ ایسی بلایا کو ان سے روایت کرتا ہے۔ بے شک وہ صاحبِ معرفت وعلم تھا مگر ہم ایسے علم سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں جس سے کوئی نفع نہ ہو۔''

امام اوزاعی رحمہ اللہ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مابین مناظرے کی روداد پر تبصرہ تو آئندہ اپنے مقام پر آئے گا۔ رہا وصیت نامہ جو یوسف بن خالد سمتی کے نام ہے اس کی دلچسپ تفصیل شائقین المناقب للموفق میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ جس کے آخر میں یہ جھوٹ بھی گھڑا گیا ہے کہ بصرہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب غالب آ گیا اور امام حسن بصری اور ابن سیرین کا مذہب ساقط ہو گیا۔[2]

امام دیلمی رحمہ اللہ ہی نے ایک اور روایت استاذ عبداللہ حارثی کی سند سے ذکر کی ہے جس کے الفاظ حسبِ ذیل ہیں:

''الحاج في ضمان الله مقبلًا ومدبراً، فإن أصابه في سفره تعب أو نصب غفر الله له بذلك سيئاته، وكان له بكل قدم يرفعه ألف درجة وبكل قطرة تصيبه من مطر أجر شهيد''

علامہ البانی رحمہ اللہ یہی روایت ذکر کر کے فرماتے ہیں:

---

[1] لسان المیزان (۳/۳۴۸)

[2] المناقب للموفق (۲/۱۰۱۔۱۰۹)

"هذا موضوع، آفته عبد الله بن محمد بن يعقوب وهو الحارثي، قال أبو سعيد الرواس: يتهم بوضع الحديث، وهو الذي جمع مسنداً لأبي حنيفة رحمه الله تعالى.... والحديث لوائح الوضع ظاهرة عليه"[1]

"یہ موضوع ہے۔ اس کی آفت عبداللہ بن محمد بن یعقوب حارثی ہے۔ ابوسعید رواس نے کہا ہے: وہ وضعِ حدیث سے متہم ہے۔ اسی نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مسند جمع کی ہے.... اور حدیث پر وضع کے آثار ظاہر ہیں۔"

پہلے ہم ذکر کر آئے ہیں کہ امام ابو زرعہ احمد بن حسین رازی رحمہ اللہ نے اپنے استاذ حارثی کو ضعیف کہا ہے۔ مزید عرض ہے کہ انھوں نے اسی کی سند سے مرفوعاً حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی روایت کی ہے:

"طالب العلم بين الجهال كالحى بين الأموات"

حالانکہ یہ روایت مرسل ہے۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس کے ارسال کے ساتھ ساتھ ضعف کا اشارہ کیا ہے۔[2] مگر حارثی نے اسے مجہول سند کے ساتھ متصل بنا دیا، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سؤالات السهمي۔[3] ظاہر ہے کہ اسے متصل بنانے کی کارستانی بھی اسی حارثی کی ہے۔

اس سے بھی ہمارے سابقہ موقف کی تائید ہوتی ہے کہ استاذ حارثی وضعِ حدیث سے متہم ہے اور اس کی روایات کو موضوع، باطل اور منکر قرار دیا گیا ہے۔

ایک حدیث اور استاذ حارثی کا تبصرہ:

مسند الامام ابی حنیفہ رحمہ اللہ میں مذکورہ احادیث اور ان کی تخریج کے حوالے

[1] الضعيفة (٣٥٠٠) [2] فيض القدير (٤/٢٦٤)

[3] سؤالات السهمي (رقم: ٣١٨)

سے قبل یہ دیکھیے کہ بعض روایات پر خود استاد حارثی نے تبصرہ فرمایا ہے۔ ان کے الفاظ اور مفہوم و معانی کے بارے میں جو رائے دی ہے، وہ کیسی ہے؟ اور ان کا اسلوب بیان کیا ہے؟

چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بواسطہ خالد بن علقمة عن عبد بن خیر، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے وضو کا طریقہ بیان کیا جس میں سر کا مسح تین بار کرنا ذکر کیا ہے۔ اس روایت کے بارے میں امام دارقطنی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ثقات حفاظ کی ایک جماعت نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مخالفت کی ہے اور وہ خالد بن علقمہ سے ایک بار سر کے مسح کا ذکر کرتے ہیں۔[1]

یہ روایت استاذ حارثی نے متعدد طرق سے یوں ہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے، چنانچہ مکی بن ابراہیم، حکم بن عبداللہ، معافی بن عمران، سعید بن مسلمۃ، عبداللہ بن ولید العدنی، ابراہیم بن مختار، قاسم بن حکم، اسحاق بن یوسف، عبدالحمید الحمانی، ابو یوسف، حسن بن زیاد، حسن بن فرات، سعید بن ابی الجہم اور ایوب بن ہانی اس روایت میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے تین بار سر کے مسح کا ذکر کرتے ہیں، بلکہ انھوں نے تو ذکر کیا ہے کہ حماد بن ابی حنیفہ بھی اپنے والد سے یہی روایت "توضأ ثلاثاً ثلاثاً" کے الفاظ سے ذکر کرتے ہیں۔[2]

استاذ حارثی فرماتے ہیں کہ تین بار مسح کا مفہوم یہ ہے کہ انھوں نے ہاتھ سر کے اوپر کے حصے پر رکھے، پھر سر کے آخر تک لے گئے، پھر انھیں سر کے ابتدائی حصے کی طرف لے آئے۔ یوں یہ تین بار مسح ہوا مگر حقیقتاً یہ ایک ہی بار مسح ہے۔ اس کی تائید جارود بن یزید، خارجہ بن مصعب اور اسد بن عمرو کی روایت سے ہوتی ہے کہ انھوں

---

[1] السنن للدارقطني (١/٨٨، ٨٩)، العلل (٥١/٤)، بيهقي (١/٦٣)، نصب الراية (١/٣٢)

[2] مسند الحارثي (رقم: ١٢٩٦، ١٢٠٦، ١٣٠١، ١٣١٣)

نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک ہی بار مسح کا ذکر کیا ہے، چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:

"أنه وضع يده على يافوخه، ثم مد يده إلى مؤخر رأسه، ثم إلى مقدم رأسه فجعل ذلك ثلاث مرات، وهو في الحقيقة مرة"[1]

"انھوں نے اپنا ہاتھ سر کے اوپر کے حصے پر رکھا، پھر اپنے ہاتھ کو سر کے آخر تک لے گئے، پھر سر کے ابتدائی حصے کی طرف لے گئے تو یوں یہ تین بار ہوا مگر حقیقتاً ایک ہی بار ہے۔"

اسی ضمن میں انھوں نے مزید فرمایا ہے کہ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جارود بن یزید، خارجہ بن مصعب اور اسد بن عمرو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اس روایت میں ایک بار مسح کا ذکر کرتے ہیں۔

ہم یہاں اس توجیہ کے حوالے سے کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتے جو انھوں نے اس روایت کے بارے میں فرمائی ہے۔ صرف اتنا عرض کرنا مقصود ہے کہ ایک طرف تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے تین بار مسح کا لفظ ذکر کرنے والے چودہ حضرات ہیں جن کی روایات استاذ حارثی نے ذکر کی ہیں۔ انھی میں سے ایک قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کی روایت ہے جو ان کی "کتاب الآثار"[1] میں دیکھی جا سکتی ہے۔ امام ابونعیم رحمہ اللہ نے مسند الامام ابی حنیفہ[2] میں اسے ان کے تلمیذ امام زفر رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، اس میں بھی تین بار مسح کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے حسن بن فرات، المقری، خارجہ بن مصعب، حماد بن ابی حنیفہ، حسن بن زیاد اور اسحاق بھی اسی طرح روایت کرتے ہیں۔ ان حضرات کے مقابلے میں استاذ حارثی کا فرمان ہے کہ جارود،

---

[1] مسند الحارثي (٧٦٧/٢)

[2] كتاب الآثار (رقم: ٤)   [3] مسند الإمام أبي حنيفة (٢٧٣، ٢٧٤)

خارجہ اور اسد بن عمرو امام صاحب سے ایک بار مسح کا ذکر کرتے ہیں۔

انصاف شرط ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ثقہ شاگردوں کے مقابلے میں ان تینوں کی حیثیت ہی کیا ہے؟ استاذ حارثی اگر نقدِ روایت کے اصول کو پیشِ نظر رکھتے یا ایک حافظ اور محدث کی شان کے مطابق اصولِ نقد کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوتے تو شاید اس تقابل کا تکلف نہ کرتے۔

جارود بن یزید:

اس کی کنیت ابو علی ہے، بعض نے ابو ضحاک بھی ذکر کی ہے۔ امام نسائی رحمہ اللہ اور دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے "متروك" کہا ہے اور امام نسائی رحمہ اللہ نے اسے "ليس بثقة" امام ابو داود رحمہ اللہ نے "غير ثقة"، امام یحییٰ رحمہ اللہ نے "ليس بشيء" امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے "كذاب" اور ابو اسامہ نے بھی اس کی تکذیب کی ہے۔ امام عقیلی رحمہ اللہ نے اسے "متروك الحديث، يكذب ويضع الحديث" کہا ہے۔ حاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس نے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے موضوع احادیث روایت کی ہیں۔ کوئی ادنیٰ کلمہ بھی اس کی توثیق و توصیف میں منقول نہیں۔ [1]

علامہ حلبی نے "الكشف الحثيث" [2] میں ذکر کر کے اس کے "وضاع" ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، حتی کہ علامہ خوارزمی نے بھی اعتراف کیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اسے "منکر الحدیث" اور ابو اسامہ اسے جھوٹا کہتے تھے۔ [3]

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ ننگ و عار ہے

ایسے راوی کی روایت ثقات کی ایک جماعت کے مقابلے میں پیش کرنا کسی "فقیہ" کا شغل تو ہو سکتا ہے، کسی محدث کا ہرگز نہیں۔

---

[1] ميزان (٣٨٤/١)، لسان (٩٠/٢، ٩١)، الكامل (٢٩٥/٢)، الضعفاء للعقيلي (٢٠٢/١) وغيره

[2] الكشف الحثيث (١٢٠، ١٢١) [3] جامع المسانيد (٤٢٠/٢)

خارجہ بن مصعب:

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لا يكتب حديثه" "اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔" عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھے میرے باپ نے منع فرمایا کہ میں اس سے کچھ لکھوں۔ ابن نمیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ليس بثقة، ليس بشيء" نیز انھوں نے "کذاب" بھی کہا ہے۔ ابن معین رحمہ اللہ اور ابوداود رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ليس بشيء"، ابومعمر الہذلی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اہل الرائے مسائل ابی حنیفہ کے لیے اسانید بنا کر خارجہ کی کتابوں میں رکھ دیتے تھے اور وہ انھیں روایت کرتا تھا۔

امام ابن مبارک رحمہ اللہ اور وکیع رحمہ اللہ نے اسے ترک کر دیا تھا۔ امام نسائی رحمہ اللہ اور ابو احمد الحاکم رحمہ اللہ نے "متروك، ليس بثقة" کہا ہے۔ امام حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ "مضطرب الحديث، ليس بقوي" ہے۔ اس کی حدیث لکھی جائے مگر استدلال کے قابل نہیں، وہ جھوٹا نہیں تھا۔ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے کہ وہ غلطی کرتا تھا قصداً جھوٹ نہیں بولتا تھا۔ امام یعقوب بن شیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ ہمارے تمام اصحاب کے نزدیک ضعیف ہے۔ وہ مدلس بھی تھا، حتی کہ غیاث بن ابراہیم وغیرہ جیسے متروک، کذاب اور وضاع سے تدلیس کرتا تھا۔ ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسی بنا پر اس کی حدیث میں موضوع روایات پائی جاتی ہیں۔ ابن جارود، عقیلی، ابن السکن، ابوزرعہ دمشقی، ابوالعرب الصقلی وغیرہ رحمہم اللہ نے اسے ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"متروك وكان يدلس عن الكذابين، ويقال: إن ابن معين كذبه"[2]

خارجہ یہ روایت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے معنعن روایت کرتا ہے۔ اس سے

---

[1] تہذیب (۳/۷۶-۷۸) [2] تقریب (۸۷)

اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس کی روایت قابلِ اعتبار ہوسکتی ہے؟ بالخصوص جبکہ خارجہ سے تین بار مسح کی روایت بھی ہے، جیسا کہ امام ابونعیم نے مسند ابی حنیفہ میں کہا ہے۔

اسد بن عمرو البجلی:

أولاً: عرض ہے کہ اسد بن عمرو نے خارجہ اور جارود کی طرح ''مسح برأسه مرة واحدة'' کا ذکر ہی نہیں کیا، بلکہ ان کے الفاظ ہیں:

''ثم أخذ ماء في كفه فصبه في صلعته فتحدر عنه''

''پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی ہتھیلی میں پانی لیا تو اسے اپنے سر کے اس حصے پر جہاں بال نہیں تھے، ڈالا تو وہاں سے نیچے بہہ گیا۔''

یہ مسح کی معروف کیفیت نہیں، بلکہ ایک اور صورت ہے، اس لیے اسے خارجہ اور جارود کی روایت کی تائید میں پیش کرنا ہی درست نہیں۔

ثانیاً: اسد بن عمرو متکلم فیہ راوی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے ''صدوق، صالح الحديث''، امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ اور ابن عمار رحمہ اللہ نے ''لا بأس به'' جبکہ امام یحییٰ رحمہ اللہ نے ''صدوق'' بھی کہا ہے۔ ابن سعد نے ''ثقة''، ابن عدی نے کہا: ''لا بأس به''، نیز فرمایا ہے کہ میں نے اس کی احادیث میں کوئی منکر حدیث نہیں دیکھی، وہ ''مستقیم الحديث'' ہے۔ امام ابوداود نے ''لیس به بأس'' کہا ہے۔

اس کے برعکس امام یحییٰ بن معین ہی کا ایک قول احمد بن سعد بن ابی مریم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ ''لیس بشیء'' اور جھوٹا ہے۔ یزید بن ہارون فرماتے ہیں: اس سے روایت لینا حلال نہیں۔ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ اور بخاری رحمہ اللہ نے ''ضعیف'' کہا ہے اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا ہے: **مذہب ابی حنیفہ کے موافق احادیث گھڑتا تھا۔** امام نسائی رحمہ اللہ نے ''لیس بثقة'' اور ''لیس بالقوي'' کہا ہے۔ محدث ساجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''عنده مناكير'' یعنی اس کے پاس منکر

روایات ہیں۔ عثمان بن ابی شیبہ نے کہا ہے: ''ھو والریح عندھم سواء'' یعنی محدثین کے ہاں ہوا اور وہ برابر ہے۔ ابو حاتم فرماتے ہیں: ''وہ ضعیف ہے، مجھے اس کی حدیث پسند نہیں۔'' حافظ جوزجانی رحمہ اللہ نے کہا ہے: اللہ نے اس سے بے نیاز کر دیا ہے۔

ابن شاہین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حافظ ابن عمار کا قول کہ ''اسد بن عمرو لا بأس به'' ہے، ان کا یہ تزکیہ امام یزید بن ہارون رحمہ اللہ اور امام عثمان رحمہ اللہ کے قول کے مقابلے میں حجت نہیں کیونکہ یزید واسطی، یعنی اس کے ہم وطن ہیں اور عثمان کوفی ہیں جبکہ ابن عمار موصلی ہے، لہٰذا یہ دونوں اسد بن عمرو کو ابن عمار سے زیادہ جانتے ہیں۔ ابن عمار سے یہ قول بھی منقول ہے کہ اسد ''ضعیف الحدیث'' ہے۔ ان دونوں اقوال میں تطبیق یوں ہے کہ ''لا بأس به'' سے ان کی مراد ہے کہ وہ قصداً جھوٹ نہیں بولتا۔ جب نظر کمزور ہوئی تو تغیر لاحق ہو گیا اور حافظہ ضعیف ہو گیا۔[1]

حافظ ابن شاہین نے حافظ ابن عمار کے قول پر امام یزید بن ہارون رحمہ اللہ اور امام عثمان رحمہ اللہ کی جرح کو جو مقدم سمجھا ہے اس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ بغدادی ہیں اور اسد بن عمرو بغداد کا قاضی تھا، اس لیے امام احمد رحمہ اللہ اسے خوب جانتے تھے اور وہ اسے ''صدوق، صالح الحدیث'' کہتے ہیں اور اس سے انھوں نے روایت بھی لی ہے۔ صرف امام احمد نے ہی نہیں بلکہ بعض دیگر محدثین نے بھی اسے ''صدوق، لا بأس به'' کہا ہے۔

مگر حقیقت یہی ہے کہ وہ ''ضعیف'' ہے اور زیادہ سے زیادہ اس کی حدیث قابلِ اعتبار ہے، جیسا کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے کہا ہے: ''یعتبر به'' تو اس کی روایت قابلِ استدلال قطعاً نہیں۔ امام ابن عدی رحمہ اللہ کا فرمانا کہ اس کی روایات میں میں

---

[1] میزان (۲۰٦/۱)، لسان (۳۸۳/۱)، الکامل (۳۸۹/۱)، تعجیل المنفعة (۲۹۵/۱)، المجروحین (۱۸۰/۱)، الجرح والتعدیل (۳۳۷/۲) وغیرہ.

نے کوئی حدیث منکر نہیں دیکھی۔ یہ ان کی حد تک درست ہے جبکہ امام ساجی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: ”عنده مناكير“ یعنی اس کے پاس منکر روایات ہیں۔

امام عقیلی رحمہ اللہ اس کی اسی نوعیت کی منکر حدیث ذکر کر کے لکھتے ہیں:

”هكذا حدث أسد بهذا الحديث... وقد رواه هشيم بن بشير، وخالد بن عبد الله عن حصين، ولم يذكروا هذا التفسير كله، وهؤلاء القوم يتهاونون بالحديث ولا يقومون به، ويصلونه بما ليس منه فيفسدون الرواية“[1]

”یہ حدیث اسد بن عمرو نے اسی طرح بیان کی ہے.... جب کہ ہشیم بن بشیر اور خالد بن عبداللہ یہ حدیث حصین سے روایت کرتے ہیں اور یہ تمام تفسیر ذکر نہیں کرتے۔ یہ لوگ حدیث میں تساہل برتتے ہیں، صحیح طور پر بیان نہیں کرتے، ایسی چیز اس میں شامل کر دیتے ہیں جو اس میں سے نہیں ہوتی، یوں وہ روایت کو فاسد کر دیتے ہیں۔“

اتنی واضح اور صاف بات کے بعد اس کی روایات میں نکارت کا انکار کیونکر درست ہے؟

اس کی اسی روایت کو لیجیے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے سبھی روایت کرنے والے سر کے مسح کا ذکر کرتے ہیں مگر اسد بن عمرو چلو پانی لے کر سر پر ڈالنے کا ذکر کرتے ہیں، جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں، اس لیے:

أولاً: اسد کی روایت معناً خارجہ اور جارود کی روایت کے موافق نہیں۔

ثانیاً: اسد بن عمرو اس قابل نہیں کہ اس کی روایت قابلِ استدلال ہو، لہٰذا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اس حدیث میں ایک بار مسحِ راس کی کوئی روایت صحیح یا حسن نہیں

---

[1] الضعفاء الكبير (٢٤/١)

بلکہ ان سے تین بار مسح کی روایت ہی منقول ہے اور اسے روایت کرنے میں وہ متفرد ہیں جب کہ ثقات کی جماعت اس میں ایک بار مسح کا ہی ذکر کرتی ہے۔

استاذ حارثی نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی روایت میں تین بار مسح کی تائید میں یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت عثمان، علی، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ کی احادیث میں بھی تین بار مسح کا ذکر ہوا ہے اور ان کا بھی وہی مفہوم ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔[1]

بلاشبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی بعض روایات میں تین بار سر کے مسح کا ذکر آیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایات میں بھی۔ حیرت کی بات ہے کہ احناف کے نزدیک سر کا مسح ایک بار ہے جب کہ شوافع تین بار کو مستحب کہتے ہیں۔ علمائے احناف تین بار مسح کی احادیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں، چنانچہ علامہ مرغینانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"والذي يروى فيه من التثليث محمول عليه بماء واحد"

"تین بار مسح کی روایات اس پر محمول ہیں کہ ایک ہی بار پانی سے مسح ہو۔"

علامہ ابن ہمام "والذي يروى" کے الفاظ کی شرح میں لکھتے ہیں:

"بالتمريض يشعر بضعفه"[2]

یعنی صاحبِ ہدایہ نے صیغۂ تمریض سے ان روایات کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ بھی لکھتے ہیں:

"أجاب أصحابنا عن هذه الأخبار بضعف هذه الأخبار"[3]

"ہمارے اصحاب نے ان احادیث کا جواب اس طرح دیا ہے کہ یہ احادیث ضعیف ہیں۔"

---

[1] مسند الحارثی (٧٦٧/٢) [2] فتح القدير (٢٢/١)

[3] السعاية (١٣٣/١)

علامہ زیلعی رحمہ اللہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایات کے بارے میں امام ابو داود رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی صحیح احادیث میں ایک ہی بار مسح کا ذکر ہے۔[1] نیز امام بیہقی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو "توضأ ثلاثا ثلاثا" کے الفاظ ہیں، ان سے امام شافعی رحمہ اللہ نے تکرارِ مسح پر استدلال کیا ہے۔

یہ روایات مطلق ہیں جب کہ مفسر روایات میں ثابت ہے کہ تکرار، مسحِ راس کے علاوہ باقی اعضاء میں ہے اور غریب اسناد سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تکرارِ مسح کا ذکر ہے، مگر وہ حفاظ کی روایات کے خلاف ہونے کے علاوہ اس درجے کی نہیں کہ ان سے استدلال کیا جائے، اگرچہ ہمارے بعض اصحاب نے ان سے استدلال کیا ہے۔[2] اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایات پر نقد کی تفصیل آپ البنایہ میں بھی ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔[3]

سر کے ایک بار مسح کے بارے میں علامہ حلبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"لما روى أصحاب السنن الأربعة عن علي رضي الله عنه في حكاية وضوئه عليه الصلاة والسلام أنه مسح مرة واحدة، وأحاديث عثمان الصحاح تدل على ذلك.... الخ"[4]

"ایک بار مسح اس لیے کہ اصحابِ سنن اربعہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار مسح کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی صحیح احادیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں۔"

---

1. نصب الراية (٣١/١، ٣٢)
2. نصب الراية (٣٤/١)
3. البناية (٢٤٢/١)
4. غنية المستملي (٢٣)

علامہ حلبی رحمہ اللہ کا یہ بیان بھی علامہ ابن ہمام وغیرہ کا موید ہے کہ احناف کے نزدیک اعتبار صرف ایک بار سر کا مسح کرنے کی احادیث کا ہے اور جن روایات میں تین بار مسح کا ذکر ہے وہ یا تو ضعیف ہیں یا وہ ایک ہی پانی سے ایک ہی بار پورے سر کا مسح کرنے پر محمول ہیں۔ استاذ حارثی کا بھی یہی خیال ہے، جیسا کہ اوپر ہم ذکر کر آئے ہیں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ صاحبِ ہدایہ نے ایک بار مسح کے لیے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے۔ علامہ زیلعی نے فرمایا کہ یہ غریب ہے اور مجھے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ایک بار مسح کی حدیث نہیں ملی بلکہ اس کی تضعیف اس سے ہوتی ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ [1] میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

"كان يمسح على الرأس ثلاثاً، يأخذ لكل مسحة ماء جديداً" [2]

"وہ سر کا مسح تین بار کرتے، ہر مسح کے لیے نیا پانی لیتے۔"

اس لیے تین بار مسح کی روایات کی تاویل میں ایک ہی پانی سے تین بار مسح مراد لینا محلِ نظر ہے۔

ہمارا مقصود یہاں سر کے مسح کی تفصیل بیان کرنا نہیں ہے بلکہ صرف یہ بتلانا ہے کہ عموماً علمائے احناف تین بار مسح کی روایت کی تضعیف و تاویل کرتے ہیں جب کہ استاذ حارثی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت میں تین بار مسح کے الفاظ کو درست سمجھتے ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تین بار مسح والی احادیث کو اس کا مؤید بتلاتے ہیں اور فرماتے ہیں:

"فمن جعل أبا حنيفة غالطاً في روايته المسح ثلاثا فهو

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة (١٦/١)　[2] نصب الراية (٣٠/١)

واهم وكان هو بالغلط أولى وأحق"[1]

''لہٰذا جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو تین بار مسح کی روایت میں قصور وار ٹھہراتا ہے وہ خود وہم میں مبتلا ہے اور وہی بالاولیٰ غلطی پر ہے اور غلطی پر ہونے کا زیادہ مستحق ہے۔''

حالانکہ استاذ حارثی نے جن کذاب اور وضاع راویوں کی روایات کی بنا پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی روایت میں ایک بار مسح کا ذکر کیا اور تین بار مسح کی جو تاویل کی ہے اس کی پوزیشن آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

حدیث دانی صرف روایات بیان کرنے کا نام نہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ایک درجن سے زائد تلامذہ کی روایات کے مقابلے میں جارود بن یزید وغیرہ جیسے راویوں پر اعتماد حدیث کی کون سی خدمت ہے؟ اسی طرح خالد بن علقمہ کے تلامذہ زائدۃ بن قدامہ، سفیان ثوری، شعبہ، ابوعوانہ، شریک، ابو الاشہب، جعفر بن حارث، ہارون بن سعد، جعفر بن محمد، حجاج بن ارطاۃ، ابان بن تغلب، علی بن صالح، حازم بن ابراہیم، حسن بن صالح اور جعفر الاحمر کے مقابلے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی روایت میں وہم کا انکار محض مجادلہ اور ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے؟!

استاذ حارثی کی یہاں رگِ حمیت کا اندازہ کیجیے کہ اسی روایت میں امام شعبہ رحمہ اللہ سے ''خالد بن علقمہ'' کی جگہ ''مالک بن عرفطہ'' کا نام آیا ہے۔ امام بخاری، امام احمد، ابو حاتم اور ابن حبان رحمہم اللہ وغیرہ نے فرمایا ہے کہ یہ امام شعبہ رحمہ اللہ کا وہم ہے، صحیح خالد بن علقمہ ہے۔ استاذ حارثی اسی تناظر میں آپے سے باہر ہو گئے ہیں اور فرماتے ہیں:

"ولو كان هذا الغلط من أبي حنيفة لنسبوه إلى الجهالة وقلة المعرفة ولأخرجوه مثلا من الدين وهذا من قلة

[1] مسند (۲/۷۶۷، ۷۶۸)

الورع وإتباع الهوى"[1]

"اگر یہ غلطی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ہوتی تو وہ ان کی طرف جہالت اور قلتِ معرفت کی نسبت کرتے اور انھیں دین سے نکال دیتے اور یہ قلتِ ورع اور خواہش پرستی کا نتیجہ ہے۔"

حالانکہ محدثین نے تو تین بار مسح کے ذکر کو بھی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا وہم ہی کہا ہے اور انھیں نہ جاہل کہا، نہ دین سے نکالا۔ دراصل استاذ حارثی کا یہ تبصرہ "کل إناء يترشح بما فيه" کا مصداق ہے۔ امام شعبہ رحمہ اللہ سے خطا ہوئی تو اسے محدثین نے چھپایا نہیں، حتی کہ امام دار قطنی رحمہ اللہ نے ہی فرمایا ہے:

"شعبة يخطئ في أسماء الرجال كثيرا لتشاغله بحفظ المتون"[2]

"حفظ متون میں زیادہ متوجہ ہونے کی وجہ سے امام شعبہ رحمہ اللہ راویوں کے ناموں میں بہ کثرت خطا کرتے ہیں۔"

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا شغل بھی زیادہ فقہ اور قیاس سے تھا۔ ان سے اگر غلطی ہوئی ہے تو اس میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں اور نہ ہی اس پر سیخ پا ہونے کی ضرورت ہے۔

ایں گلِ دیگر شگفت:

یہاں یہ بات بھی دیکھیے کہ اس مسند کے محقق علامہ قاسمی صاحب نے بلا تحقیق و تنقیح ان روایات کو جن میں تین بار سر کے مسح کا ذکر ہوا ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی روایت کی تائید میں ذکر کیا، پھر حافظ ابن الجوزی کی "کشف المشکل" سے یہ بھی نقل کر دیا کہ تین بار مسح کی روایات اولیٰ ہیں اور ایک بار مسح کی روایات اگر ثابت ہوں تو بیانِ جواز کے لیے ہیں۔[3] اِسے کہتے ہیں:

---

[1] مسند (٢/٧٦٨، ٧٦٩) [2] تهذيب (٤/٣٤٦) [3] ملخصا (٢/٧٦١)

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی روایت (جس میں تین بار مسح کا ذکر آیا ہے) کی تائید میں اس حد تک پیش قدمی کسی اور حنفی عالم کی قسمت میں کہاں کہ تین بار مسح کی روایات کو راجح، امام احمد رحمہ اللہ کے ایک قول اور امام شافعی رحمہ اللہ کے موقف (کہ تین بار مسح مسنون ہے) کو درست تسلیم کر لیا جائے۔ جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تین بار مسح نئے پانی سے کرنے کے قائل ہیں اور علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ سے اسی کا راجح ہونا نقل کیا جا رہا ہے تو اس کے بعد استاذ حارثی کی توجیہ وتوفیق کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟

علامہ قاسمی صاحب نے یہ اسلوبِ تحقیق وتائید اختیار کر کے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی روایت کا تحفظ تو کر لیا مگر ان کے مسلک کی کوئی فکر نہ کی اور نہ ہی استاذ حارثی کی توجیہ سے متفق ہوئے۔

علامہ علی قاری رحمہ اللہ اور حدیث ابی حنیفہ:

یہی روایت اور یہی بحث مسند حصکفی میں بھی ہے جس کی شرح علامہ علی قاری نے بھی کی ہے۔ اس کا وہ نسخہ جو ''دارالکتب العلمیۃ، بیروت'' سے طبع ہوا ہے ہمارے پیشِ نظر ہے۔

استاذ حارثی نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک بار مسح روایت کرنے والے جارود بن یزید اور خارجہ بن مصعب کے بارے میں جو کچھ فرمایا اور بعد میں مسند کی عبارت کی توضیح میں جو کچھ علامہ علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے، اس سے ان پر ہمارے اعتماد کو بڑی ٹھیس پہنچی، چنانچہ جارود بن یزید کے بارے میں انھوں نے فرمایا:

''أي العبدي قدم على النبي ﷺ سنة تسع وأسلم مع وفد عبد القيس، ثم أنه سكن البصرة .... إلخ''[1]

[1] شرح المسند (٤٤٦)

''جارود بن یزید، العبدی ہیں۔ سن نو ہجری میں وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وفد عبدقیس کے ساتھ اسلام لائے، پھر انھوں نے بصرہ میں سکونت اختیار کر لی۔''

اسی طرح خارجہ بن مصعب کے بارے میں لکھتے ہیں:

"أي ابن الزبير وهو أحد الفقهاء السبعة من أهل المدينة"[1]

''خارجہ بن مصعب، یہ مصعب حضرت زبیر کے بیٹے ہیں اور خارجہ اہلِ مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ایک ہیں۔''

جارود اور خارجہ کے ساتھ استاذ حارثی نے اسد بن عمرو کا نام بھی لیا مگر اس نام کا کوئی صحابی نظر نہیں آیا تو علامہ قاری رحمہ اللہ نے اس سے سکوت فرمایا۔ یاد رہے کہ علامہ رحمہ اللہ کے نسخے میں اسد بن عمر ہے مگر صحیح اسد بن عمرو ہے۔ ان کی ان توضیحات پر ہم إنا لله وإنا إليه راجعون ہی کہہ سکتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اگر علامہ علی قاری رحمہ اللہ نے استاذ حارثی کی بات کو سمجھا ہوتا تو الجارود بن یزید کو صحابی اور خارجہ بن مصعب کو تابعی بنانے کا تکلف نہ فرماتے۔ یہی ایک مقام ایسا نہیں بلکہ اس بحث میں دیگر مقامات پر بھی ایسے بہت سے تسامحات ہیں۔ مگر ہمارا مقصود علامہ علی قاری رحمہ اللہ کی شرح پر تبصرہ نہیں بلکہ استاذ حارثی کی کاوش سے آگاہی ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے بھی علامہ علی قاری رحمہ اللہ کے ایسے ہی تسامحات کے تناظر میں فرمایا ہے:

"وإني أتعجب من العلامة القاري كيف يخطئ خطأ كثيراً في تعيين الرواة في شرحه للموطأ وشرحه لمسند الإمام

---

[1] شرح المسند (٤٤٦)

الأعظم وغيرهما مع جلالته ... إلخ"[1]

"مجھے علامہ علی قاری رحمہ اللہ پر تعجب ہے کہ ان سے ان کی جلالت شان کے باوجود شرح موطا اور شرح مسند امام اعظم وغیرہ کے راویوں کی تعیین میں بہت زیادہ خطائیں کیونکر ہوئی ہیں؟"

شائقین علامہ علی قاری کے مزید تسامحات کے سلسلے میں التعلیق الممجد کے حسبِ ذیل صفحات بھی ملاحظہ فرمائیں۔

عبداللہ بن حارث یا یزید بن حارث:

استاذ حارثی نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ایک درجن سے زائد تلامذہ کی روایت کے برعکس جارود جیسے راویوں کی بنیاد پر مسحِ راس کے بارے میں جو موقف اپنایا ہے اس کی تفصیل قارئینِ کرام کے علم میں آ گئی ہے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تلامذہ یحییٰ بن نصر بن حاجب، محمد بن حسن شیبانی، حمزۃ بن حبیب الزیات، حسن بن فرات، قاضی ابو یوسف، اسد بن عمرو، ابوعبدالرحمان المقری، ایوب بن ہانی، حسن، سعید بن ابی الجہم، سابق البربری، یونس بن بکیر، محمد بن مسروق؛ ان تمام نے امام صاحب سے بواسطہ "زیاد بن علاقہ عن یزید بن حارث" حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے۔ استاذ حارثی نے ان کی روایات مسند[2] میں بیان کی ہیں۔ بلکہ امام محمد بن حسن کی روایت ان کی "الآثار"[3] میں، اسی طرح قاضی ابو یوسف کی بھی "الآثار"[4] میں ہے اور ان میں بھی عبداللہ بن حارث ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ایک درجن سے زیادہ تلامذہ کی روایت کے برعکس عبدالحمید ابویحییٰ الحمانی امام صاحب سے عبداللہ بن حارث کے بجائے یزید بن حارث

---

[1] التعلیق الممجد (۹۰)
[2] مسند (۳۳۲/۱۔ ۳۳۶، ۷۶۹/۲)
[3] الآثار (٦٢٨)
[4] الآثار (۹۰۷)

کا نام لیتے ہیں، جیسا کہ استاذ حارثی نے مسند[1] میں ذکر کیا ہے، حالانکہ امام ابونعیم نے مسند الامام ابی حنیفہ[2] میں حمانی سے عبداللہ بن حارث کا بھی ذکر کیا ہے اور اس کے علاوہ محمد بن حسن، شعیب بن اسحاق، امام ابوعبدالرحمان المقرئ، امام زفر، سابق وغیرہ کی روایت میں بھی عبداللہ بن حارث ہی ذکر کیا ہے بلکہ امام ابونعیم نے ایک اور حدیث[3] "حماني عن أبي حنيفة" کی سند سے ذکر کی ہے اور اس میں بھی عبداللہ بن حارث ہی ہے۔ استاذ حارثی نے بھی اس کو ذکر کیا ہے۔[4]

یہی سابقہ اول الذکر روایت حافظ طلحہ بن محمد رحمہ اللہ نے بھی اپنی مسند میں بیان کی ہے جسے علامہ خوارزمی رحمہ اللہ نے جامع المسانید[5] میں ذکر کیا ہے اور حافظ طلحہ رحمہ اللہ سے یہ بھی نقل کیا ہے:

"المشهور في هذا الحديث رواية عن أبي حنيفة له عن زياد بن علاقة عن عبد الله بن الحارث .... إلخ"

"اس حدیث میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی روایت میں "زیاد بن علاقہ عن عبداللہ بن الحارث" مشہور ہے۔"

مگر استاذ حارثی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح یزید بن حارث ہے کیونکہ عبدالحمید حمانی امام صاحب سے اور محمد بن زیاد بن علاقہ اپنے باپ سے یوں ہی روایت کرتے ہیں، حالانکہ عبدالحمید حمانی کی روایت اس بارے میں مختلف ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے۔ رہی محمد بن زیاد کی روایت تو اولاً: اس کی سند صحت مطلوب ہے۔ ثبت العرش ثم انقش!

مگر اس کے باوجود استاذ حارثی فرماتے ہیں:

---

1. مسند (۳۳۲، رقم: ٤٣١)
2. مسند الإمام أبي حنيفة (رقم: ١٤٢)
3. حديث (رقم: ١٤٣)
4. مسند (رقم: ٤٤٤، ٤٤٥)
5. جامع المسانيد (١/١٥٩)

”وتبين بذلك رجحان أبي حنيفة على غيره من المحدثين في الحفظ والإتقان“[1]

”اس سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے حفظ و اتقان کا رجحان دوسرے محدثین پر ظاہر ہوگیا۔“

یہ رجحان اس پر ہے کہ انھوں نے یزید بن حارث کہا۔ کس روایت کی بنیاد پر؟ محمد بن زیاد کی روایت کی بنیاد پر، جب کہ امام محمد، قاضی ابویوسف، امام زفر، امام ابوعبدالرحمان المقرئ وغیرہ ایک درجن سے زیادہ شاگرد امام صاحب سے ”عبداللہ بن حارث“ نقل کرتے ہیں۔ استاذ حارثی کے برعکس حافظ طلحہ اسی کو مشہور روایت کہتے ہیں۔ یہ مشہور روایت تو استاذ حارثی کے ہاں مرجوح قرار پائے اور محمد بن زیاد کی روایت میں یزید بن حارث راجح شمار ہوا! بلکہ امام صاحب کے حفظ و اتقان کا یہ بین ثبوت بھی ہو جائے۔

سوال یہ ہے کہ ایک درجن سے زائد شاگردوں سے جو امام صاحب نے ”عبداللہ بن حارث“ کہا ہے تو یہ ان کے وہم و خطا پر بین دلیل کیوں نہیں؟ ہم عرض کر آئے ہیں کہ اسی روایت میں نہیں دو اور روایات میں بھی امام صاحب عبداللہ بن حارث ہی کہتے ہیں۔ اس سے بھی حفظ و اتقان کا رجحان ہوتا ہے یا ان کے وہم ونسیان کا؟

اس حوالے سے ہم یہاں مزید کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتے۔ صرف یہ عرض کرنا تھا کہ امام صاحب کے ایک درجن تلامذہ کے مقابلے میں جو موافق استاذ الحارثی نے اختیار کیا ہے وہ ان کے اپنے تحفظات کا عکاس ہے، اس کی بنیاد کسی صحیح سند سے ثابت نہیں۔

یزید بن حارث اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ:

یہاں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی روایت میں راوی عبداللہ بن الحارث ہے یا

---

[1] مسند (۳۳۸/۱)

یزید بن حارث، اس بحث کے علاوہ یہاں بھی دیکھیے کہ استاذ الحارثی جس روایت کی بنا پر فرماتے ہیں کہ صحیح یزید بن حارث ہے اسی روایت میں ہے کہ محمد بن زیاد بن علاقہ نے اپنے باپ سے کہا:

”إن أبا حنيفة روى عنك حديث الطاعون فقال له رجل: من يزيد بن الحارث؟ قال: لا أدري. فقال يا بني! يزيد بن الحارث رجل منا فيمن شهد فتح القادسية وهذه داره و أومأ إليها“[1]

یہی روایت ابن خسرو نے بھی اپنی مسند الامام[2] میں ذکر کی ہے کہ ”محمد بن زیاد نے اپنے باپ زیاد بن علاقہ سے کہا کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ آپ سے حدیث طاعون بیان کرتے ہیں۔ ان سے ایک شخص نے پوچھا: یہ یزید بن حارث کون ہیں؟ تو انھوں نے کہا: میں نہیں جانتا۔ زیاد نے کہا: ”بیٹا! یزید بن حارث ہم ہی میں سے ایک آدمی تھا جو فتح قادسیہ میں شامل تھا اور یہ اس کا گھر ہے، پھر انھوں نے اس کے گھر کی طرف اشارہ کیا۔“

اس سے کیا یہ بات مترشح نہیں ہوئی کہ امام صاحب ایسے راویوں سے بھی روایت لیتے ہیں جن کے بارے میں انھیں کچھ علم نہیں ہوتا۔ اسی سے اس خوبصورت تصور کی حقیقت بھی بکھر جاتی ہے کہ امام احمد اور امام ابوداود کی طرح وہ ضعیف راویوں سے روایت لے لیتے ہیں جب اس باب میں اور کوئی روایت نہیں ہوتی اور بے خبری میں کوئی روایت نہیں لیتے۔

ایک اور حدیث:

استاذ حارثی نے بڑی کوشش سے ثابت کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے راوی

[1] مسند الحارثي (١/٣٣٨)
[2] مسند الإمام (١/٤٣٢، رقم: ٤٥٥)

کے نام میں اور روایت کے الفاظ میں کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ اگر اس میں کوئی وزن ہوتا تو یہ سعی بڑی مبارک ہے مگر اس کی جو حیثیت ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی دیکھیے کہ مسند میں استاذ حارثی نے بواسطہ "وكيع بن محمد عن أبيه عن بشر بن حرب المروزي عن حفص بن عبد الرحمان عن أبي حنيفه عن أبي الزبير عن جابر" ایک روایت ذکر ہے جس کے الفاظ ہیں:

"صلى في ثوب واحد متوشحاً به، فقال بعض القوم لأبي الزبير: غير المكتوبة؟ فقال: المكتوبة وغير المكتوبة"[1]

علامہ قاسمی صاحب نے ذکر کیا ہے کہ مسند احمد،[2] عبد بن حمید،[3] مسلم،[4] ابن خزیمہ،[5] ابوعوانہ،[6] شرح الآثار[7] اور بیہقی[8] میں کئی طرق سے یہی روایت ابوالزبیر عن جابر سے مروی ہے اور ان میں ابوزبیر کا قول نہیں ہے۔

عرض ہے کہ یہی روایت مسند امام احمد[10] اور مسند السراج[11] میں زہیر عن ابی الزبیر سے مروی ہے اور مسند احمد میں ابوالزبیر کا قول بھی موجود ہے اور مسند السراج میں یہ قول حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی کا ہے۔ ہم یہاں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ علامہ خوارزمی رحمہ اللہ نے یہی روایت جامع المسانید[12] میں پہلے استاذ حارثی سے نقل کی ہے، اس کے بعد انھوں نے حافظ طلحہ بن محمد رحمہ اللہ کی مسند سے بھی اسی سند کے حوالے سے

---

[1] مسند الحارثي (١/١٥٢، رقم: ٥٢)

[2] مسند أحمد (٣/٢٩٣، ٢٩٤، ٣٠٠)

[3] عبد بن حميد (١٠٥١)

[4] مسلم (٢/٦٢)

[5] ابن خزيمة (٧٦٢)

[6] أبو عوانه (٢/٦٣)

[7] شرح الآثار (١/٣٨١)

[8] بيهقي (٢/٢٣٨)

[9] مسند إمام أحمد (٣/٣٨٦)

[11] مسند السراج (رقم: ٤٧٩)

[12] جامع المسانيد (١/٣٥٠)

اس روایت کا ہونا ذکر کیا ہے، پھر کہا ہے:

”لكن قال الحافظ: الصواب حفص بن عبد الرحمن عن أبي خيثمة زهير بن معاوية، إذ الحديث لزهير، لكن وقع كذلك في أصل وكيع“

”لیکن حافظ طلحہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ صحیح ”حفص بن عبد الرحمٰن عن ابی خیثمۃ زہیر بن معاویۃ“ ہے کیونکہ یہ حدیث زہیر کی ہے۔ مگر وکیع (بن محمد ابن رزمۃ نیشا پوری) کی اصل میں اسی طرح (یہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے) ہے“ ورنہ صحیح ”عن الزهير عن أبي الزبير عن جابر“ کی سند سے ہے۔“

گویا حافظ طلحہ اسے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی سند سے ہونا درست ہی نہیں سمجھتے۔ بلکہ صحیح ”حفص عن الزهير عن أبي الزبير“ قرار دیتے ہیں۔ اس سے خود استاذ حارثی کے بارے میں سمجھا جا سکتا ہے کہ روایات کے جانچنے اور پرکھنے میں ان کا اپنا مقام کیا ہے!!

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مرویات:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مرویات کے بارے میں کبار محدثین کی آرا کے برعکس یہ تاثر دیا گیا ہے کہ وہ کثیر الروایہ تھے، البتہ ان سے احادیث کی روایت کم ہے۔ یوں ان کی قلتِ روایت کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے۔ اسی حوالے سے ایک رَوایت اسی مسند میں ہے جو قابلِ غور ہے، چنانچہ یحییٰ بن نصر بن حاجب کا بیان ہے:

”دخلت على أبي حنيفة في بيت مملوء كتباً فقلت: ما هذه؟ قال: هذه أحاديث كلها وما حدثت به إلا اليسير الذي ينتفع به“[1]

[1] مسند (رقم: ١٥١٥)

''میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے گھر گیا جو کتابوں سے بھرا ہوا تھا، میں نے کہا: یہ کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: یہ تمام احادیث ہیں مگر میں تھوڑی سی مفید احادیث ہی بیان کرتا ہوں۔''

اس قول کی صحت وضعف سے قطع نظر اس میں امام صاحب کا اعتراف ہے کہ میں نے تھوڑی سی مفید احادیث ہی روایت کی ہیں، اس لیے کسی اور توجیہ کے بجائے امام صاحب کی اس وضاحت کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب الآثار میں مرفوع روایات تقریباً ۱۰۹ ہیں۔ علامہ طحاوی استاذ حارثی کے معاصر ہیں اور انھوں نے مسلکِ امام کی تائید میں شرح معانی الآثار لکھی ہے، ہمارے تتبع کے مطابق اس میں وہ امام صاحبؒ سے صرف پانچ مرفوع روایات لاتے ہیں۔ فاعتبروا یا أولی الأبصار!

مسند ابی حنیفہ اور موضوع احادیث:

کہنے کو تو علامہ قاسمی صاحب نے مسند کی احادیث کی تخریج کرنے میں بڑی جانفشانی دکھائی اور روایات کو شواہد و متابعات سے مقبول بنانے کی بڑی بے جگری کا ثبوت دیا۔ مگر مجال ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تک پہنچنے والی سند کے بارے میں کوئی رائے دی ہو اور ان کے راویوں کا ''ذکرِ خیر'' کیا ہو۔ جب امام صاحب تک پہنچنے والی سند کذاب، وضاع، متروک اور مجہول راویوں پر مشتمل ہو تو ان کے سہارے امام صاحب کی مرویات کا شمار قطار کس درجہ کا ہو سکتا ہے؟

امام یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں:

''حدیث کو نہ دیکھو اس کی سند دیکھو۔ اگر سند صحیح ہے تو فبہا، ورنہ جب تک سند صحیح نہ ہو کسی حدیث سے دھوکا نہ کھاؤ۔''[1]

مولانا ظفر احمد عثمانی نے علامہ خوارزمی رحمہ اللہ کی جامع المسانید[2] سے ایک

---

[1] الجامع للخطیب (۱۰۲/۲)
[2] جامع المسانید (۲۴۶/۱)

حدیث: ''إنه كان ﷺ يقبل نساءه في رمضان وما يجدد الوضوء'' نقل کی ہے اور اس کے بارے میں فرمایا ہے:

''رجاله ثقات إلا أن سنده إلى أبي حنيفة فيه كلام''[1]

''اس کے راوی ثقہ ہیں مگر ابوحنیفہ رحمہ اللہ تک کی سند میں کلام ہے۔''

علامہ خوارزمی رحمہ اللہ نے یہ روایت استاذ حارثی کی اسی مسند سے نقل کی ہے۔

علامہ خوارزمی رحمہ اللہ کی منقول سند حسبِ ذیل ہے:

''كتب إلي أبو سعيد البصرى النجيرمي ثنا هانئ بن منصور الجرجاني ثنا الحسن بن زياد ثنا أبو حنيفة''[2]

مگر جامع المسانید میں سند مختلف ہے جو حسبِ ذیل ہے:

''عن أبي سعيد البصرى عن الحارث عن على بن منصور الجرجاني عن الحسن بن زياد عن أبي حنيفة''[3]

أولاً: یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ استاذ حارثی نے مذکورہ بالا حدیث سے پہلے اسی سند سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ایک اور حدیث ذکر کی ہے جس کے الفاظ ہیں:

''كان رسول الله ﷺ يخرج إلى الفجر و رأسه يقطر من جماع غير احتلام ويظل صائما''[4]

یہی حدیث علامہ خوارزمی نے نقل کی ہے مگر اس کی سند یوں ہے:

''عن أبي سعيد البصري البخاري عن علي بن منصور الجرجاني عن الحسن بن زياد عن أبي حنيفة''[5]

غور فرمایئے! سند دونوں کی استاذ حارثی کے ہاں ایک ہے مگر علامہ خوارزمی

---

1. إعلاء السنن (١/١١٥)
2. مسند (١/٢١٨)
3. جامع المسانيد (١/٢٤٦)
4. مسند (١/٢١٨، رقم: ١٨٥)
5. جامع المسانيد (١/٤٨٠)

نے پہلی سند میں ”عن الحارث عن علي بن منصور“ کہا اور دوسری میں ”الحارث“ بھی نہیں۔ علامہ قاسمی صاحب کے پیشِ نظر جامع المسانید تھی۔ کاش وہ مسند کی تحقیق میں جامع المسانید میں موجود استاذ حارثی کی اسانید سے تقابل ہی کر لیتے!

بلاشبہہ جامع المسانید کی اسانید میں بڑی گڑ بڑ ہے اور اس کا کوئی صحیح نسخہ زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوا مگر استاذ حارثی کی مسند جن نسخوں کی تحقیق سے شائع ہوئی ہے ان میں سب سے قدیم نسخہ ۶۰۴ھ کا مکتوبہ ہے، دوسرا ۶۳۶ھ کا، تیسرا ۷۳۳ھ کا اور دیگر نسخے بھی اس کے بعد کے ہیں۔ علامہ خوارزمی ۶۶۵ھ میں فوت ہوئے۔ گویا مسند حارثی کے نسخے علامہ خوارزمی کے دور کے ہیں یا ان سے کچھ بعد کے دور کے، اس لیے بظاہر یہ فیصلہ مشکل ہے کہ استاذ حارثی کے مطبوعہ نسخے میں وارد شدہ اسانید کا اعتبار کیا جائے یا علامہ خوارزمی نے حارثی سے جو اسانید ذکر کی ہیں ان کا اعتبار کیا جائے۔

ثانیاً: مولانا عثمانی نے اس حدیث کی سند کے بارے میں عدمِ اعتماد کا اظہار فرمایا ہے۔ اس لیے مسند میں امام صاحب سے پہلے کی اسانید قابلِ اعتماد نہ ہوں تو ان پر اعتماد کون سی خدمت ہے؟

اسی طرح علامہ ابن الوزیر الیمانی نے امام صاحب کی مرویات میں ضعف کے جواب میں ایک بات یہ بھی فرمائی ہے کہ ”أن يكون كثيراً من الأحاديث المنسوبة إلى الإمام أبي حنيفة ضعيفة من قبيل من روى عنه.... الخ“[1] کہ بہت سی ضعیف احادیث جو امام صاحب کی طرف منسوب ہیں وہ ان سے روایت کرنے والوں میں ضعف کی وجہ سے ہیں، لہٰذا جب امام صاحب سے پہلے کی اسانید قابلِ اعتبار راویوں سے مروی نہ ہوں تو انھیں امام صاحب کی مرویات میں شامل کرنا قرینِ انصاف نہیں۔

---

[1] الروض الباسم (١/١٦٥)

ثالثاً: افسوس ہے مولانا عثمانی نے اس سند کے بارے میں صرف یہ فرمایا ہے کہ ''فیه کلام'' ''اس میں کلام ہے۔'' حالانکہ ہر کلام باعثِ قدح نہیں ہوتا۔ اختلافِ سند سے قطع نظر سند کا پہلا راوی ابوسعید البصری النجیرمی ہے جس کا نام اباء بن جعفر ہے، بعض نے ابان ابن جعفر کہا ہے مگر صحیح اباء ہے۔

اباء بن جعفر:

یہ استاذ حارثی کا استاد ہے۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ایک روز میں اس کی حالت معلوم کرنے کے لیے اس کے گھر گیا تو اس نے کچھ اشیاء مجھے دکھلائیں جن کی اس نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے تخریج کی تھی .... میں نے دیکھا کہ اس نے تین سو سے زیادہ احادیث امام صاحب کے نام پر گھڑی ہیں جنھیں امام صاحب نے بالکل روایت نہیں کیا۔ اس کی روایات سے شغل رکھنا حلال نہیں۔ میں نے اسے کہا: اے ''شیخ'' اللہ سے ڈرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ مت باندھو ... میں نے اس کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ ہمارے نوجوان اس کی کچھ احادیث سے شغل رکھتے ہیں۔''[1]

حسن بن علی بن غلام الزہری کہتے ہیں:

''وہ احادیث گھڑتا تھا۔ وہ ایک نسخہ روایت کرتا جس میں اس نے ایک سو احادیث مجہول شیخ سے بیان کی تھیں اور خیال کرتا تھا کہ اس کا نام احمد بن سعید بن عمرو المطوعی ہے۔ اس میں مناکیر ہیں۔''[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ابومحمد حارثی نے مسند ابی حنیفہ میں اس سے

---

[1] المجروحین (۱/۱۸۵)، میزان (۱/۱۷)

[2] لسان (۱/۲۷)

بہ کثرت احادیث لی ہیں۔ علامہ عراقی نے ذیل المیزان [1] میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے:
''حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ''الضعفاء الصغیر'' کے ذیل میں کہا ہے کہ وہ کذاب ہے۔'' علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے المغنی [2] اور دیوان الضعفاء [3] میں بھی اسے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح علامہ برہان الدین حلبی نے ''الکشف الحثیث'' میں ذکر کر کے اسے وضاعین میں شمار کیا ہے۔ [4]

باقی سند سے صرفِ نظر بھی کر لیا جائے، تاہم اباء بن جعفر جیسے وضاع کی بنا پر اس روایت کی پوزیشن واضح ہو جاتی ہے۔ مگر اس کے باوجود مولانا عثمانی رحمہ اللہ بڑی سادگی سے فرماتے ہیں کہ اس میں کلام ہے اور ''وإنما ذکرته تاییداً'' میں نے اسے تائیداً ذکر کیا ہے۔ کیا وضاع اور کذاب کی روایت تائیداً قابلِ قبول ہے؟

مولانا عثمانی کی اس وضاحت سے کم از کم یہ تو واضح ہو جاتا ہے کہ مسند الامام ابی حنیفہ میں مروی روایات کی اسانید کو دیکھنا چاہیے کہ وہ امام صاحب تک قابلِ اعتبار سند سے پہنچ پاتی ہیں یا نہیں۔

یہی بات علامہ ابن الوزیر نے فرمائی ہے جیسا کہ اوپر ہم ان کا کلام نقل کر آئے ہیں۔ انھوں نے مزید فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہی نہیں امام جعفر صادق اور دیگر ثقات کی طرف بھی بہت سی روایات منسوب ہیں۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ اباء بن جعفر نے تین سو احادیث امام ابوحنیفہ کے نام پر وضع کی ہیں۔ [5]

مگر افسوس ہے کہ علامہ قاسمی صاحب نے امام صاحب سے پہلے کی سند پر تو چنداں توجہ نہیں دی۔ وہ عموماً ان روایات کے مویدات وشواہد پر اکتفا کرتے ہیں، حالانکہ جو وضاع

---

[1] ذیل المیزان (٤٩) [2] المغني (٦)
[3] دیوان الضعفاء (٨) [4] الکشف الحثیث (٣٥)
[5] الروض الباسم

اور کذاب جھوٹا متن بناتا ہے اس سے صحیح متن کے لیے سند بنا لینا بعید کیونکر ہے؟

اسی اباء بن جعفر نے ایک حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ بنائی:

"الوتر أول الليل مسخطة للشيطان وأكل السحور مرضاة للرحمن" [1]

یہ روایت امام ابن حبان رحمہ اللہ نے المجروحین [2] میں، علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے الموضوعات [3] میں، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اللآلی [4] میں، علامہ ابن عراق رحمہ اللہ نے تنزیہ الشریعۃ [5] میں ذکر کی ہے اور اسے موضوع قرار دیا ہے۔ [6]

علامہ خوارزمی نے جامع المسانید [7] میں ذکر کیا ہے، اباء بن جعفر کا مسند میں استاد ابو جعفر محمد بن اسماعیل بن سالم مولی بنی ہاشم ہے۔ مگر جامع المسانید میں ابو جعفر محمد بن اسماعیل عن سالم مولی بنی ہاشم ہے۔

علامہ قاسمی صاحب نے بھی علامہ ابن جوزی سے اس کا من گھڑت ہونا نقل کیا ہے مگر ان کے ساتھ یہ کارروائی بھی دکھائی کہ اس کے شواہد حضرت علی، ابوہریرہ، رافع بن خدیج، جابر بن عبداللہ، انس اور ابو سعید رضی اللہ عنہم کی احادیث ہیں۔ مگر کیا اباء بن جعفر نے جس سند سے متن کے جو الفاظ ذکر کیے ہیں، ان شواہد سے اس کا موضوع نہ ہونا ثابت ہو جاتا ہے؟

بلکہ استاذ حارثی نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی "عبداللہ بن دینار عن ابن عمر" سے مروی تمام روایات اسی اباء بن جعفر سے روایت کی ہیں۔ ملاحظہ ہو، رقم: ۲۷۲ تا ۲۸۵۔ ان چودہ روایات میں روایت نمبر ۲۷۳ وہ روایت ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔

---

1. مسند الحارثی (رقم: ۲۷۳)
2. المجروحین (۱/۱۸٤)
3. الموضوعات (۲/۱۰۱)
4. اللآلی (۲/۲۳)
5. تنزیه الشریعة (۲/۸۰)
6. میزان (۱/۱۷)، لسان (۱/۲۷)
7. جامع المسانید (۱/۳۰۳)

اسی تناظر میں باقی روایات کا فیصلہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

انہی روایات میں ایک روایت (۲۸۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بھی ہے جس کے الفاظ حسبِ ذیل ہیں:

"رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يمسح على الخفين في السفر ولم يوقت"

اب یہ روایت بھی اباء بن جعفر کی وجہ سے موضوع ہے۔ علامہ خوارزمی نے بھی اسے جامع المسانید[1] میں ذکر کیا ہے۔ علامہ قاسمی صاحب اس موضوع حدیث کا کوئی اور ماخذ تو ذکر نہ کر پائے، البتہ دارقطنی،[2] بیہقی[3] اور عبدالرزاق[4] سے نقل کیا ہے کہ نافع عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے موقوفاً یہی بیان کرتے ہیں کہ خفین پر مسح کا کوئی وقت معین نہیں، مگر اس امر کی نقاب کشائی سے گریز کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً بیان کرنے کی کارستانی کس کذاب کی ہے؟ یہ ہے اسلوبِ تخریج علامہ قاسمی کا!

اباء کی اسی "ابوحنیفہ عن عبداللہ بن دینار عن ابن عمر" سند سے یہ روایت بھی دیکھیے:

"إن الله جعل الشفاء في أربعة: الحبة السوداء، والحجامة والعسل، وماء السماء"[5]

علامہ خوارزمی نے بھی اسے جامع المسانید[6] میں ذکر کیا ہے مگر اس اسلوبِ بیان میں اس روایت کا کوئی شاہد نہیں بلکہ "ماء السماء" کا ذکر بطورِ شافی کسی مرفوع روایت میں نہیں۔

علامہ قاسمی صاحب بھی اس بارے میں کوئی مرفوع شاہد ذکر کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ ہمارے نزدیک تو یہ کارستانی بھی اسی اباء بن جعفر کی ہے۔

---

[1] جامع المسانيد (٢٨٠/١)
[2] دارقطني (١٩٦/١)
[3] بيهقي (٢٨٠/١)
[4] عبد الرزاق (٨٠٤)
[5] مسند الحارثي (٢٨٣)
[6] جامع المسانيد (١٨٩/١)

مسند الامام کی ابتدائی تین سو روایات میں ان چودہ روایات کے علاوہ احادیث نمبر ۱۱۹، ۱۲۶، ۱۴۳، ۲۴۲، ۲۴۳ بھی اسی اباء بن جعفر سے منقول ہیں۔ یوں گویا تین سو روایات میں انیس روایات اباء بن جعفر کی ہیں، جو من گھڑت ہیں۔

علامہ کوثری اور اباء بن جعفر:

یادش بخیر امام ابن عدی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے تین سو روایات سے زیادہ مشاہیر سے روایات کی ہیں جو سب کی سب اسی طرح معلول ہیں۔ علامہ کوثری رحمہ اللہ نے امام ابن عدی رحمہ اللہ کے اس تبصرہ پر تنقید کرتے ہوئے کہا:

"إنما تلك الأحاديث من رواية أباء بن جعفر النجيرمي، وكل ما في تلك الأحاديث من المواخذات كلها بالنظر إلى هذا الراوي الذي هو من مشايخ ابن عدي ويحاول ابن عدي أن يلصق ما للنجيرمي إلى أبي حنيفة مباشرة وهذا هو الظلم والعدوان الخ" [1]

"یہ احادیث اباء بن جعفر النجیرمی کی روایت سے ہیں اور ان احادیث میں جو مواخذات ہیں وہ تمام اس راوی کے تناظر میں ہیں جو ابن عدی کے شیوخ میں سے ہے اور ابن عدی کوشش کرتے ہیں کہ نجیرمی کا جرم براہِ راست امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ذمے لگا دیں اور یہی ظلم و زیادتی ہے۔"

غور فرمایا آپ نے! کہ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے جو فرمایا ہے کہ اباء بن جعفر نے تین سو سے زائد احادیث امام صاحب کے نام پر وضع کی ہیں اور امام ابن عدی نے جو علی الاطلاق فرمایا کہ امام صاحب سے تین سو سے زائد معلول روایات مروی ہیں۔ علامہ کوثری ان روایات سے امام ابن حبان کے قول کے تناظر میں اباء بن جعفر

---

[1] مقدمة نصب الراية (٥٧/١)

کی من گھڑت روایات مراد لیتے ہیں۔ اور ہم نے عرض کیا ہے کہ اس کی مرویات ''مسند الامام'' کی زینت ہیں۔ اگر اباء بن جعفر کا جرم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نام لگانا ظلم و زیادتی ہے تو ان روایات کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مرویات قرار دینا اور ''مسند الامام'' کی زینت بنانا ظلم و زیادتی نہیں؟

یہاں یہ بات بھی بجائے خود غور طلب ہے کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اباء بن جعفر کو نہ تو الکامل میں ذکر کیا اور نہ ہی امام صاحب رحمہ اللہ کے ترجمہ میں اباء کے واسطے سے امام صاحب رحمہ اللہ کی کوئی روایت ذکر کی ہے۔ بایں صورت علامہ کوثری کا یہ کہنا کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ کے کلام کا مصداق اباء بن جعفر کی مرویات ہیں، رجما بالغیب ہے اور بھان متی کے کنبے کا مصداق ہے۔

علامہ کوثری بلا دلیل کوئی بات کسی کے نام منسوب کر دینے کے بڑے مشاق ہیں، مگر یہ بحث ہمارا موضوع نہیں ہے۔

حدیث سے امام صاحب کا انکار اور مسند میں اس کا اثبات:

اباء بن جعفر کی انھی روایات میں سے ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''من لم يكن له إزار فليلبس سراويل''[1]

''کہ جس (محرم) کے پاس چادر نہ ہو وہ شلوار پہن لے۔''

یہی روایت علامہ الخوارزمی نے بھی جامع المسانید[2] میں صرف استاذ الحارثی سے نقل کی ہے۔ اس کے برعکس یہاں یہ دلچسپ بلکہ حیران کن بات بھی دیکھیے کہ ابن ابی العوام نے فضائل ابی حنیفہ میں ذکر کیا ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اگر محرم کے پاس چادر نہ ہو تو کیا وہ شلوار پہن لے؟ تو انھوں نے فرمایا: نہیں، چادر پہنے، ان سے عرض کیا گیا کہ چادر اس کے پاس نہیں۔ امام صاحب رحمہ اللہ نے

[1] مسند الحارثی (۱/۱۷۸، رقم: ۱۱۹) [2] جامع المسانید (۱/۵۳۸)

فرمایا: شلوار فروخت کر کے چادر خرید لے۔ ان سے عرض کی کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا ہے: ''محرم کے پاس چادر نہ ہو تو وہ شلوار پہن لے۔ انھوں نے فرمایا: میرے نزدیک صحیح ثابت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شلوار پہنی ہو کہ میں اس کے مطابق فتویٰ دوں۔''[1]

امام صاحب رحمہ اللہ کی یہی وضاحت تاریخ بغداد[2] اور الانتقاء لابن عبدالبر[3] میں بھی ہے اور جناب قاسمی صاحب نے مسند ابن خسرو کے مقدمہ[4] میں اسے بطورِ استدلال ذکر کیا ہے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ امام صاحب تو شلوار پہننے کی حدیث کا انکار کرتے ہیں۔ ان کی سند میں اب اس کا وجود کیا اسی اباء بن جعفر کی کارستانی نہیں؟ یا امام صاحب رحمہ اللہ اپنی مروی روایت کو ہی بھول گئے ہیں؟ یا فضائل وغیرہ میں امام صاحب رحمہ اللہ کا بیان ہی قابلِ اعتنا نہیں کہ اس کا راوی بھی داود بن المحبر متروک ہے۔ اندازہ کیجیے کہ متروک و کذاب راویوں نے امام صاحب کے نام سے کیا کیا گل کھلائے ہیں ؎

کس کا یقین کیجیے کس کا یقین نہ کیجیے
آئی ہے بزمِ یار سے خبر الگ الگ

صالح بن احمد بن ابی مقاتل القیراطی البغدادی:

یہ بھی استاذ حارثی کا ایک اور استاد ہے، جس کے بارے میں امام دارقطنی نے کہا ہے: "متروك، كذاب، دجال" ابن عدی کہتے ہیں: "يسرق الحديث" برقانی کہتے ہیں: "ذاهب الحديث" خطیب کہتے ہیں: اس کو ''حافظے کی وجہ'' سے یاد کیا جاتا تھا مگر وہ بکثرت مناکیر بیان کرتا ہے۔ ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

[1] فضائل أبي حنيفة (١٨٢) [2] تاريخ بغداد (٣٩٢/١٣)
[3] الانتقاء لابن عبد البر (٢٥٩) [4] مقدمه (٥٠)

"یسرق الحدیث" اس نے دس ہزار احادیث کو ادل بدل کر دیا ہے۔ جن شیوخ کو اس نے نہیں دیکھا تھا ان کی احادیث ان شیوخ سے ملا دیتا جنھیں دیکھا ہوتا تھا۔ موقوف کو مرفوع اور مرسل کو متصل بنا دیتا اور اسانید میں اضافہ کرتا تھا۔ اس کا معاملہ بالکل واضح ہے۔[1]

اسی صالح قیراطی کے انہی "اوصاف" کا اعتراف علامہ کوثری نے تانیب الخطیب[2] میں کیا ہے۔ گو انھوں نے اپنی روایتی روش کے تحت حافظ صالح بن احمد کو "القیراطی" بنانے کی کوشش کی ہے۔ استاذ حارثی نے ابتدائی تین سو احادیث میں سولہ روایات صالح بن احمد سے روایت کی ہیں۔ انہی میں سے ایک روایت بایں الفاظ منقول ہے:

"لا يحل لرجل يؤمن بالله واليوم الآخر أن يدخل الحمام إلا بمئزر، ومن لم يستر عورته من الناس كان في لعنة الله والملائكة والخلق أجمعين"[3]

علامہ قاسمی نے اس کی تخریج میں یہ وضاحت کی ہے کہ متعدد طرق سے اس روایت کا پہلا حصہ "أبو الزبير عن جابر" کی سند سے منقول ہے اور "طاؤس عن جابر" کے واسطے سے بھی یہ مروی ہے مگر دوسرا حصہ نہیں۔ یہی دوسرا حصہ "من لم يستر .... الخ" علامہ خوارزمی نے جامع المسانید[4] میں ذکر کیا ہے۔ یہ حصہ بلاشبہ اسی غیر صالح "صالح" کی کارستانی معلوم ہوتی ہے۔ اس کی باقی روایات کے لیے دیکھیے مسند الحارثی۔[5]

---

(1) لسان (٣/١٦٤، ١٦٥)، تاريخ بغداد (٩/٣٢٩)، الكامل (٤/١٣٩٠)، المجروحين (١/٣٧٣)، ميزان (٢/٢٨٧)، الكشف الحثيث (٢٠٧) وغيره.

(2) تأنيب (١٥٨) (3) مسند (رقم: ٦٥) (4) جامع المسانيد (١/٣٥٠)

(5) (رقم: ١٧٨، ١٣٩، ١٢٩، ١٢٨، ١١٥، ٧٦، ٧٠، ٣٠، ١٤، ٢٦٥، ٢٦٢، ٢٤٦، ٢١٥، ٢١٠، ٢٠٦)

ایک ضروری وضاحت:

تین سو میں سے صالح بن احمد قیراطی کی یہ ۱۶ روایات ہیں۔ ان کے علاوہ یہ بات بجائے خود غور طلب ہے کہ استاذ حارثی صالح بن ابی رمیح سے بھی بکثرت روایات لائے ہیں، اور وہ مجہول ہے اور اکثر اس کی روایات کو "كتب إلي صالح بن أبي رميح" کے الفاظ سے ذکر کرتے ہیں اور کبھی صرف "كتب إلى صالح" کہتے ہیں۔ پس کیا یہاں بھی ابن ابی رمیح ہی مراد ہے؟ قطعاً نہیں بلکہ اس سے یہی صالح بن احمد قیراطی مراد ہوتا ہے، جیسا کہ استاذ حارثی نے حدیث نمبر ۴۱ میں یہی کہا ہے: "كتب إلي صالح" اور اس روایت کے الفاظ ہیں:

" بئس البيت الحمام، بيت لا يستر، وماء لا يطهر"

اور یہی وہ روایت ہے جسے حافظ ذہبی نے صالح بن احمد بن ابی مقاتل قیراطی کے ترجمے میں استاذ حارثی کی اسی مسند ابی حنیفہ سے نقل کیا ہے اور فرمایا ہے:

"هذا من اختلاق صالح"[1] "یہ صالح کی گھڑی ہوئی روایت ہے۔"

اس لیے اس مسند میں جہاں "كتب إلي صالح" سے روایات منقول ہیں، ان میں اگر یہی صالح قیراطی مراد لیا جائے تو پھر اس کی تعداد سولہ سے بڑھ جاتی ہے اور یوں یہ تعداد پچیس ہو جاتی ہے۔[2]

محمد بن صالح بن عبداللہ الطبری:

یہ بھی استاذ الحارثی کے "استاد محترم" ہیں۔ ان کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "ليس بذاك، اتهم بالكذب"

ابو جعفر الصفار کہتے ہیں: "رے" میں اس کا حال منکشف ہو گیا۔ ابن ابی حاتم

---

[1] میزان (۲/۲۸۷)

[2] مسند الحارثی (رقم: ۱۶، ۱۷، ۴۰، ۴۱، ۴۴، ۴۶، ۶۱، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۸۱)

نے پہلے اس کا اکرام کیا مگر جب اس کی حالت ظاہر ہوگئی تو اسے ''رے'' سے نکال دیا اور اس کی حالت بری ہوگئی۔[1] علامہ ابن عراق نے اسے وضاعین میں شمار کیا ہے۔[2]

اسی طبری سے استاذ حارثی نے احادیث[3] روایت کی ہیں۔ متہم بالکذب اور مکشوف الحال راوی کا حکم کیا ہے؟ اور ایسے راوی کی بیان کی گئی سند و حدیث کا حکم کیا ہے؟ اہلِ علم سے مخفی نہیں۔ ایسے راوی کی بیان کردہ اسانید سے امام صاحب کی روایت ثابت کرنا بہرحال درست نہیں۔

محمد بن ابراہیم بن زیاد الرازی:

یہ بھی استاذ حارثی کے شیخ ہیں۔ امام ابو احمد حاکم نے اسے ''ضعیف'' کہا ہے۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے ''متروک''، نیز اسے ''دجال، یضع الحدیث'' بھی کہا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ اس کے ترجمے میں ایک روایت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''هذا باطل'' ''یہ باطل ہے۔''

خطیب بغدادی نے پہلے اسی کے واسطے سے ایک حدیث: ''عبد الرحمن بن یونس الرقي و عبد الکریم بن أبي عمیر، قالا حدثنا الولید بن مسلم، حدثنا الأوزاعي وعیسیٰ بن یونس عن الأعمش عن أبي صالح بن أبي ھریرة'' کی سند سے ذکر کی ہے جس کے الفاظ ہیں: ''الإمام ضامن''، پھر یہی روایت اسی محمد بن ابراہیم رازی سے نقل کی ہے کہ اس نے کہا:

''حدثنا عبد الرحمن بن یونس عن الولید عن الأوزاعي عن سفیان الثوري عن الأعمش به''

خطیب اس حدیث کی یہ سند نقل کر کے لکھتے ہیں:

---

[1] میزان (۵۸۱/۲)، لسان (۲۰۰/۵) [2] تنزیه الشریعة (۱۰۹/۱)

[3] (رقم: ۶۸، ۶۹، ۱۱۸، ۱۲۰)

"أما الحديث الثاني فلا أعرف له وجها، ولم أكتبه إلا من هذا الطريق عن محمد بن إبراهيم الرازي، وأراه مما صنعت يداه. وأما الحديث الأول فهو محفوظ من رواية أبي عبد الله محمد بن موسى النهرتيرى وكان النهرتيري قد عرف به، وتفرد بروايته عن عبد الكريم بن أبي عمير وحده عن الوليد. ولا أشك أن محمد بن إبراهيم سرقه منه، فرواه عن عبد الكريم وأضاف إليه عبد الرحمن بن يونس"[1]

خلاصۂ کلام یہ کہ "الإمام ضامن" حدیث کی دوسری سند محمد بن ابراہیم رازی کی بناوٹی ہے۔ اس سند میں عبدالکریم بن ابی عمیر ولید سے روایت کرنے میں منفرد ہے اور اس سے روایت محمد بن موسیٰ کی معروف ہے۔ محمد بن ابراہیم نے دراصل یہ محمد بن موسیٰ سے چرا کر اس میں عبدالرحمان بن یونس کا اضافہ کر دیا ہے۔

خطیب بغدادی نے یہی بات مختلف الفاظ میں تاریخ بغداد جلد: ۳[2] میں بھی کہی ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لسان المیزان[3] میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ اس سے محمد بن ابراہیم کا وضاع اور متروک ہونا نصف النہار کی طرح واضح ہو جاتا ہے، علامہ ابن عراق نے بھی اسے وضاعین میں شمار کیا ہے۔[4] استاذ حارثی نے ابتدائی تین سو احادیث میں سے حدیث نمبر: ۳۴ اور ۱۸۹ اسی سے روایت کی ہیں۔ ایسے سارق الحدیث اور وضاع کی بیان کردہ اسانید سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی روایات ثابت کرنا بڑے جگرے کی بات ہے۔

---

[1] تاريخ بغداد (۳۰٦/۱۱) [2] تاريخ بغداد (۲٤۲/۳)

[3] لسان الميزان (٥١/٤، ٢٢/٥، ٢٣)

[4] تنزيه الشريعة (۹۹/۱)

اسحاق بن بشر ابوحذیفہ البخاری:

استاذ حارثی "إسحاق بن بشر عن أبي حنيفة" سے بھی روایات لائے ہیں۔ مولانا قاسمی ایک جگہ حاشیے میں یہ تو وضاحت فرماتے ہیں کہ ایک نسخے میں بشر بن اسحاق ہے مگر وہ خطا ہے۔[1]

مگر مجال ہے کہ یہ بتلائیں کہ یہ اسحاق بن بشر کیسے ''بزرگ'' ہیں؟ جب کہ امام علی بن مدینی نے اسے جھوٹا کہا ہے۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ''کذاب اور متروک'' کہا ہے۔ ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کی حدیث لکھنا حلال نہیں، تعجب کے طور پر ہی حدیث لکھی جا سکتی ہے۔ محمد عمر الدار بجردی نے کہا کہ وہ ثقہ ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کسی نے بھی اس کی توثیق کی طرف التفات نہیں کیا کیونکہ ابو حذیفہ کی حالت سے تو اندھے بھی واقف ہیں۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے کہا ہے: لوگوں نے اس کی حدیث ترک کر دی ہے۔ ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے بھی اسے ''کذاب'' کہا ہے بلکہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے الموضوعات میں کہا ہے: اس کے کذاب ہونے پر اجماع ہے۔ نقاش نے "يضع الحديث" کہا ہے اور حافظ خلیلی نے بھی کہا ہے کہ وہ وضع حدیث سے متہم ہے۔ ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی احادیث سنداً یا متناً ''منکر'' ہیں۔ خطیب بغدادی نے ''غیر ثقہ'' اور ازدی نے "متروك ساقط، رمي بالكذب" کہا ہے۔[2] علامہ حلبی نے بھی الکشف الحثیث[3] میں اور علامہ ابن عراق نے مقدمہ تنزیہ الشریعہ[4] میں اسے ذکر کر کے اس کے وضاع اور کذاب ہونے کا اظہار کیا ہے۔ ایسے کذاب اور وضاع کے توسط سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مرویات ثابت کرنا استاذ حارثی کا بلاشبہ بڑا کارنامہ ہے۔

---

[1] حاشیہ (۲/۵۵٤) نیز دیکھیے: (۱/۲۲۲)
[2] میزان (۱/۱۸٤)، لسان (۱/۳۵٤)
[3] الکشف الحثیث (۹۰)
[4] تنزيه الشريعة (۱/۳٦)

محمد بن القاسم البلخی ابوجعفر الطایکانی:

استاذ حارثی نے ایک اور دو واسطوں سے اس کی روایات بیان کی ہیں۔ (1)

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں کہا ہے:

''وہ اہلِ خراسان سے ایسی چیزیں بیان کرتا ہے جنھیں کتابوں میں ذکر کرنا حلال نہیں تو اس کی روایات سے شغل رکھنا کیونکر حلال ہے؟ وہ ایسی روایات ذکر کرتا ہے جن کے باطل ہونے کی گواہی امت دیتی ہے اور ان کے ثبوت کی نفی کرتی ہے۔''

امام حاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں: وہ حدیثیں وضع کرتا تھا۔ اس نے نیشاپور اور مکہ جاتے ہوئے موضوع روایات بیان کی ہیں۔ امام ابونعیم رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے کہ اس نے نیشاپور اور طریق مکہ میں مناکیر بیان کی ہیں۔ جوزقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ جھوٹ بولتا اور حدیثیں گھڑتا تھا۔ (2)

بلکہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

''قال عبد الله الأستاذ في المسند جمعه: حدثنا أحمد بن محمد بن سعيد الهمداني حدثنا محمد بن أحمد الطالقاني حدثنا محمد بن القاسم أبو جعفر الطايقاني حدثنا أبو مقاتل عن أبي حنيفة عن إسماعيل بن عبد الملك عن أبي صالح عن أم هانئ قالت: قال رسول الله ﷺ: إن لله مدينة من مسك .... إلخ''

---

(1) مسند الحارثی (رقم: ١٥٦، ٤٠١، ١٣٨١_ ١٣٨٩)

(2) المجروحين (٣١١/٢)، ميزان (١١/٤، ١٢)، لسان (٣٤٣/٥)، الضعفاء لأبي نعيم (١٤٥)، الضعفاء لابن الجوزي (٩٣/٣)، الكشف الحثيث (٤٠٠) وغيره.

حافظ ذہبی رحمہ اللہ استاذ عبداللہ حارثی کی مسند سے اس کے علاوہ مزید آٹھ روایات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"فهذا من اختلاق الطايقاني مع أن شيخه حفصاً كذب"

''یہ طایقانی کی بنائی ہوئی ہیں۔ اس کے ساتھ اس کا شیخ حفص (بن سلم ابو مقاتل) بھی جھوٹا ہے۔''

یہ وہی روایات ہیں جن کی نشاندہی (احادیث ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۹) اوپر ہم نے کی ہے۔ جناب علامہ قاسمی صاحب کی شرافت و دیانت دیکھیے کہ انھوں نے ان احادیث کی حسبِ روایت تخریج تو کیا کرنا تھی، محمد بن قاسم کے بارے میں علامہ ذہبی کی اس وضاحت پر بھی خاموش ہیں۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی ایک اور موضوع روایت کا بھی ذکر کیا ہے بلکہ امام ابو نعیم نے مسند الامام ابی حنیفہ[1] میں بھی اسی محمد بن قاسم سے اسی سند کے ساتھ ایک حدیث ذکر کی ہے جس کے بارے میں مولانا عبدالشہید نعمانی فرماتے ہیں:

"لم أجد فيما لدي من المراجع"

''جو میرے پاس مراجع ہیں ان میں میں نے یہ حدیث نہیں پائی۔''

امام ابو نعیم نے فرمایا ہے: محمد بن قاسم "ليس بشيء، متروك" ہے۔ یہاں یہ لطیفہ بھی دیکھیے کہ اسی الطایقانی سے مسند میں ایک حدیث[2] ہے جس کی تخریج سے علامہ قاسمی خاموش ہیں۔ حدیث نمبر ۱۰۴ بھی اسی سے منقول ہے۔ علامہ قاسمی اس کے بارے میں شیخ محمد عابد سندھی کی "المواهب اللطيفة" سے نقل کرتے ہیں:

"قد تتبعت لكن لم أجد طريق ابن عمر"

---

[1] مسند الإمام أبي حنيفة (رقم: ٥٤)

[2] مسند (رقم: ١٥٦)

''میں نے تتبع کیا مگر ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نہیں ملی۔''

علامہ قاسمی صاحب حسبِ روایت فرماتے ہیں: یہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ہے اور اس باب میں فلاں فلاں سے بھی روایت ہے۔[1] مگر مجال ہے کہ یہ فرمائیں کہ یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہاں سے آ گئی؟ یہ تو محمد بن قاسم کی بنائی ہوئی سند سے ہے۔

ابو مقاتل حفص بن سلم سمرقندی:

ان احادیث میں محمد بن قاسم کا استاد ابومقاتل بھی جھوٹا راوی ہے جیسا کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کے شاگرد محمد بن قاسم کے ترجمے میں کہا ہے۔ امام وکیع رحمہ اللہ اور عبدالرحمان بن مہدی رحمہ اللہ نے اسے جھوٹا کہا ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ وغیرہ نے کہا ہے: وہ موضوع احادیث بیان کرتا ہے۔ ابو اسحاق جوزجانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اچھے کلام کے لیے سند بنالیتا تھا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، میزان اور لسان[2] وغیرہ۔

علامہ حلبی نے بھی اسے ''الکشف الحثیث''[3] میں ذکر کر کے اسے وضاعین میں شمار کیا ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تلامذہ میں شمار ہوتا ہے۔ یہ احادیث محمد بن قاسم یا اس کے اسی استاد کی من گھڑت ہیں کیونکہ دونوں کذاب اور وضاع ہیں۔ ابو مقاتل سے ان احادیث کے علاوہ اور احادیث بھی مسند الامام ابی حنیفہ کی ''زینت'' ہیں۔

اسماعیل بن یحییٰ بن عبیداللہ:

یہ بھی امام صاحب کے تلمیذ ہیں جن کے توسط سے استاذ حارثی مسند الامام ابی حنیفہ میں روایات لائے ہیں۔ اس کے بارے میں امام صالح بن محمد جزرہ رحمہ اللہ فرماتے

---

[1] حاشیہ مسند (۳۱۸/۱)
[2] میزان (۵۵۷/۱)، لسان (۲۲۳/۲، ۳۲۲)
[3] الکشف الحثیث (۱۵۲)

ہیں: ”کان یضع الحدیث“ ”وہ حدیثیں وضع کرتا تھا۔“ ازدی کہتے ہیں: وہ اراکینِ کذب کا ایک رکن تھا۔ حافظ ابو علی نیشاپوری رحمہ اللہ اور امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی اسے کذاب کہا ہے۔ حافظ ابن عدی رحمہ اللہ اس کے ترجمے میں احادیث ذکر کر کے کہتے ہیں: یہ باطل ہیں۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے کہا ہے: وہ امام مالک، مسعر اور ابن ابی ذئب سے موضوع احادیث روایت کرتا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کے ترک پر اجماع ہے۔[1]

اسی کذاب اور وضاع نے ایک حدیث کی سند یوں ذکر کی ہے:

”عن أبي حنيفة عن عمرو بن دينار عن ابن عباس قال: نهينا عن بيع الطعام حتى يقبض“[2]

مولانا قاسمی صاحب نے اس کی تخریج میں ذکر کیا ہے کہ امام شافعی، امام حمیدی، امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی، امام ابن جارود، امام طحاوی اور امام بیہقی رحمہم اللہ یہ حدیث: ”سفيان بن عيينة عن عمرو بن دينار عن طاؤس عن ابن عباس“ کی سند سے ذکر کی ہے۔

عرض ہے: امام سفیان بن عیینہ کے علاوہ امام شعبہ، حماد بن زید، سفیان ثوری اور ہشیم بھی اسے طاؤس کے واسطے سے ہی بیان کرتے ہیں جیسا کہ صحیح ابن حبان،[3] مسند امام احمد اور صحیح مسلم وغیرہ میں ہے۔ اور یہ طاؤس کے واسطے سے ہی کتبِ احادیث میں معروف ہے مگر اسماعیل بن یحییٰ نے امام صاحب سے اسے بغیر واسطہ طاؤس کے بنا دیا جو اس کی نکارت کی بین دلیل ہے۔

---

[1] میزان (۱/۲۵۳)، لسان (۱/۴۴۱، ۴۴۲)، الکامل (۱/۲۹۸، ۲۹۸)

[2] مسند (رقم: ۱۱۸)

[3] صحیح ابن حبان (۷/۲۲۷)، تحفة الأشراف (۵/۲۰)، أطراف المسند (۳/۱۳۳)

سلم بن سالم:

یہ بھی امام صاحب کے تلمیذ ہیں۔ جناب علامہ قاسمی صاحب نے اس کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ بعض نسخوں میں ''سلم بن سلم'' ہے، ایک نسخے میں سلم بن سالم ہے اور یہی صحیح ہے۔[1] جو حدیث اس نے بیان کی ہے اس کے دیگر طرق اور شواہد تو انھوں نے بیان فرما دیے مگر مجال ہے اس کے بارے میں ایک حرف بھی لکھا ہو اور بتایا ہو کہ امام صاحب تک اس کی سند کیسی ہے؟

عرض ہے کہ یہ سلم بن سالم گو بڑے عابد زاہد بزرگ تھے مگر محدثین کے نزدیک ضعیف تھے۔ حتی کہ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف، لیس بشيء'' کہا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے ''لیس بذاك'' اور امام ابوزرعہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''لا یکتب حدیثه'' یعنی اس کی حدیث نہ لکھی جائے، نیز یہ بھی کہا کہ وہ سچا نہیں۔ امام علی بن مدینی، امام نسائی اور ابن سعد رحمہم اللہ نے بھی ضعیف کہا ہے۔ امام ابوداود رحمہ اللہ نے ''لیس بشيء'' اور جوزجانی رحمہ اللہ نے ''غیر ثقہ'' کہا ہے۔

حافظ خلیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے ضعف پر اجماع ہے۔ اہلِ بلخ میں سے اسی نے ان لوگوں کی احادیث روایت کی ہیں جن کا حدیث سے شغل نہیں۔ ابن جوزی رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے: محدثین اس کی روایات کے ضعف پر متفق ہیں۔ ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ ''منکر الحدیث'' ہے، احادیث الٹ پلٹ کر دیتا تھا۔ ابن مبارک رحمہ اللہ اسے جھوٹا کہتے تھے۔ احمد بن سیار رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کی حدیث کی نہ کوئی نکیل ہے، نہ لگام، موضوع حدیث کی مانند ہے۔

اسی سلم بن سالم نے یہ حدیث بیان کی کہ دال مسور کی تعریف ستر انبیائے کرام علیہم السلام نے کی ہے۔ اس کے بارے میں امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا تو انھوں

---

[1] مسند (۱/۱۹۲، رقم: ۱۳۵)

نے فرمایا: بالکل نہیں، ایک نبی نے بھی دال مسور کی تعریف نہیں کی۔ انھوں نے فرمایا: یہ کس نے بیان کی ہے؟ تو انھیں بتایا گیا کہ سلم بن سالم نے۔ امام ابن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا: اس نے کس سے روایت کی ہے؟ انھیں بتایا گیا کہ سلم آپ سے ہی روایت کرتا ہے۔ یہ سن کر انھوں نے فرمایا: مجھ سے بھی روایت کرتا ہے!!! نیز انھوں نے فرمایا: سلم کے سانپوں سے بچو، وہ کہیں ڈس نہ جائیں۔

امام عجلی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''لا بأس به'' امام ابن عدی رحمہ اللہ سے بھی یہی قول حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے، مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے وضاحت کی ہے کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اسے ''لا بأس به'' نہیں کہا بلکہ اس کی روایات ذکر کر کے کہا ہے۔ اس کی یہ منکر روایات میں نے دیکھی ہیں، اس کی افراد (اور غرائب) ہیں۔ امید ہے کہ اس کی حدیث محتمل ہوگی۔[1] لہٰذا اس کی منکرات کے بعد اس کی مفردات کو محتمل قرار دینا اس کی توثیق قطعاً نہیں۔ علامہ کوثری رحمہ اللہ نے بھی اس کی تضعیف کی ہے۔[2]

امام یحییٰ بن معین، امام ابوداود، امام ابن مبارک اور امام ابو زرعہ رحمہم اللہ کی شدید جرح کے مقابلے میں امام عجلی رحمہ اللہ کی کمزور سی توثیق قابلِ التفات نہیں۔ اس جیسے متروک اور کذاب راوی کی روایات سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مرویات ثابت کرنے میں کون سی معقولیت ہے؟

اسی طرح یحییٰ بن عنبسہ، احمد بن عبداللہ بن محمد کندی المعروف باللجلاج، احمد بن محمد بن صلت حمانی، عبداللہ بن واقد ابوقتادہ، نوح بن ابی مریم ابوعصمہ، حسن بن زیاد لؤلؤی، حسین بن حسن بن عطیہ عوفی، خلف بن یاسین زیات، اسحاق بن بشر بخاری، محمد بن ابراہیم بن زیاد رازی، عبدالقدوس بن عبدالقاہر، سلیمان بن احمد بن عیسیٰ واسطی،

---

(1) میزان (۲/۱۸۵)، لسان (۳/۶۳)، الکامل (۳/۱۱۷۳)، الإرشاد (رقم: ۱۰۳۸)، المجروحین (۱/۳٤٤)، تاریخ بغداد (۹/۱٤۰)
(2) تأنیب (ص: ۲۷۸)

محمد بن الفضل بن عطیہ، خارجہ بن مصعب، محمد بن اسحاق بلخی، عثمان بن دینار، محمد بن میسر ابو سعد صغانی، جعفر بن محمد بن مروان، ہیاج بن بسطام، محمد بن حمید رازی، محمد بن اشرس سلمی، مروان بن سالم، حبان بن علی، یسع بن طلحہ، احمد بن حرب نیشاپوری، قاسم بن غصن، اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ، محمد بن عبدالرحمان قشیری، خلف بن ایوب جیسے ضعیف، منکر الحدیث، متروک، کذاب اور وضاع راویوں سے مسند الامام ابی حنیفہ میں مروی روایات کو امام صاحب کی مرویات باور کرانا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟

ان متکلم فیہ راویوں کے علاوہ مجاہیل کی روایات اس پر مستزاد ہیں جو مسند الامام کی زینت ہیں۔ افسوس ہے مسند الامام کے محقق علامہ قاسمی مسند کی مرویات کے شواہد و متابعات تو بڑی وسعت سے بیان کرتے ہیں، مگر جس سند پر مسند الامام ابی حنیفہ کا دار و مدار ہے اس کے بارے میں بالکل خاموشی اختیار کرنے میں ہی عافیت سمجھتے ہیں۔ ہماری ان گزارشات سے استاذ حارثی کی مسند ابی حنیفہ کی پوزیشن واضح ہو جاتی ہے۔

قاسمی صاحب کی بے انصافی:

اس ضمن میں یہ بھی دیکھیے کہ استاذ حارثی نے قاسم بن غصن کے واسطے سے بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مرویات نقل کی ہیں اور مولانا قاسمی فرماتے ہیں: قاسم کا ترجمہ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔[1]

حالانکہ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے الثقات[2] میں اگر اس کا ذکر کیا ہے تو المجروحین میں بھی اس کا ذکر کیا اور کہا ہے:

”كان ممن يروي المناكير عن المشاهير ويقلب الأسانيد حتى يرفع المراسيل ويسند الموقوف لا يجوز الاحتجاج

---

[1] مسند الإمام (١/٣٥١، رقم: ٤٧٥)

[2] الثقات (٧/٣٣٩)

به إذا انفرد"[1]

"وہ مشاہیر سے منکر روایات بیان کرتا ہے حتی کہ مراسیل کو مرفوع اور موقوفات کو مسند بنا دیتا ہے جب وہ منفرد ہو تو اس سے استدلال جائز نہیں۔"

اب یہ دیانت داری کی کون سی معراج ہے کہ امام ابن حبان رحمہ اللہ کے ایک موقف کو تو ذکر کیا جائے اور دوسرے کو جو جمہور ائمہ جرح و تعدیل کے موافق ہے، نظر انداز کر دیا جائے!

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام ابن حبان رحمہ اللہ کے اس تناقض کا ذکر کیا ہے، چنانچہ ان کے الفاظ ہیں: "هو ممن يناقض ابن حبان فيه" امام احمد رحمہ اللہ نے بھی فرمایا: "حدث بأحاديث مناكير" یعنی وہ منکر احادیث بیان کرتا ہے۔ امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے اسے "ضعیف" امام بزار رحمہ اللہ نے "لم يكن بالقوی" امام ابو زرعہ نے "ليس بقوی" کہا ہے۔ امام ساجی، عقیلی، ابن شاہین، ابن الجارود، فسوی، حربی اور دولابی نے "ضعفاء" میں ذکر کیا ہے۔ ابن عدی رحمہ اللہ نے کہا ہے: اس کی احادیث صالح، غرائب اور مناکیر ہیں۔ امام وکیع رحمہ اللہ نے "لا بأس به" کہا ہے۔[2] حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی المغنی[3] اور دیوان الضعفاء[4] میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے: "ضعفه أبو حاتم وغيره" امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی اسے "ضعیف" کہا ہے۔[5]

اس جیسے ضعیف اور صاحبِ مناکیر کے بارے میں صرف الثقات لابن حبان کے حوالے پر اکتفا کرنا قاسمی صاحب کی تحقیق کا کمال ہے۔

اسی طرح یہ بھی دیکھیے کہ استاذ حارثی نے "الضحاك بن حجوة أبو حجوة ثنا أبو قتادة عن أبي حنيفة عن عطاء عن أبي هريرة" کی سند

---

[1] المجروحين (٢/٢١٢، ٣١٣) [2] ميزان (٣/٣٧٧)، لسان (٤/٤٦٤)
[3] المغني (٢/٥٢٠) [4] ديوان الضعفاء (٢٥٠) [5] السنن (١/١٠١)

سے یہ حدیث ذکر کی ہے: "كان لرسول الله ﷺ قلنسوة بيضاء شامية" [1]

اسی روایت کے بارے میں علامہ قاسمی صاحب نے ذکر کیا ہے کہ ابو الشیخ الاصبہانی نے "أخلاق النبي ﷺ" میں یہ روایت "الضحاك بن حجرة المنبجي عن عبد الله بن واقد عن أبي حنيفة" ہی کی سند سے نقل کی ہے اور اس میں ضحاک ضعیف ہے۔ ان کے الفاظ ہیں: "فيه الضحاك وهو ضعيف"

أولاً: عرض ہے کہ ضحاک بن حجرہ نہیں بلکہ ضحاک بن حجوہ ہے۔

ثانیاً: استاذ حارثی نے اس کی کنیت ابو حجوہ ذکر کی ہے جب کہ کتبِ رجال میں عموماً اس کی کنیت ابو عبداللہ بیان ہوئی ہے۔

ثالثاً: یہ ضحاک ضعیف ہی نہیں بلکہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے کہا ہے: "كان يضع الحديث" یعنی وہ حدیث وضع کرتا تھا۔ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے کہا ہے: "منكر الحديث عن الثقات" "وہ ثقات سے منکر احادیث بیان کرتا ہے۔" پھر اس کی کچھ روایات نقل کر کے مزید یہ بھی کہا ہے کہ اس کی یہ تمام روایات سنداً متناً منکر ہیں۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا ہے: وہ اپنے شہر والوں سے عجائبات روایت کرتا ہے، اس سے استدلال جائز نہیں۔ سوائے معرفت کے اس کی روایت ہی لینا جائز نہیں۔ یہ وہی ہے جس نے "أبو قتادة عن أبي حنيفة عن عطاء عن أبي هريرة" سے یہ روایت بیان کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک پر شامی ٹوپی دیکھی ہے۔ [2]

ایسے وضاع کے بارے میں جناب علامہ قاسمی صاحب کا فرمانا کہ وہ بس "ضعیف" ہے، علم کی کوئی خدمت نہیں۔

---

[1] مسند (١/١٢٧، رقم: ١٥)

[2] المجروحين (١/٣٧٩، ٣٨٠)، الكامل (٦/٣٠٥)، ميزان (٢/٣٢٣)، لسان (٣/٢٠٠)، الكشف الحثيث عمن رمي بوضع الحديث (٢١٣)

راوی ''ضعیف'' اور وضاع کے مابین جو فرق ہے اس سے ایک مبتدی بھی باخبر ہے مگر افسوس علامہ قاسمی صاحب کو یہ فرق محسوس نہیں ہوتا۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس کے ترجمے میں مسند کی ہی روایت ذکر کر کے اس کی پوزیشن مزید واضح کر دی ہے۔ ایسے ہی متعدد کذابین اور متروکین کی روایات سے مسند الامام ابی حنیفہ مزین ہے۔

رابعاً: قاسمی صاحب نے ضحاک ایسے وضاع کو جہاں ضعیف کہہ کر ضمیر کا بوجھ کم کرنے کی کوشش کی ہے، وہاں اس کے استاد ابو قتادہ عبداللہ بن واقد کے بارے میں خاموشی اختیار کر کے اپنے قارئین کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کی بھی کوشش کی ہے۔ اسے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''متروک'' قرار دیا ہے۔[1]

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی روایت ذکر کر کے کہا ہے: ''فهو الآفة'' ''وہی آفت ہے۔'' اور اسی وجہ سے علامہ حلبی نے اسے ''الكشف الحثيث''[2] میں ذکر کر کے اسے وضاعین میں شمار کیا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اگرچہ اس کی توثیق کی ہے مگر جمہور محدثین نے اس پر سخت جرح کی ہے اور وہی راجح ہے۔ یہ رجحان حافظ ذہبی رحمہ اللہ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ کا ہے۔ ایسے متروک راویوں سے اغماض اہلِ علم کا شیوہ نہیں۔

امام اوزاعی رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مناظرہ:

اسی نوعیت کی ایک مثال اور دیکھ لیجیے، چنانچہ حارثی نے ''محمد بن إبراهيم بن زياد الرازي حدثنا سليمان الشاذ كوني'' سے امام اوزاعی رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مابین رفع الیدین کے موضوع پر باہمی گفتگو ذکر کی ہے۔ یہ گفتگو بہت سے حنفی اکابر اپنی تصانیف میں ذکر کرتے ہیں مگر اس کا اصل ماخذ یہی استاذ حارثی ہے۔ مولانا قاسمی صاحب نے بھی لکھا ہے: ''هذا الأثر لم يروه إلا

[1] تقریب (۱۹۳)　[2] الكشف الحثيث (۲۵۱)

الحارثي'' اور اسی اثر کے بارے میں قاسمی صاحب رقمطراز ہیں:

''فيه سليمان الشاذ كوني، سئل صالح بن محمد جزرة عن الشاذ كوني فقال: ما رأيت أحفظ منه إلا أنه يكذب في الحديث، وقال ابن عدي: سألت عبدان عنه فقال: معاذ الله أن يتهم، إنما كان قد ذهبت كتبه، فكان يحدث حفظاً''[1]

''اس میں سلیمان شاذ کونی ہے، صالح جزرہ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: میں نے اس سے زیادہ حافظ کسی کو نہیں دیکھا مگر وہ حدیث میں جھوٹ بولتا ہے۔ ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے عبدان سے اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا: اللہ کی پناہ کہ اسے متہم قرار دیا جائے، اس کی کتابیں ضائع ہوگئی تھیں تو وہ زبانی احادیث بیان کرتا تھا۔''

امام ابن عدی رحمہ اللہ نے بلاشبہہ حافظ عبدان کے قول کو ترجیح دی ہے کہ وہ متہم نہیں ہے، اس کی کتابیں ضائع ہوگئی تھیں، زبانی احادیث بیان کرتا تھا۔ اسی بنا پر احادیث بیان کرنے میں اس سے خطا ہو جاتی تھی۔ نیز انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کی بہت سی احادیث مستقیم ہیں، بعض مناکیر ہیں اور بعض سرقہ ہیں۔ مولانا قاسمی نے ایک اور مقام پر فرمایا ہے کہ شاذ کونی ضعیف ہے۔[2]

ان کی اس رائے کے بارے میں کچھ کہنے کے بجائے ہم یہاں ترجمان مسلکِ دیوبند مولانا محمد سرفراز صفدر رحمہ اللہ کے الفاظ ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''فیه نظر''، ابن معین رحمہ اللہ نے اس کو

---

[1] مسند الحارثي (٤٨٤/١)
[2] مسند (٦١٧/٢، ٧٥٣، ٣٥٨/١)

حدیث میں جھوٹا کہا، ابو حاتم رحمہ اللہ اس کو متروک الحدیث اور نسائی رحمہ اللہ "لیس بثقة" کہتے ہیں اور صالح جزرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "كان يكذب في الحديث" ''وہ حدیث میں جھوٹ کہتا تھا۔'' اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ شراب پیتا اور بے ہودہ حرکتوں میں آلودہ تھا۔ اور نیز فرمایا کہ درب دمیک میں شاذ کونی سے بڑا جھوٹا اور کوئی داخل نہیں ہوا۔ بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "رماه الأئمة بالكذب" ''ائمہ حدیث نے اس کو جھوٹ سے متہم کیا ہے۔'' اور امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "كان يضع الحديث" ''وہ جعلی روایتیں بنایا کرتا تھا'' امام ابو احمد الحاکم رحمہ اللہ اس کو ''متروک الحدیث'' اور امام ابن مہدی رحمہ اللہ اس کو خائب اور نامراد کہتے تھے۔ امام عبدالرزاق نے اس کو عدو اللہ، کذاب اور خبیث کہا۔ اور صالح جزرہ کہتے ہیں کہ آناً فاناً سندیں گھڑ لیتا تھا۔ اور صالح بن محمد نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ کذب اور لونڈے بازی سے متہم تھا۔''[1]

قارئین کرام! ان الفاظِ جرح کے بعد فیصلہ فرما سکتے کہ شاذ کونی ''ضعیف'' ہے یا اس سے اوپر کے درجے میں یعنی متروک یا کذاب ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے المغنی[2] اور دیوان الضعفاء[3] میں اسے ذکر کیا ہے اور امام ابن معین رحمہ اللہ، امام بخاری رحمہ اللہ اور ابو حاتم رحمہ اللہ کی شدید جرح نقل کر کے اس کی پوزیشن واضح کر دی ہے۔ علامہ حلبی نے اسے "الكشف الحثيث"[4] میں ذکر کر کے اس کے وضاع ہونے کا اظہار کیا ہے۔

علامہ معلمی نے فرمایا ہے کہ استاذ حارثی کی بعض چیزوں کے بارے میں مجھے

---

[1] أحسن الكلام (٢٠٤/١)　　[3] المغني (٢٧٩/١)

[3] ديوان الضعفاء (١٣١)　　[4] الكشف الحثيث (١٩٩)

یقین ہے کہ وہ اس کی خودساختہ ہیں، جیسے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ''سمتی'' کو وصیت نامہ اور امام اوزاعی رحمہ اللہ کے ساتھ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مناظرہ۔[1]

اس میں محمد بن ابراہیم الرازی بھی ہے:

علامہ قاسمی صاحب نے یہ تو اعتراف کیا ہے کہ اس میں شاذ کونی ضعیف ہے۔ مگر یہ نہیں بتلایا کہ اس کا شاگرد اور استاذ حارثی کا استاد محمد بن ابراہیم بن زیاد رازی بھی اس میں پایا جاتا ہے اور وہ کیسا ہے؟ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے متروک، دجال اور وضاع قرار دیا ہے۔ ایسے راوی سے خاموشی کیا مجرمانہ غفلت نہیں؟!

ایک اور علت:

یہی نہیں کہ امام اوزاعی رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مابین ہونے والے اس مناظرے کی سند میں محمد بن ابراہیم متروک، کذاب اور سارق الحدیث ہے اور اس کا استاذ شاذ کونی بھی کذاب اور وضاع ہے بلکہ امام اوزاعی رحمہ اللہ کا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے سماع ہی صحیح نہیں، چنانچہ امام عبداللہ بن احمد فرماتے ہیں:

''حدثني أبي قال: حدثنا مسكين قال: حدثنا الأوزاعی قال: سئل أبو حنيفة، قال أبي: لم يسمع الأوزاعي عن أبي حنيفة شيئاً''[2]

''مجھے میرے والد (امام احمد) نے بتلایا، انھوں نے فرمایا: مجھے مسکین بن بکیر نے حدیث سنائی، اس نے کہا کہ مجھے اوزاعی نے حدیث سنائی کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا۔ (یہ سن کر) میرے والد نے فرمایا:

---

[1] حاشية الفوائد المجموعة (١٤)

[2] العلل و معرفة الرجال (١٩٥/٣، رقم: ٤٨٤٢)

اوزاعی رحمہ اللہ نے ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے کچھ بھی نہیں سنا۔“

ظاہر ہے کہ جب امام اوزاعی رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے کچھ سنا ہی نہیں تو مسکین بن بکیر یہ کیسے کہتے ہیں کہ امام اوزاعی رحمہ اللہ نے کہا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا؟ یعنی دونوں کے مابین واسطہ ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امام اوزاعی کا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے سماع نہیں مگر افسوس کہ کذاب اور وضاع راویوں نے دونوں کے مابین تقریب پیدا کر دی اور با قاعدہ ایک مناظرے کی روداد بنا ڈالی۔

اگر اس مناظرے کی کوئی حقیقت ہوتی تو امام محمد، قاضی ابو یوسف اور امام طحاوی رحمہم اللہ اس سے بے خبر نہ ہوتے۔ اس کا انکشاف سب سے پہلے استاذ حارثی پر ہوا۔ جس کا اعتراف قاسمی صاحب کو بھی ہے: ”لم يروه إلا الحارثي“ اور خود حارثی کی پوزیشن آپ پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

ایک حقیقت کا اعتراف:

استاذ حارثی نے اس مناظرے کے آخری الفاظ یوں ذکر کیے ہیں: ”وعبد الله، عبد الله فسكت الأوزاعي“ ”عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ عبداللہ ہیں، اس پر اوزاعی رحمہ اللہ خاموش ہو گئے“ مگر جامع المسانید میں آخری الفاظ یوں ہیں:

”وعبد الله، عبد الله بن مسعود، له فضل كثير في الفقه والقراءة وحق الصحبة من صغره عند النبي ﷺ على عبد الله بن عمر، فسكت الأوزاعي“[1]

جامع المسانید کے محقق حسن نعمانی صاحب فرماتے ہیں کہ مسند حصکفی میں تو یہی الفاظ ہیں: ”وعبد الله، عبدالله، فسكت الأوزاعي“ نیز ملاحظہ ہو: ”مسند حصكفى مع شرح القاري“[2] مگر یہ زیادت میں نے اس کتاب کے

[1] جامع المسانيد (١/٣٥٣)
[2] مسند حصكفى مع شرح القاري (٣٧)

دونسخوں میں پائی ہے۔ ان کے الفاظ ہیں:

"والزيادة على ذلك وجدت في نسختين من هذا الكتاب"

مولانا عثمانی یہی تفصیل بیان کر کے فرماتے ہیں:

"لم توجد هذه الزيادة في النسخ التي اعتمدت عليها في تحقيق الكتاب، فهذه الزيادة ليس لها أساس.... الخ"[1]

"یہ زیادت ان نسخوں میں بھی نہیں جن پر میں نے کتاب کی تحقیق میں اعتماد کیا ہے، لہٰذا اس زیادت کی کوئی بنیاد نہیں۔"

عرض ہے کہ جس طرح جامع المسانید کے بعض نسخوں میں یہ زیادت کسی سمجھ دار ناسخ کی شرارت و جسارت ہے، ہمارے نزدیک تو بالکل اسی طرح امام اوزاعی رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مابین مناظرے کی یہ روداد بھی کذاب و وضاع راویوں کی جسارت ہے۔

بلکہ معنوی طور پر اس مناظرے میں کوئی معقولیت نہیں۔ ایک بدیہی بات ہے کہ رفع الیدین حسی اور ظاہری عمل ہے۔ یہاں فقاہتِ راوی نہیں ضبطِ راوی کی ضرورت ہے۔ مناظرے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے یہ بات منسوب ہوئی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

"لم يصح عن رسول الله ﷺ فيه شيء"

"رفع الیدین کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ ثابت نہیں۔"

امام اوزاعی رحمہ اللہ نے ثبوت پیش کیا تو اس کے ثبوت کا انکار امام صاحب رحمہ اللہ نے نہیں کیا بلکہ رفع الیدین نہ کرنے کے بارے میں روایت ذکر کر کے دونوں میں ترجیح کی کوشش کی ہے۔

---

[1] مسند (٤٨٤/١)

غور فرمایئے! کیا یہ اسلوب اس بات کا مشعر نہیں کہ امام صاحب کا جواب ان کے دعوے کے مطابق نہ تھا، کیونکہ انھوں نے رفع الیدین کے ثبوت میں کلام نہیں کیا بلکہ اسے تسلیم کر کے دو روایتوں میں ترجیح کو اختیار کیا ہے۔

حضرت مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی رحمہ اللہ نے حسن البیان میں اس مناظرے پر معنوی اعتبار سے بڑی تفصیل سے نقد کیا ہے۔ شائقین اس کی مراجعت کریں ان شاء اللہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے گا۔ ہمارا مقصد تو یہ ہے کہ استاذ حارثی کی روایت سے مناظرے کی یہ روداد نہ سنداً قابلِ اعتبار ہے اور نہ ہی معناً اس میں کوئی معقولیت ہے۔ مولانا قاسمی نے سلیمان شاذ کونی کو ضعیف کہا مگر اس کے شاگرد محمد بن ابراہیم سے بالکل تعرض نہیں کیا جو قطعاً قرینِ انصاف نہیں۔

یہ تو مولانا لطیف الرحمان قاسمی صاحب کی تحقیقات کا ایک پہلو تھا۔ اب اس کا ایک دوسرا پہلو بھی ملاحظہ فرمائیں کہ استاذ حارثی نے ایک حدیث: "أحمد بن أبي طيبة عن أبي حنيفة عن عكرمة عن ابن عباس" کی سند سے بیان کی ہے: "سيد الشهداء يوم القيامة حمزة" اس کی تخریج میں جناب قاسمی صاحب فرماتے ہیں کہ طبرانی اوسط میں یہ روایت "الحسن بن رشيد عن أبي حنيفة به" کی سند سے ہے اور علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے مجمع الزوائد[1] میں کہا ہے:

"فيه شخص ضعيف في الحديث"

"اس میں ایک شخص ہے جو حدیث میں ضعیف ہے۔"

قاسمی صاحب اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

"قلت: أسلوبه يدل على أنه يقصد به الإمام أبا حنيفة رحمه الله، فلو كان هذا فهو مما يطعن به"[2]

---

[1] مجمع الزوائد (٢٦٦/٧، ٢٦٨/٩)
[2] مسند (١٨٢/١، رقم: ١٢٤)

”علامہ ہیثمی رحمہ اللہ کا اسلوب بتلاتا ہے کہ شخص ضعیف سے ان کا مقصود امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہیں، اگر یہ اسی طرح ہے تو وہ اس وجہ سے خود باعثِ طعن ہیں۔“

یہاں دو باتیں وضاحت طلب ہیں:

أولاً: علامہ ہیثمی رحمہ اللہ کا مقصود ضعیف شخص سے کون ہے؟ علامہ قاسمی صاحب اس میں متردد ہیں مگر حقیقت الامر یہی ہے کہ اس سے مقصود امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہی ہیں۔ اور یہی ایک مقام نہیں، اور مقامات پر بھی علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے ان کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، چنانچہ اسی مسند الامام ابی حنیفہ[1] میں ایک روایت ”من صلى بعد العشاء أربع ركعات .... الخ“ کے الفاظ سے مذکور ہے۔ علامہ قاسمی نے اس کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ یہ طبرانی کبیر میں ہے اور علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے مجمع[2] میں کہا ہے: ”فيه من ضعف الحديث“

یہ روایت طبرانی کبیر[3] اور اوسط[4] میں ہے۔ اس روایت کے سب راوی ثقہ وصدوق ہیں۔ صرف امام صاحب میں کلام ہے۔ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے مجمع[5] میں ایک اور مقام پر بھی یہ روایت ذکر کی ہے اور کہا ہے: ”في إسناده ضعيف غير متهم بالكذب“

یہی روایت امام ابو نعیم رحمہ اللہ نے بھی مسند ابی حنیفہ[6] میں ذکر کی ہے بلکہ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ نے کتاب الآثار[7] اور امام محمد شیبانی رحمہ اللہ نے بھی کتاب الآثار[8] میں اور علامہ خوارزمی رحمہ اللہ نے بھی جامع المسانید[9] میں اسے ذکر کیا ہے۔ امام ابو نعیم رحمہ اللہ

---

(1) مسند الإمام أبي حنيفة (١/٣٢٠، رقم: ٤٠٣)

(2) مجمع (٢/٢٣١)

(3) طبراني كبير (رقم: ١٣٨٠٠)

(4) اوسط (رقم: ٥٢٣٥)

(5) مجمع (٢/٢٤٠، ٢٤١)

(6) مسند أبي حنيفة (رقم: ٣٢٢)

(7) كتاب الآثار (رقم: ٤١٤)

(8) كتاب الآثار (رقم: ١١١)

(9) جامع المسانيد (١/٣٩٥)

اور امام طبرانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے تنہا محارب بن دثار اور ان سے تنہا ابوحنیفہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح مسند الامام ابی حنیفہ[1] میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: ”لقد كن في خلال سبع.... الخ“ جسے استاذ حارثی نے ”محمد بن الفضل بن عطية ثنا النعمان بن ثابت عن الشعبي عن عائشة“ کی سند سے روایت کیا ہے۔ علامہ قاسمی اس سند کے بارے میں خاموش ہیں، جب کہ محمد بن الفضل کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے: ”كذبوه“ محدثین نے اسے جھوٹا کہا ہے۔[2] البتہ طبرانی کبیر[3] کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اس میں یہ ”عبد الله بن بزيع عن أبي حنيفة عن أبي إسحاق الشيباني عن عامر الشعبي عن مسروق عن عائشة“ کی سند سے ہے اور علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے مجمع[4] میں کہا ہے: ”فيه من ضعف“ یہاں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ عبداللہ بن بزیع بھی ضعیف ہے، اس لیے حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ کا اشارہ کس کی جانب ہے۔ تاہم دونوں اسانید میں فرق بالکل نمایاں ہے اور اس کا دارومدار امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر ہے۔

استاذ حارثی نے ایک حدیث: ”أبو حنيفة عن علقمة بن مرثد عن ابن بريدة عن أبيه“ کی سند سے بیان کی ہے۔[5] علامہ قاسمی اس کی تخریج میں فرماتے ہیں: امام احمد نے مسند[6] میں اس کی تخریج کی ہے اور امام عبداللہ بن احمد نے کہا ہے: والد گرامی امام احمد نے اسے اسی طرح ”أخبرنا أبو فلانة“ کے الفاظ سے روایت کیا ہے اور عمداً نام نہیں لیا۔ ان کے علاوہ دوسرے شیوخ نے نام لیا ہے اور

---

(1) مسند الإمام أبي حنيفة (١/٣٠١، رقم: ٣٧٠)
(2) تقريب (٣١٥)
(3) طبراني كبير (٢٣/٣٠، رقم: ٧٥)
(4) مجمع (٩/٢٤٢)
(5) (٢/٦١٦، ٦١٧، رقم: ٩٩٥)
(6) مسند (٥/٣٥٧)

ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہا ہے۔ یہی روایت علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے مجمع[1] میں ذکر کی ہے اور کہا ہے:

”رواه أحمد وفيه ضعف، ومع ضعفه لم يسم“

”اسے احمد نے روایت کیا ہے، اس میں ضعف ہے اور اس ضعف کے ساتھ ساتھ اس کا نام نہیں لیا۔“

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ کے اس بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ اس وضاحت کے بعد اس میں تردد کی کوئی گنجایش نہیں رہتی جس کا اظہار مسند حارثی[2] کے حاشیے میں کیا گیا ہے۔ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے بھی الکامل میں اسے امام ابو حنیفہ کے ترجمہ میں ذکر کر کے اس کی نکارت کی طرف اشارہ کیا ہے۔[3]

امام احمد رحمہ اللہ کے علاوہ محمد بن بشار اسے اسحاق الازرق سے روایت کرتے ہیں تو امام ”ابو حنیفہ“ کا نام لیتے ہیں۔ جیسا کہ اتحاف المھرۃ میں ابو یعلی الکبیر سے ہے۔[4] اس سے امام عبداللہ بن احمد کے بیان کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے کہ والد صاحب کے علاوہ دوسرے حضرات نام لیتے ہیں اور ابوحنیفہ کہتے ہیں۔ جس سے علامہ البانی رحمہ اللہ کے اس موقف کی تردید ہوتی ہے کہ نام نہ لینے والے امام احمد رحمہ اللہ کے استاد اسحاق الازرق ہیں۔[5] نہیں بلکہ امام احمد رحمہ اللہ ہیں۔

یادش بخیر! اس ناکارہ نے مسند ابی یعلی[6] کے تحت علامہ ہیثمی رحمہ اللہ کے اسی نوعیت کے کلام کے بارے میں لکھا تھا کہ ان کا اشارہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف ہے، مگر دار القبلۃ کے حنفی نگران نے اس سے اختلاف کیا۔ اس اختلاف کی پوزیشن کیا

---

[1] مجمع (١٦٦/١)
[2] مسند الحارثی (١٨٢/١)
[3] الكامل (١٣٣/١٠)
[4] اتحاد المهرة (٥٥٧/٢، رقم: ٢٢٤٢)
[5] الصحيحه (١٦٦٠)
[6] مسند أبي يعلى (٢٦٣/٢، رقم: ١٦٠٩)

ہے؟ یہ بحث وسیع الذیل ہے۔ ہمارے اوپر دیے ہوئے حوالوں سے یہ بات نکھر جاتی ہے کہ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ کا نام لیے بغیر محولہ مقامات پر جس راوی پر جرح کا انھوں نے اشارہ کیا ہے وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہیں۔

ثانیاً: اگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو ''ضعیف'' کہنے کے نتیجے میں علامہ ہیثمی رحمہ اللہ خود ''ضعیف'' ہونے کے حق دار ہیں تو یہ جرم تنہا علامہ ہیثمی رحمہ اللہ کا نہیں، امام احمد رحمہ اللہ کا بھی ہے جنھوں نے اس کے واسطے سے روایت بیان کی ہے مگر نام تک نہیں لیا اور علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے کہا ہے: ''ضعف کے باوجود ان کا نام نہیں لیا'' تو کیا یہاں بھی یہی کہا جائے گا کہ اس جسارت کے نتیجے میں امام احمد رحمہ اللہ بھی ضعف کے حق دار ٹھہرے ہیں؟

امام احمد رحمہ اللہ کے علاوہ امام عبداللہ بن مبارک، امام علی بن مدینی، امام بخاری، امام نسائی، ابن حبان، ابو احمد الحاکم، ابن سعد، دارقطنی، ابواسحاق فزاری، حمیدی، دارمی، ابوحاتم، خطیب بغدادی، ابو عبدالرحمان المقریٔ وغیرہم متعدد ائمہ محدثین رحمہم اللہ بھی اسی ''جرم'' کی پاداش میں ضعف کے حق دار ہیں؟

علامہ قاسمی کے زاویۂ فکر کو سمجھنے کے لیے یہ چند مثالیں کافی ہیں۔ ہماری ان گزارشات سے جہاں استاذ الحارثی کی تالیف ''مسند الامام ابی حنیفہ'' کی استنادی حیثیت ظاہر ہو جاتی ہے وہاں اس کے محقق کی ''تحقیق انیق'' کا بھرم بھی کھل جاتا ہے۔

إن أريد إلا الإصلاح ما استطعت وما توفيقي إلا بالله.



”مسند الامام الاعظم لابن خسرو“ پر ایک طائرانہ نظر

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مسانید کو جن حضرات نے جمع کیا ہے ان میں ایک صاحب ابوعبد اللہ حسین بن محمد بن خسرو البلخی الحنفی (وفات: ۵۲۶ھ) ہیں۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے انھیں ”المحدث، العالم، مفید اہلِ بغداد“ کے القاب سے یاد کیا ہے۔[1]

علامہ عبدالقادر قرشی نے ”الجواهر المضية“[2] میں ان کا سنِ وفات ”اثنين وعشرين ومائتين“ ۲۲۲ھ ذکر کیا ہے۔ غالبًا یہ طباعتی غلطی ہے، صحیح ۵۲۶ھ ہے، جیسا کہ السیر اور تاریخ الاسلام[3] اور الوافی بالوفیات[4] میں ہے۔ کشف الظنون[5] اور تاج التراجم میں بھی ان کا سنِ وفات ۵۲۲ھ ہے جب کہ الرسالة المستطرفة[6] میں ۵۲۳ھ ہے۔

انھوں نے مالک بن احمد بن علی البانیاسی، علی بن محمد بن محمد بن الخطیب ابوالحسن الانباری، عبدالواحد بن محمد بن فہد العلاّف، محمد بن علی بن ابی عثمان الدقاق، عبدالسلام بن محمد القزوینی، علی بن حسین بن قریش اور دیگر بہت سے شیوخ سے سماع کیا۔ ابوعلی بن شاذان، ابوالقاسم بن بشران، ابو القاسم علی تنوخی، ابومحمد الجوہری، ابوطالب بن غیلان جیسے اعیان کے تلامذہ سے بھی انھوں نے استفادہ کیا۔

علامہ ابن جوزی اور امام ابن عساکر وغیرہما نے ان سے سماع کیا ہے۔ علامہ

[1] السير (۵۹۲/۱۹)
[2] الجواهر المضية (۲۱۸/۱)
[3] (ص: ۱٤٤، طبقه: ۵۳٤)
[4] الوافي بالوفيات (۳۹/۱۳)
[5] كشف الظنون (۱٦۸۱/۲)
[6] الرسالة المستطرفة (ص: ۱٦)

ابو سعد بن سمعانی نے ''ذیل تاریخ بغداد'' میں ذکر کیا ہے کہ میں نے امام ابن عساکر سے، جو ان کے شاگرد تھے، ابن خسرو کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: انھوں نے بہت (سے شیوخ سے) سماع کیا ہے، مگر انھیں حدیث کی کچھ بھی معرفت نہ تھی۔ میں نے ان کے بارے میں امام ابو الفضل محمد بن ناصر بغدادی سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا:

''كان فيه لين و كان حاطب الليل و يذهب إلى الاعتزال''

''اس میں کمزوری تھی، وہ حاطب اللیل اور معتزلی تھے۔''

بلکہ ابن ابی طی نے انھیں ''رجال الشيعة'' میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ انھوں نے مناقبِ اہلِ بیت پر ایک کتاب لکھی ہے اور انھوں نے ''مسند الامام ابی حنیفہ'' جمع کی ہے جس میں ''عجائب'' روایات لائے ہیں۔ ابن نجار نے کہا ہے کہ وہ بغداد میں اہلِ عراق کے فقیہ تھے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میں نے ابن خسرو کے خط سے لکھا ہوا ایک جزو دیکھا جس میں وہ علي بن محمد بن علي بن عبيد الله الواسطي ثنا أبوبكر محمد بن عمر البابزاني حدثنا الدقيقي عن يزيد بن هارون عن حميد عن أنس کی سند سے روایات ذکر کرتے ہیں۔ یہ سارا نسخہ امام محمد بن عبدالملک بن مروان الدقیقی پر اور ان سے اوپر کے اصحاب پر مکذوبہ ہے، انھوں نے اس میں سے کوئی روایت بیان نہیں کی۔ انھی میں یہ احادیث بھی ہیں: ''من كنت مولاه فعلي مولاه. لا صلاة إلا بفاتحة الكتاب. أصحابي كالنجوم'' وغیرہ۔ یہ احادیث گو دوسرے طرق سے مروی ہیں مگر اس سند سے یہ گھڑی گئی ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ کاری گری حسین کی ہے یا اس کے استاد یا اس کے استاد کی ہے۔

ابن خسرو کے ترجمے کے لیے ملاحظہ ہو: السیر، تاریخ الاسلام، طبقہ،

میزان، لسان، الجواهر المضیة، الوافی بالوفیات، معجم المؤلفین، أعیان الشیعة، تاج التراجم، جامع المسانید.[1]

ابن خسرو کے ترجمے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے تلامذہ اور معاصرین نے ان پر کلام کیا ہے، کوئی توثیق و تعدیل نہیں کی۔ حتیٰ کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تو ان کے مکتوبہ ایک نسخے کو موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے۔

ابن خسرو کے بارے میں اس نقد و تبصرہ پر ''مسند الامام ابی حنیفہ'' کے محقق جناب ''علامہ، محدث، الشیخ لطیف الرحمان القاسمی صاحب'' نے اپنے کچھ تحفظات کا اظہار کیا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر کے مذکورہ بالا قول کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

> ''ابن خسرو کے تراجم میں اس نسخے کا کہیں ذکر نہیں۔ ہم یہ کیسے تسلیم کر لیں کہ ابن خسرو کے خط کو انھوں نے دیکھا ہے، پھر کیا تین صدی گزرنے کے بعد انھیں ان کے خط کی کامل معرفت تھی اور انھوں نے اسے وقتِ نظر سے دیکھا بھی یا نہیں۔''[2]

لیکن یہ اعتراض نہایت پھس پھسا ہے اور کسی علمی بنیاد پر مبنی نہیں، بلکہ یہ محض سوئے ظن کا نتیجہ ہے۔ بات رسم الخط کو پہچاننے کی ہے ہی نہیں، مکتوبہ کتابوں میں عموماً کاتب کا نام درج ہوتا ہے اور ''علی ید فلان'' یا ''بخط فلان'' لکھا ہوتا ہے۔ مصنف اپنا نام لوحِ کتاب پر بھی لکھ دیتا ہے، اس لیے خط پہچاننے کی بات محض وسوسے کا نتیجہ ہے۔

ابن خسرو کے خط سے لکھا ہوا یہ ''جزء'' ہی نہیں بلکہ متقدمین کی متعدد کتابیں

---

[1] السیر (۵۹۲/۱۹)، تاریخ الاسلام (ص: ۱٤٤)، طبقه (۵۳)، میزان (۵٤٤/۱)، لسان (۳۱۲/۲)، الجواهر المضیة (۲۱۸/۱)، الوافی بالوفیات (۳۸/۱۳، ۳۹)، معجم المؤلفین (۵۰/٤)، أعیان الشیعة (٦۸/۲۷)، تاج التراجم (ص: ۲۵)، جامع المسانید (٤۳٤/۲)

[2] مقدمه مسند الإمام (ص: ۹۲)

اور اجزاء بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی نظر سے گزرے ہیں۔ اسی لسان المیزان میں ہے کہ انھوں نے حافظ قطب الدین الحلبی (وفات: ۷۳۵ھ) کے خط سے لکھی احادیث دیکھیں۔[1] اسی طرح انھوں نے علامہ منذری (وفات: ۶۵۶ھ) کے خط سے مکتوبہ کتابیں بھی دیکھیں۔[2] اسی طرح انھوں نے علامہ ابن جوزی (وفات: ۵۹۷ھ) کے خط سے مکتوبہ کتابیں بھی دیکھیں۔[3] ان کے علاوہ بھی متقدمین کے خط سے لکھی ہوئی کتابیں ان کے ملاحظے میں تھیں تو کیا ان سب کے بارے میں جناب قاسمی صاحب یا ان کا کوئی ہم نوا کہے گا کہ ان حضرات کے خط کی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کو کامل معرفت حاصل تھی؟ انھوں نے کیا واقعی اسے دقتِ نظر سے پڑھا اور ان کے خط کو پہچانا؟ اس لیے ابن خسرو کے اس ''جزء'' کا انکار محض بدگمانی اور الزام تراشی کا نتیجہ ہے!

حنفی شافعی اختلافات میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے رجحانات پر احناف کا شکوہ معروف ہے، مگر یوں نہیں کہ انھوں نے کسی کتاب کا ذکر کیا ہو تو کسی نے یہ کہا ہو کہ یہ تو کوئی کتاب ہی نہیں۔ یہ بدگمانی خیر سے جناب قاسمی صاحب ہی کے حصے میں آئی ہے۔ فوا أسفا!

کسی کتاب پر مطلع نہ ہونا اور دوسرے کسی صاحبِ علم کا اس پر مطلع ہونا ﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ﴾ کا مصداق ہے۔ مگر بلا دلیل کسی کتاب کے ثبوت کا انکار تہمت زنی کے مترادف ہے۔

جناب قاسمی صاحب کی پریشانی کا سبب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس جزء کی مکذوبہ روایات کی نشان دہی کرتے ہوئے یہ بھی کہہ دیا کہ ''معلوم نہیں کہ یہ کاری گری حسین بن محمد بن خسرو کی ہے....'' اگر وہ یہ نہ کہتے تو نہ جناب قاسمی

---

[1] لسان (۴۳/۱۔ ۳۰۴/۶) [2] لسان (۱۶۸/۲، ۳۹۵/۵)

[3] لسان (۱۶۲/۲، ۲۷۰، ۲۷۱۔ ۲۷۶/۳)

صاحب اس جزء کا انکار کرتے اور نہ ہی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے بارے میں بدگمانی کا اظہار کرتے۔ حالانکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کا وزر تنہا ابن خسرو پر نہیں ڈالا، اس کے ساتھ ان کے استاد علی بن محمد یا اس کے استاد محمد بن عمر پر بھی ڈالا ہے۔ ان دونوں کا کہیں ترجمہ نہیں ملا، ابن خسرو بھی ثقہ نہیں، اس لیے تینوں میں کوئی ایک ان مکذوبہ روایات کا ذمہ دار ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں:

"و ما أدري هي من صنعة الحسين أو شيخه أو شيخ شيخه"[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جو فرمایا وہ بالکل بجا فرمایا ہے۔ کذاب، ضعیف اور مجہول راوی ایک حدیث کے الفاظ ثقہ اور معروف سند کے ساتھ ٹانک دیتے ہیں جو وضعِ حدیث کی ایک نوع ہے۔ دُور نہ جایئے! اسی "يزيد بن هارون عن حميد عن أنس" ہی کی سند کے حوالے سے حافظ سخاوی نے ذکر کیا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے بعض تابعین سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان ذکر کیا ہے: "من عمل بما يعلم ورثه الله علم مالم يعلم" مگر بعض (مجہول قسم کے) راویوں نے اسے "أحمد عن يزيد بن هارون عن حميد عن أنس" کی سند سے مرفوع حدیث بنا دیا، جیسا کہ تفصیلاً اسے امام ابو نُعیم اصفہانی نے "حلية الأولياء"[2] میں ذکر کیا ہے۔[3]

علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے الضعيفة[4] میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے:

"وفي الطريق إليه جماعة لم أعرفهم، فلا أدري من وضعه منهم"

---

(1) لسان (٣١٢/٢)
(2) حلية الأولياء (١٤/١٠، ١٥)
(3) فتح المغيث (٣١٣/٣)
(4) الضعيفة (٤٢٣/١)

''امام احمد تک کی سند میں ایک جماعت ہے جنھیں میں نہیں پہچانتا، معلوم نہیں ان میں سے کس نے اسے گھڑا ہے۔''

بالکل اسی نوعیت کا معاملہ ابن خسرو کے جز کی روایات کا ہے۔

غیر معروف اور ضعیف راویوں کی اس قسم کی کارستانیوں سے غالباً جناب قاسمی صاحب آگاہ ہیں، اسی لیے ان متون کے اس سند سے وضعی ہونے کا وہ انکار نہیں کر سکے۔ انھوں نے اسی میں عافیت سمجھی کہ ابن خسرو کے اس جزء کا ہی کسی بہانے انکار کر دیا جائے۔ فاعتبروا یا أولي الأبصار!

جناب قاسمی صاحب کا یہ اعتراض کہ ''میں نے ابن خسرو کے تراجم میں اس جزء کا ذکر کہیں نہیں دیکھا۔''[1] بالکل بے جا اور محض دفع الوقتی ہے۔ کیا اصحابِ تراجم، مترجمین کی تمام تالیفات ذکر کرنے کا اہتمام کرتے ہیں؟ خود قاسمی صاحب نے ذکر کیا ہے کہ استاد حارثی نے حافظ ابن عقدہ سے نقل کیا ہے:

''وجدت في كتاب حمزة بن حبيب''

''میں نے حمزہ بن حبیب کی کتاب میں پایا ہے۔''

قاسمی صاحب فرماتے ہیں:

''حمزہ بن حبیب الکوفی ۱۵۶ھ میں فوت ہوئے اور وہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد تھے۔ لیکن ترجمہ نگاروں نے ان کی اس کتاب کا ذکر نہیں کیا۔''[2]

جب اس کے باوجود حمزہ بن حبیب کی کتاب کا قاسمی صاحب انکار نہیں کرتے تو ابن خسرو کے اس جزء کا انکار دھاندلی اور سینہ زوری نہیں تو اور کیا ہے؟

ابن خسرو کے بارے میں یہ بھی ذکر ہوا ہے کہ وہ اعیان شیعہ میں سے تھے۔ جناب قاسمی صاحب نے اس حوالے سے بس اتنا فرمایا ہے: ''جب تک شیعہ غالی نہ

---

[1] مقدمہ مسند (ص: ۹۲)
[2] مقدمہ مسند (ص: ٤٢)

ہو تب تک یہ سببِ جرح نہیں۔'' بجا فرمایا، مگر اس کے تشیع کا انھوں نے انکار نہیں کیا اور نہ اس کا کوئی ثبوت ان کے پاس ہے کہ وہ غالی شیعہ نہ تھے۔ اعیانِ شیعہ میں ان کا شمار آخر کس بات کا غماز ہے؟

اسی طرح انھیں معتزلی بھی کہا گیا ہے، مگر جناب قاسمی صاحب اس کے دفاع میں فرماتے ہیں:

''فكم من راو عند الستة رموا بالاعتزال وهو ثقة''[1]

''کتبِ ستہ کے کتنے راوی ہیں جو معتزلی ہونے کے باوجود ثقہ ہیں!''

بجا فرمایا، مگر جناب قاسمی صاحب اور ان کے ہم نواؤں میں کوئی ہے جو بتائے کہ ابن خسرو کو فلاں اور فلاں نے ثقہ کہا: صدوق، لا بأس به، ليس به بأس یا مقبول ہی کہا ہو؟ ﴿ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ [البقرة: ٢٣]۔

اس کے برعکس ان کے تلامذہ اور معاصرین کی رائے ہے کہ وہ ''لين، لا يعرف شيئا'' ہے۔ اور یہ بھی کہ اس کی ''مسند ابی حنیفہ'' میں عجائبات، یعنی موضوعات ہیں۔ ابن خسرو کا ترجمہ علامہ عبدالقادر قرشی نے الجواهر المضية[2] میں اور علامہ خوارزمی نے جامع المسانید[3] کے آخر میں لکھا ہے، مگر کوئی ادنیٰ سا کلمۂ توثیق بھی نہیں لکھا۔

شیخ قاسمی صاحب ان کے نام کے ساتھ حافظ اور امام کے القاب کا ذکر کرتے ہیں، حالانکہ یہ الفاظ بھی تعدیل کے لیے صریح نہیں۔ وہ محدث تھے، کثیر السماع تھے۔ مگر ہر محدث ثقہ نہیں ہوتا، جیسا کہ حدیث کے کسی طالب علم پر مخفی نہیں۔ سلیمان شاذکونی حفاظِ حدیث میں شمار ہوتے ہیں، مگر وہ بالاتفاق ضعیف، حتیٰ کہ متہم بالکذب ہیں۔

شیخ ابن خسرو کو ''حاطب اللیل'' بھی کہا گیا ہے، جس کے دفاع میں فرمایا گیا

---

[1] مقدمة المسند (ص: ٩٨) [2] الجواهر المضية (٢١٨/١)

[3] جامع المسانيد (٤٣٤/٢)

ہے کہ یہ خلافِ واقعہ ہے، ان کی مرویات کے شواہد و متابعات موجود ہیں۔[1]

عرض ہے کہ یہ لفظ بھی الفاظِ جرح میں شمار ہوتا ہے، جیسا کہ امام سعید بن عبدالعزیز الدمشقی نے یہی ''حاطب اللیل'' کے الفاظ سعید بن بشیر ازدی بصری کے بارے میں کہے ہیں۔

موضوع روایات متن کے اعتبار ہی سے نہیں بلکہ سند کے لحاظ سے بھی موضوع ہوتی ہیں۔ کذاب اور مجہول راوی ایک سند سے ایک معروف متن ذکر کر دیتے ہیں، جیسا کہ پہلے ہم فتح المغیث کے حوالے سے ذکر کر آئے ہیں، اس لیے جناب قاسمی صاحب کا ایسی روایات کے شواہد و متابعات ذکر کرنا دل بہلانے کی ایک ناکام کوشش ہے۔ اور (ان شاء اللہ) آئندہ ہم عرض کریں گے کہ اس قسم کے شواہد بجائے خود خلافِ واقعہ ہیں۔ اور کتنی روایات ہیں جو کذاب اور متروک راویوں نے امام صاحب کے واسطے سے بیان کی ہیں۔

ہماری ان گزارشات سے ابن خسرو کی پوزیشن کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ حافظ الحسینی نے ''التذکرة برجال العشرة'' میں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تعجیل المنفعة میں امام ابوحنیفہ کے رجال کے لیے ابن خسرو کی جمع کی ہوئی ''مسند امام ابوحنیفہ'' میں امام صاحب رحمہ اللہ کی اسانید کو مرجع بنایا ہے تو یہ اس لیے نہیں کہ استنادی حیثیت میں وہ قابلِ اعتماد ہیں، بلکہ اس لیے کہ ابن خسرو دوسرے اکثر اصحابِ مسانید میں سے متاخر اور امام صاحب کی مرویات کے اعتبار سے زیادہ جامع ہے۔ خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں:

''و هو متأخر و في كتابه زيادات على ما في كتاب الحارثي و ابن المقرئ''[2]

---

[1] مقدمہ مسند (ص: ۹۸) [2] تعجیل (۲۴۰/۱)

”ابن خسرو متاخر ہیں اور اس کی کتاب میں مسند الحارثی اور مسند ابن المقرئ سے زیادہ روایات ہیں۔“

جہاں تک ان تمام مسانید ابی حنیفہ کی روایات کے درجہ و مرتبہ کا تعلق ہے تو اجمالی طور پر ان کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

”إني لم أجد عن أبي حنيفة مسندا يعتمد عليه“[1]

”میں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی کوئی مسند ایسی نہیں پائی جس پر اعتماد کیا جا سکے۔“

بلکہ مزید وضاحت فرما دی کہ إتحاف المهرة میں، میں نے موطا، مسند امام شافعی، مسند امام احمد کو اپنا مرجع بنایا ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب مسانید قابلِ اعتماد نہیں۔ اس لیے ان کے بجائے شرح معانی الآثار کی احادیث کو لیا ہے۔

امام صاحب کی مرویات:

امام ابوحنیفہ کی مرویات کو گو متعدد حضرات نے ”مسند ابی حنیفہ“ کے نام سے جمع کیا ہے۔ مگر ان تمام روایات کو کیا امام صاحب کی مرویات کہا جا سکتا ہے؟ بالخصوص وہ روایات جنھیں کذاب، وضاع اور مجہول راویوں نے بیان کیا ہے۔ ہم پہلے عرض کر آئے ہیں کہ کذاب اور مجہول راوی کبھی ایک متن دوسری سند سے لگا دیتے ہیں۔ اصطلاح میں اسے سارق الحدیث بھی کہا جاتا ہے۔ اور ایسی بہت سی احادیث ہیں جنھیں وضاع اور کذاب راوی امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں۔ ان روایات کو امام صاحب کی مرویات کہنا اندھیرے میں تیر چلانے کے مترادف ہے۔

علامہ ابن جوزی نے وضاعین کی قسمیں بیان کرتے ہوئے تیسری قسم یہ بیان کی ہے:

[1] إتحاف المهرة (١/١٥٩)

''بعض کذاب اسانید میں جھوٹ بولتے ہیں وہ ایسے راویوں سے روایت کرتے ہیں جن سے انھوں نے سنا نہیں ہوتا اور کبھی احادیث چوری کرتے ہیں جنھیں دوسرے راویوں نے بیان کیا ہوتا ہے اور کبھی متنِ احادیث گھڑ لیتے ہیں۔ پھر ایسے کذابین میں وہ بدنصیب بھی ہیں جو اپنے مذہب کی تائید میں احادیث وضع کرتے ہیں۔''[1]

عبداللہ بن محمد بن جعفر ابو القاسم قزوینی نے، جو شافعی فقیہ اور قاضی تھے، نے ''سنن الشافعی'' لکھی۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس میں اس نے قریباً دو سو احادیث ایسی شامل کر دیں جنھیں امام شافعی رحمہ اللہ نے بیان نہیں کیا۔''[2]

محمد بن قاسم طالکانی نے کئی روایات امام ابوحنیفہ کے نام سے گھڑیں جو مسند ابی حنیفہ للحارثی کی ''زینت'' ہیں۔[3]

بلکہ استاد عبداللہ بن محمد حارثی کی مسند ابی حنیفہ میں ایسی روایات ہیں کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام صاحب نے وہ روایت نہیں کیں۔ جس کی مناسب تفصیل ہم ان کی مرتبہ مسند پر تبصرے میں بیان کر چکے ہیں۔

ابان بن جعفر النجیرمی نے تین سو احادیث امام صاحب رحمہ اللہ سے روایت کر دیں جنھیں انھوں نے روایت نہیں کیا۔[4] بعض نے اس کا نام ''اباء'' ذکر کیا ہے۔ ابو الفضل محمد بن جعفر الخزاعی نے تو سند کے ساتھ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نام سے ایک کتاب قرآن مجید کے حروف کی قراءت پر لکھ ڈالی۔ خطیب بغدادی نے اس کا نمونہ بھی تاریخ بغداد میں دیا ہے۔ اسی میں یہ الفاظ بھی بیان ہوئے ہیں کہ امام صاحب نے ﴿ اِنَّمَا

---

[1] موضوعات (۱/۳۷، ۳۸)
[2] میزان (۲/۴۹۵)
[3] میزان (٤/۱۱)، لسان (٥/۳٤۳، ۳٤٤)
[4] میزان (۱/۱۷)، لسان (۱/۲۱)

﴿يَخۡشَى ٱللَّهَ مِنۡ عِبَادِهِ ٱلۡعُلَمَٰٓؤُاْ﴾ [فاطر: ٢٨] کو ﴿ٱللَّهَ﴾ پر پیش اور ﴿ٱلۡعُلَمَٰٓؤُاْ﴾ پر زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ پھر اِس قراءت پر جو تو تکار ہوئی وہ بجائے خود افسوس ناک ہے۔

امام ابن الجزری نے تو فرمایا ہے کہ امام صاحب اس قراءت سے بری الذمہ ہیں۔[1] امام دارقطنی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ کتاب وضعی ہے، اس کی کوئی اصل نہیں۔[2]

اندازہ کیجیے کذابین نے کیا کیا ظلم ڈھائے ہیں اور ائمہ اسلام کی طرف کیا کچھ منسوب کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نام سے احادیث ہی نہیں ان کے مناقب میں بلکہ ان کے مسلک کی تائید میں بھی احادیث گھڑی گئیں، جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

جناب قاسمی صاحب نے امام صاحب رحمہ اللہ کی ضعیف احادیث کے جواب میں علامہ محمد بن ابراہیم بن وزیر الیمانی کی معروف کتاب "الروض الباسم فی الذب عن سنة أبي القاسم ﷺ"[3] کے حوالے سے ایک جواب یہ بھی نقل کیا ہے:

"أن يكون كثير من الأحاديث المنسوبة إلى الإمام أبي حنيفة ضعيفة من قبل من روى عنه لا من جهته، و لا من جهة شيوخه و من فوقهم، كما في كثير من الأحاديث المنسوبة إلى جعفر الصادق و كثير من الثقات"[4]

"امام صاحب کی طرف منسوب بہت سی احادیث ان سے روایت کرنے والوں کی وجہ سے ضعیف ہیں، امام صاحب کی وجہ سے نہیں اور نہ ہی ان کے اوپر شیوخ کی وجہ سے، جیسا کہ امام جعفر صادق اور دیگر شیوخ کی طرف

---

[1] النشر (١٦/١) [2] تاریخ بغداد (١٥٨/٢)، میزان (٥٠١/٣)، لسان (١٠٧/٥) وغیرہ
[3] الروض الباسم في الذب عن سنة أبي القاسم ﷺ (١٥٨/١، ١٦٦)
[4] مقدمة مسند لابن خسرو (ص: ٤٩)

منسوب احادیث (ان سے روایت کرنے والوں کی وجہ سے) ضعیف ہیں۔"

اس لیے امام صاحب سے روایت کرنے والے ضعیف ہی نہیں بلکہ کذاب، وضاع راویوں کا امام صاحب کی طرف منسوب کر کے انھیں امام صاحب کی مرویات میں شامل کرنا کوئی مستحسن اقدام نہیں۔

مسانید و معاجم وغیرہ کتب میں بلاشبہہ صحتِ سند کا اہتمام نہیں ہوتا۔ مگر یہ مسئلہ امام صاحب کی مرویات کے حوالے سے ہے کہ کذاب، وضاع اور مجہول راویوں کی روایات کی بنا پر انھیں امام صاحب کی روایت قرار دیا جا سکتا ہے؟

قاضی ابو یوسف، محمد بن حسن شیبانی، زفر بن ہزیل جو امام صاحب کے معروف تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں، ان کی بجائے محمد بن شجاع عن حسن بن زیاد لؤلؤی، صالح بن محمد عن حماد بن ابی حنیفہ، عثمان بن عبداللہ الاموی، احمد بن عبداللہ الکندی، عمر بن الحسن الاشنانی، عبدالرحمان بن صمد، بشر مریسی وغیرہ جیسے کذابین و وضاعین کی بیان کی ہوئی روایات کو امام صاحب کی مرویات باور کرانا کون سی خوبی ہے؟

کتاب الآثار لابی یوسف میں کل روایات ۱۰۶۷ ہیں، امام محمد کی کتاب الآثار میں ۹۱۶ ہیں۔ جب کہ حسن بن زیاد لؤلؤی یہ تعداد چار ہزار بتلاتے ہیں۔[1]

حسن بن زیاد چار کیا چالیس ہزار بھی کہہ دیں تو کہہ سکتے ہیں۔ یہاں اس حوالے سے کچھ عرض کرنا قبل از وقت ہے۔ ہمارا مقصد ان مسانید میں وضاعین کی مرویات کے حوالے سے ہے۔

ابن خسرو کی یہ مسند:

ابن خسرو کے حوالے سے ان کے تلامذہ اور دیگر حضرات نے جو کچھ کہا اس سے ان کی اس جمع شدہ مسند کی تصدیق ہوتی ہے، مثلاً:

---

[1] امام ابن ماجہ اور علمِ حدیث (ص: ۱۷۵)

یزید بن عبدالرحمان الرشک:

محدث ابن خسرو نے امام صاحب کے اساتذہ میں یزید بن عبدالرحمان الرشک کا ذکر کیا ہے اور اس کے واسطے سے ایک حدیث دو سندوں سے ذکر کی ہے جس کے الفاظ ہیں:

"لا بأس بالعمرة أي شهر من السنة"[1]

یہ روایت کتاب الآثار امام محمد رحمہ اللہ[2] کتاب الآثار لابی یوسف رحمہ اللہ[3] میں بھی مروی ہے مگر اس کے مطبوعہ نسخے میں "امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ" کا واسطہ ساقط ہے۔ امام محمد کے ہاں یہ "یزید بن عبدالرحمان" ہیں، "الرشک" کی نسبت مذکور نہیں۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں یہ "یزید ابو خالد" ہیں اور کوئی نسبت مذکور نہیں۔ جب کہ الآثار لابی یوسف[4] میں ایک اور روایت "یزید الرشک" سے مروی ہے۔

جامع المسانید[5] میں پہلے الآثار لمحمد اور حسن بن زیاد سے یہ "یزید بن عبدالرحمان" کے نام سے روایت ہے،[6] پھر اس میں ابن خسرو اور حافظ طلحہ بن محمد کے حوالے سے یہ راوی "عن یزید الرشک البصری" ہے۔ یزید کے بارے میں اس اختلاف سے قطع نظر ہمارا صرف اتنا سوال ہے کہ ابن خسرو نے جو یزید بن عبدالرحمان "الرشک" کی نسبت سے متعارف کروایا اور امام صاحب کے اساتذہ کی فہرستِ بڑھانے کی کوشش کی ہے اس کی علمی بنیاد کیا ہے؟

جناب قاسمی صاحب نے "یزید بن عبدالرحمان الرشک" کے عنوان پر حاشیے میں کچھ حوالے دے دیے مگر جو گھپلا ابن خسرو کی سند میں ہے مجال ہے کہ اس کی

---

[1] مسند (٨٨٤/٢)
[2] (رقم: ٣٨٢)
[3] (رقم: ٥٣٢)
[4] رقم: ١٠٣٦)
[5] جامع المسانید (٥٠٢/١، ٥٠٣)
[6] (٥٣٣/١، ٥٣٤)

طرف کوئی اشارہ بھی کیا ہو۔ چنانچہ ان کے دیے ہوئے حوالوں میں پہلا حوالہ جامع المسانید[1] کا ہے۔ حالانکہ وہاں تو ہے:

"يزيد الرشك و هو يزيد بن أبي يزيد .... إلخ"

یزید بن عبدالرحمان الرشک قطعاً نہیں۔ ابو یزید کا کہیں کوئی نام نہیں۔[2] حافظ ابن حجر نے تعجیل المنفعہ کی فصل المبہمات میں "يزيد بن عبد الرحمان عن عجوز من العتيك" کا ترجمہ دیا ہے اور ابن خسرو کی اسی روایت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"أخرج ابن خسرو الحديث من طريق يزيد بن الرشك عنها"[3]

جس میں انھوں نے ابن خسرو کی اس کارگزاری کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یوں نہیں کہ انھوں نے یزید بن عبدالرحمان کی نسبت "الرشک" متعارف کروائی ہے۔ الایثار[4] میں انھوں نے یزید بن عبدالرحمان کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ "أودی" ہے اور تہذیب[5] میں بھی صراحت کی ہے۔

امام صاحب رحمہ اللہ یزید بن عبدالرحمان اودی سے روایت کرتے ہیں اور کتاب الآثار کا یہی راوی ہے۔ مگر افسوس کہ ابن خسرو نے اسے "الرشک" کی نسبت سے متعارف کروایا ہے۔ جس سے ان کے بارے میں اس بات کی تائید ہوتی ہے جو ان کے تلمیذ رشید امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے کہی کہ "ما كان يعرف شيئا" وہ کچھ جانتے پہچانتے نہ تھے۔

---

[1] جامع المسانيد (٥٧٣/٢)
[2] تهذيب للمزي (٣٩٩/٢)
[3] تعجيل (٦٨٤/٢)
[4] الإيثار (ص: ٢٨)
[5] تهذيب (٣٤٥/١١)

ایک اور وضاحت:

ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ یہی روایت الآثار لابی یوسف میں ہے مگر اس میں ''یزید ابو خالد'' ہے۔ مولانا ابو الوفاء افغانی فرماتے ہیں: ''وہ یزید بن عبدالرحمان ابو خالد الدالانی الکوفی ہیں۔ اصل نسخے میں یزید بن ابی خالد تھا۔ مگر صحیح ''یزید ابو خالد'' ہے۔''[1] اس کا ترجمہ تہذیب[2] میں، یعنی الکنی میں ہے۔

قاضی ابو یوسف کے واسطے سے یہی روایت ابن خسرو نے بھی اپنی سند سے ذکر کی ہے مگر اس میں ''یزید ابو خالد'' کی بجائے ''یزید بن عبدالرحمان'' (الرشک) ہے اور علامہ الخوارزمی نے بھی یہ روایت ''ابوحنیفہ عن یزید الرشک'' کے تحت ذکر کی ہے مگر سند کا کوئی اختلاف ذکر نہیں کیا۔[3]

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ ابن خسرو نے اس کے بعد بغیر نسبت کے ''یزید بن عبدالرحمان'' اور ''یزید بن عبدالرحمان الدالانی'' کا ترجمہ ذکر کر کے اس کے تحت احادیث بیان کی ہیں اور یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ ''الدالانی'' ان شاء اللہ وہی پہلا یزید بن عبدالرحمان ہے۔[4]

افسوس ہے کہ مسند کے محقق نے یہاں بالکل آنکھیں بند کر لی ہیں اور دونوں کے بارے میں کوئی رائے نہیں دی، خاموشی ہی میں عافیت سمجھی ہے۔ ہم کیا عرض کریں کہ ایسا کیوں ہے؟ علامہ خوارزمی نے امام صاحب کے اساتذہ میں چار یزید ذکر کیے ہیں: یزید بن عبدالرحمان الاودی، یزید بن صہیب، یزید الرشک وھو یزید بن ابی یزید اور یزید بن ربیعہ۔ یہ اس بات کی تائید ہے کہ ان مسانید میں ''یزید بن عبدالرحمان الدالانی'' سے کوئی روایت نہیں۔

---

[1] حاشية الآثار (ص: ۱۱۳)
[2] تهذيب (۸۲/۱۲)
[3] جامع المسانيد (۵۳٤/۱)
[4] مسند الإمام (ص: ۹۰۷، ۹۰۹)

امام صاحب کے اساتذہ میں یزید الدالانی کا ہونا اور ان مسانید میں اس سے روایت ہونا دو علیحدہ عنوان ہیں۔ ابن خسرو کے یزید الدالانی کہنے کے باوجود علامہ خوارزمی نے ان سے اتفاق نہیں کیا، آخر کیوں؟ اس لیے غور طلب بات ہے کہ ان روایات میں یزید بن عبدالرحمان کون ہیں؟ الرشک ہیں تو وہ ابن عبدالرحمان نہیں ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا رجحان ہے کہ وہ ''الاودی'' ہیں۔ ابن خسرو فرماتے ہیں کہ وہ ''الدالانی'' ہیں۔ الدالانی کو موفق المکی نے بھی امام صاحب کے اساتذہ میں ذکر نہیں کیا۔

یزید بن خالد:

ابن خسرو نے امام صاحب کے اساتذہ میں ''یزید بن خالد'' کو بھی ذکر کیا اور اس کے واسطے سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کیا:

"كأني أنظر إلى لحية أبي قحافة"[1]

یہ روایت انھوں نے "محمد بن شجاع الثلجي عن الحسن بن زياد اللؤلؤي عن أبي حنيفة" کی سند سے ذکر کی ہے۔ جب کہ یزید بن خالد کا نام امام صاحب کے اساتذہ میں کسی نے نہیں لیا۔ یہی روایت خود ابن خسرو نے مسند[2] میں امام محمد بن حسن شیبانی کے واسطے سے ذکر کی اور نام ''یزید بن عبدالرحمان'' لیا۔ یہی روایت "الآثار لمحمد"[3] میں اور جامع المسانید[4] میں ''یزید بن عبدالرحمان'' ہی سے ہے۔ اب کیا ثلجی اور اللؤلؤی جیسے کذابین کے کہنے پر امام صاحب کا استاد ''یزید بن خالد'' کو تسلیم کر لیا جائے؟ ابن خسرو بعد میں امام محمد کے بیان پر ہی غور کر لیتے تو یزید بن خالد کو امام صاحب کا استاد قرار نہ دیتے۔

یہاں یہ بھی دیکھیے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "تعجيل المنفعة"[5] میں

---

[1] مسند (۸۸۸/۲، رقم: ۱۲۰٦) [2] (ص: ۹۰۸، رقم: ۱۲۳۸)

[3] (رقم: ۹۰۵) [4] جامع المسانيد (۳۲٤/۲) [5] تعجيل المنفعة (۳۷۰/۲)

یزید بن خالد کے ترجمہ کے ساتھ اشارہ کیا ہے: ”ویقال: ابن عبد الرحمان“ کہ یزید کو ابن عبدالرحمان کہا گیا ہے اور ”یزید بن خالد“ کے بارے میں کہا ہے: ”لا أعرفه“ میں اسے نہیں پہچانتا۔

تعجیل المنفعہ کے محقق ڈاکٹر اکرام اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ خالد بن عبدالرحمان بن ابی مالک قاضی ہیں۔ مگر یہ بات بھی محلِ نظر ہے۔ علامہ مزی نے گو خالد بن عبدالرحمان بن ابی مالک کے اساتذہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے مگر امام صاحب کے اساتذہ میں یزید بن عبدالرحمان الکوفی کا ذکر کیا ہے۔ جب کہ ابن ابی مالک کوفی نہیں بلکہ دمشقی ہیں اور یزید بن عبدالرحمان الکوفی ابو داود الأودی ہیں اور وہ حضرت علی، ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ تو ان کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت عین ممکن ہے، ناممکن بالکل نہیں۔

اس لیے صحیح یہی بات معلوم ہوتی ہے یہاں راوی یزید بن عبدالرحمان ہے اور وہ الاودی الکوفی ہے اور یزید بن عبدالرحمان الدالانی الکوفی نہیں ہوسکتا کیوں کہ وہ طبقہ سابعہ کا راوی ہے۔ لہٰذا اس کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت درست نہیں۔ مگر ابن خسرو اسے الدالانی کہتے ہیں!

یہی روایت امام حاکم نے المستدرك[1] میں حسن اللؤلوی سے ذکر کی اور نام یزید بن ابی خالد لیا ہے۔ مگر إتحاف المهرة[2] میں حافظ ابن حجر نے ”یزید بن خالد“ ذکر کیا ہے اور یزید ابو خالد، یزید بن عبدالرحمان الدالانی الکوفی ہے، کوئی اور نہیں۔ مگر اس کا سماع حضرت انس رضی اللہ عنہ سے درست نہیں۔ راوی کی تعیین میں اختلاف سے قطع نظر ہم صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ابن خسرو کا ”یزید بن عبدالرحمان الرشک“ کہنا ان کے علم کا ”کمال“ ہے۔

---

[1] المستدرك (٢٤٥/٣)　[2] إتحاف المهرة (٣٩١/٢)

زید رحمہ اللہ بن علی بن حسین:

محدث ابن خسرو نے حضرت زید بن علی کو بھی امام صاحب کے اساتذہ میں ذکر کیا ہے اور قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ عبدالسلام بن محمد بن یوسف بن بندار القزوینی سے پہلے حضرت زید کے مناقب بیان کیے، پھر بلا سند کہا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حضرت زید سے ملے تو انھوں نے امام صاحب رحمہ اللہ سے پوچھا:

''نماز کی مفتاح کیا ہے؟ اس کی ابتدا کیا ہے اور اس کی استفتاح کیا ہے؟''

امام صاحب نے فرمایا:

''مفتاح طہارت ہے، ابتدا تکبیر ہے اور استفتاح مختلف فیہ ہے، ہم اِس کو پسند کرتے ہیں: "سُبُحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمُدِكَ وَ تَبارَكَ اسُمُكَ وَ تَعَالَى جَدُّكَ وَجَلَّ ثَنَاءُكَ وَ لَا إِلَهَ غَيُرُكَ'' یہ سن کر حضرت زید نے کہا: تم بے شک فقیہ ہو۔''[1]

یہی قصہ علامہ خوارزمی نے جامع المسانید[2] میں بھی ذکر کیا ہے اور اسی بنیاد پر انھوں نے حضرت زید کو امام صاحب کے اساتذہ میں ذکر کیا ہے۔[3]

قارئین کرام! غور کیجیے ابو یوسف قزوینی ۴۸۸ھ میں فوت ہوئے، وہ بلا اسناد ایک قصہ ذکر کرتے ہیں اور اسی بنیاد پر حضرت زید بن علی رحمہ اللہ کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا استاد باور کیا جاتا ہے! کیا مذاکرے میں باہمی گفتگو سے باقاعدہ تلمذ ثابت ہو جاتا ہے؟

ثانیاً: ابو یوسف قاضی معتزلی اور اعتزال کا داعی بھی تھا۔ امام مؤتمن ساجی نے اس سے سماع کیا، پھر اِسی خرابی کے باعث اسے ترک کر دیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں: "إمام المعتزلة و داعيهم"

---

[1] مسند الامام (۴۴۶/۱، رقم: ۴۷۸) [2] جامع المسانید (۴۱۸/۱)

[3] جامع المسانید (۴۵۴/۲)

بلکہ وہ اپنے معتزلی ہونے پر فخر کرتا تھا، ابن خسرو چونکہ خود بھی معتزلی تھے، اسی لیے وہ قاضی ابو یوسف کو ''امام'' کہتے ہیں۔ وہ حافظ تو تھا، البتہ ''الشیخ'' اور ''امام'' معتزلہ کا تھا، اہلِ سنت کا نہیں۔ عقیدتاً وہ معتزلی اور مذہباً حنفی تھا۔[1] اور لکھا ہے: ''کان طویل اللسان'' ''بڑا زبان دراز تھا۔'' اور تفسیر کے علاوہ کسی علم کا محقق نہ تھا۔ اسے مذہباً زیدی بھی کہا گیا ہے۔

ایسے زبان دراز معتزلی کی بے سند حکایت پر تلمذ ثابت کرنا علم وفضل کی دلیل ہے یا ''حاطب اللیل'' ہونے کی؟ بینوا توجروا.[2]

ثالثاً: دعائے استفتاح کے الفاظ ملاحظہ ہوں: ''وَجَلَّ ثَنَاءُكَ'' کا اضافہ کیا ثابت ہے؟ صرف اسی حکایت کی بنا پر کیا اسے درست تسلیم کر لیا جائے؟ کیا ظاہر الروایہ میں اس کا کہیں وجود ہے؟ اور کیا یہ الفاظ معمول بہا ہیں؟ بعض فقہاء کا اس اضافے کو نوافل اور نمازِ جنازہ کے لیے خاص کرنے کی بھی کیا دلیل ہے؟ ابن خسرو کی حکایت قابلِ اعتبار ہے تو یہ تفریق لغو ہے! بالخصوص جب کہ حضرت زید نے بھی اس کی تائید کرتے ہوئے فرما دیا: ''إنك لفقيه''، تو مجالِ انکار کیا ہے؟

عطاء خراسانی کی روایت:

ابن خسرو کا یہ کمال بھی ملاحظہ ہو کہ پہلے انھوں نے حضرت عطاء بن ابی رباح کی روایات میں ایک روایت کفارۂ صوم کے بارے میں ذکر کی۔[3] پھر یہی روایت اسی سند سے عطاء خراسانی کے حوالے سے بیان کی، بلکہ یہ بھی فرمایا: ''أبو حنيفة

---

[1] الجواهر المضية (۳۱۵/۱)

[2] ابو یوسف القزوینی کے ترجمے کے لیے دیکھیے: السير (۶۱۷/۱۸)، لسان (۱۱/۴، ۱۲)، التدوين في أخبار قزوين (۱۷۸/۳)، الوافي بالوفيات (۴۳۳/۱۸)، الجواهر المضية (۴۲۱/۲)، شذرات الذهب (۳۸۵/۳)، طبقات الشافعية (۱۲۱/۵، ۱۲۲) وغيرها

[3] مسند (۵۲۵/۲، رقم: ۵۹۸)

عن عطاء أراه الخراساني"[1]

یہ روایت جامع المسانید[2] میں علامہ خوارزمی نے حافظ طلحہ بن محمد، محمد بن مظفر اور ابن خسرو کے حوالے سے ذکر کی ہے اور عطاء بن ابی رباح کے واسطے سے بیان کی ہے۔ امام صاحب کے اساتذہ میں عطاء بن ابی رباح، عطاء بن سائب اور عطاء بن عجلان کا نام ہے۔[3] عطاء بن یسار بھی ان کے شیخ ہیں۔[4] اور علامہ خوارزمی نے عطاء بن عبداللہ بن موہب مدنی کا ذکر بھی امام صاحب کے اساتذہ میں کیا ہے۔[5] مگر عطاء خراسانی کا ذکر ان کے اساتذہ میں سے کسی نے نہیں کیا۔

یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہی روایت معمر، ابن جریج، مالک اور داود بن ابی ہند "عطاء الخراساني عن سعيد" سے بیان کرتے ہیں۔[6] اب اس کا فیصلہ تو اہلِ علم ہی کریں گے کہ اصل حقیقت کیا ہے۔

عطاء خراسانی کا شمار امام صاحب کے اساتذہ میں نہیں ہوتا، جب کہ یہ روایت "عطاء الخراسانی عن سعید" کے طریق ہی سے معروف ہے۔ عطاء بن ابی رباح امام صاحب کے مشہور استاد ہیں، مگر عطاء عن سعید کی سند سے یہ روایت معروف نہیں۔[7]

یاد رہے کہ ان دونوں کے واسطے سے بیان کرنے والا "محمد بن شجاع الثلجی عن الحسن بن زیاد" ہے اور یہ سلسلۂ سند "ایں خانہ ہمہ آفتاب است" کا مصداق ہے۔ سند درست اور قابلِ اعتبار ہوتی تو سمجھا جا سکتا تھا کہ امام صاحب نے دونوں سے روایت کی ہے، مگر دوسرے مقام پر عطاء کی تعیین تو شیخ ابن خسرو نے کی ہے۔ ایں چہ بوالعجبی است!

---

[1] مسند (٢/٦٦٨، ٦٦٩، رقم: ٨٣٤)
[2] جامع المسانيد (١/٤٩٩)
[3] المناقب للموفق (١/٤٧)
[4] مسند أبي حنيفة لأبي نُعيم (ص: ٣٢٥)
[5] جامع المسانيد (٢/٤٩٨)
[6] مصنف عبدالرزاق (٤/١٩٥)، بيهقي (٤/٢٢٧)، موطأ إمام مالك، الأم (٢/٩٨)
[7] مزید ملاحظہ ہو: العلل للدارقطني (١٠/٢٣٣، ٢٣٤)

بلال بن وہب بن کیسان:

محدث ابن خسرو نے ''بلال بن وہب بن کیسان'' کے عنوان سے چند احادیث روایت کی ہیں۔ پہلی تین اسانید میں اسی طرح ''بلال بن وہب بن کیسان'' ہے۔[1] اس کے بعد دیگر روایات میں ''بلال عن وہب بن کیسان'' ہے۔ پھر ۲۳/۱ (رقم: ۱۱۰) پر عنوان ''أبو حنيفة عن بلال بن أبي بلال النصيبي'' دیا اور ساتھ وضاحت فرما دی:

''هو الأول المذكور أيضًا''

''یعنی یہ بھی پہلا ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے۔''

گویا یہ بلال بن وہب بن کیسان ہی ہے۔ اس وضاحت کے بعد ''بلال عن وہب'' کی سند سے اختلافِ سند کے ساتھ وہی تین احادیث ہیں جن کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ بلال بن ابی بلال وہی بلال بن وہب ہے تو علیحدہ بہ طورِ استاد ذکر کرنے کا فائدہ؟ جب کہ امرِ واقع یہ ہے کہ ''بلال بن وہب'' وہم ہے، گو اِس کا ترجمہ ابن حبان رحمہ اللہ نے الثقات[2] میں ذکر کیا اور ان کی اقتدا میں حافظ قاسم بن قطلوبغا رحمہ اللہ نے الثقات[3] میں بغیر سوچے سمجھے نقل کر دیا۔ حالانکہ بلال بن وہب کو الثقات میں ذکر کرنا خود ابن حبان رحمہ اللہ کے اصول کے منافی ہے۔ وليس هذا موضع التفصيل.

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ وہم ہے اور صحیح بلال بن أبي بلال النصيبي الفزاري ہے۔[4] اور وہ بلال بن مرداس الفزاری النصیبی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے

---

[1] ملاحظہ ہو: مسند الامام (۲۲۳/۱، ۲۲۵، رقم: ۹۳، ۹۴، ۹۵)

[2] الثقات (۹۱/٦) [3] الثقات (۹۹/۳)

[4] أطراف الغرائب (۳۹۷/۲)

ابن خسرو کی اسانید میں اسی اختلاف کو ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ بلال بن مرداس ہے۔ علامہ مزی نے بھی التھذیب [1] میں اسی کو وہب بن کیسان کا شاگرد اور امام ابوحنیفہ کا استاد کہا ہے۔ امام ابونعیم نے مسند الإمام أبي حنيفة [2] میں "بلال بن أبي بلال النصيبي الخزرجي، و قيل: أبو بلال ابن مرداس" ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ امام صاحب اس سے روایت کرنے میں منفرد ہیں۔ یہی بات امام دارقطنی رحمہ اللہ نے "الغرائب" میں اور امام طبرانی نے الأوسط [3] میں کہی ہے۔

مقصد یہ ہے کہ ابن خسرو کا بلال بن وہب بن کیسان کو امام صاحب کا استاد قرار دینا راویوں کے وہم کی بنا پر ہے، ابن خسرو نے جیسے سنا اسی طرح ذکر کر دیا۔ پھر بلال بن ابی بلال النصیبی کو بلال بن وہب قرار دینا "ظلمات بعضها فوق بعض" کا مصداق ہے۔

غالباً یہی وہ وجوہ ہیں جن کی بنا پر انھیں "ما كان يعرف شيئا" اور "حاطب الليل" کہا گیا ہے!

علامہ خوارزمی رحمہ اللہ کی کارگزاری:

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ یہ روایات علامہ خوارزمی رحمہ اللہ نے جامع المسانید [4] میں حافظ طلحہ بن محمد، محمد بن مظفر اور ابن خسرو کے حوالے سے ذکر کی ہیں۔ پہلی جلد میں "بلال بن مرداس الفزاري عن وهب" کے واسطے سے ہے اور دوسری جلد میں "بلال بن أبي بلال مرداس الفزاري ثم النصيبي عن وهب" سے۔ مگر مجال ہے کہ ابن خسرو نے جو بلال بن وہب کہا، اس اختلاف کی طرف اشارہ بھی کیا ہو۔

---

[1] التهذيب (٣/١٩٣)

[2] مسند الإمام أبي حنيفة (ص: ٦٢)

[3] المعجم الأوسط (رقم: ١٨٤٠)

[4] جامع المسانيد (٢/ ٦٢_١/٣٢٤، ٣٤٨)

مزید افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ بلال بن بن ابی بلال مرداس الفزاري کو انھوں نے امام صاحب کا شاگرد بنا دیا ہے اور صاف لکھا ہے:

"یروي عن الإمام أبي حنیفة في هذه المسانید"[1]

"وہ ان مسانید میں امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں۔"

انھیں امام صاحب کے اساتذہ میں ذکر ہی نہیں کیا۔ إنا للّٰه و إنا إلیه راجعون!

بہلول بن عمرو الصیرفی:

محدث ابن خسرو نے بہلول بن عمرو کو بھی امام صاحب کے شیوخ میں ذکر کر کے ان کے مشائخ کی فہرست بڑھانے کی کوشش کی ہے، چنانچہ پہلی روایت "مکي بن إبراهیم قال: لقي أبو حنیفة بهلولا" کے الفاظ سے ہے اور دوسری "محمد بن غالب حدثنا أبو حذیفة قال: استقبل أبو حنیفة" کے الفاظ سے ہے۔[2] یہی قصہ جامع المسانید[3] میں ابن خسرو سے نقل ہوا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تعجیل المنفعۃ میں مکی بن ابراہیم کی روایت ذکر کر کے کہا ہے:

"لیست فیه روایة أبي حنیفة عن بهلول، إنما فیه روایة مکي عن أبي حنیفة و عن بهلول ما دار بینهما"[4]

"اس قصے میں امام ابوحنیفہ کی بہلول سے روایت نہیں، بلکہ مکی کی امام ابوحنیفہ اور بہلول سے ہے کہ ان دونوں کو جو پیش آیا ہے۔"

بات بالکل واضح ہے کہ مکی بن ابراہیم ان دونوں کے مابین ہونے والے واقعے کی حکایت کرتے ہیں، یوں نہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، بہلول سے روایت کرتے ہیں۔

رہی دوسری سند تو گو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ قصہ "محمد بن غالب بن

---

[1] جامع المسانید (۲/۴۱۳) [2] مسند الإمام (۱/۲۳٤)

[3] جامع المسانید (۲/۳۰۵) [4] تعجیل (۱/۳۵۸)

حرب ثنا أبو حنيفة" کی سند سے نقل کیا ہے۔ شاید ان کے نسخے میں اسی طرح ہو، مگر مسند ابن خسرو اور جامع المسانید میں یہ "محمد بن غالب ثنا أبو حذيفة قال: استقبل أبو حنيفة و بهلول" کے الفاظ سے ہے۔ مگر یہاں بھی ابوحذیفہ موسیٰ بن مسعود الہندی اسی قصے کو بیان کرتے ہیں جو امام صاحب اور بہلول کے مابین پیش آیا۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ مزی نے جس طرح مکی کے اساتذہ میں بہلول اور امام صاحب کو ذکر کیا[1] اسی طرح ابوحذیفہ کے اساتذہ میں بہلول کا ذکر کیا ہے۔[2] امام ابوحنیفہ کے شیوخ میں بہلول کا ذکر نہیں کیا۔

علامہ خوارزمی نے جامع المسانید[3] میں اس قصے کو نقل کرنے کے باوجود بہلول کو امام صاحب کے شیوخ میں ذکر نہیں کیا۔ نہ یہ حدیث استاد عبداللہ حارثی نے امام صاحب کی مسند میں ذکر کی اور نہ ہی امام ابونعیم اصفہانی نے مسند امام ابی حنیفہ میں۔ اس لیے بہلول کو بھی بلال بن وہب کی طرح امام صاحب کے اساتذہ میں ذکر کرنا محض فہرستِ اساتذہ بڑھانے کی نامعقول کوشش ہے۔

جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ:

محدث ابن خسرو نے امام صاحب رحمہ اللہ کے شیوخ میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بھی شمار کیا ہے اور ان کی حدیث بھی ذکر کی ہے۔ بلکہ ان کی وفات "سنة ثمان و تسعين" (۹۸ھ) میں ذکر کر کے اشارہ کیا ہے کہ امام صاحب کی ان سے روایت ناممکن نہیں، کیوں کہ امام صاحب ۸۰ھ میں پیدا ہوئے ہیں اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ۹۸ھ میں وفات پائی ہے۔ گویا ان کی وفات کے وقت امام صاحب کی عمر اٹھارہ (۱۸) برس تھی، اس لیے امام صاحب ان کے شاگرد ہیں۔[4]

---

[1] التهذيب (۳٦۲/۱۸) [2] التهذيب (۵۰۸/۱۸)

[3] جامع المسانيد (٤١٤/٢) [4] ملاحظہ ہو: مسند ابن خسرو (۲۳٦/۱، رقم: ۱۱۸)

یہ روایت جو ابن خسرو نے ذکر کی ہے، اس کے الفاظ ہیں:

"فأین أنت عن کثرة الاستغفار و الصدق یرزق اللّٰہ بھا الولد"

یہی روایت دیلمی سے بہ واسطہ ابوعبداللہ البلخی (ابن خسرو) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ذیل الموضوعات[1] میں ذکر کی ہے، مگر کسی راوی کو ہدفِ تنقید نہیں بنایا۔ علامہ ابن عراق نے اسی لیے کہہ دیا ہے کہ علامہ سیوطی نے اس کی کوئی علت ذکر نہیں کی، معلوم نہیں انھوں نے اسے موضوعات میں کیوں ذکر کیا ہے! جب کہ قرآن اس کا گواہ ہے کہ مال و اَولاد کے لیے استغفار کا عمل دخل ہے۔[2]

کسی حدیث کے معناً درست ہونے اور اس کے نبوی فرمان ہونے میں بڑا فرق ہے، علامہ مزی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

"کسی کے لیے روا نہیں کہ وہ جس کلام کو اچھا سمجھے اس کا ایک حرف بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرے، اگرچہ وہ کلام فی نفسہٖ حق ہو۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ حق ہے لیکن ہر حق بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں ہے۔ یہ بات خوب سمجھ لیجیے کہ اس کے نہ سمجھنے سے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں، عقل و فہم معطل ہو جاتی ہے۔"[3]

اس لیے علامہ سیوطی نے اسے موضوع کہا ہے تو یہ بے سبب نہیں۔

علامہ خوارزمی نے جامع المسانید[4] میں بھی اسے ذکر کیا ہے، مگر انھوں نے وضاحت کی ہے کہ امام صاحب ۸۰ھ میں پیدا ہوئے، جب کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ۷۹ھ میں وفات پائی:

---

[1] ذیل الموضوعات (ص: ۳۰۶، رقم:۵٤٦)
[2] تنزیه الشریعة (۲/ ۱٤۳)
[3] ذیل الموضوعات (ص: ۵۲٤)
[4] جامع المسانید (۱/ ۲۵)

"فكيف يتصور أن يروي عنه"[1]

"لہٰذا کیسے تصور کیا جائے کہ امام صاحب ان سے روایت کرتے ہیں!"

پھر اس روایت میں سماع کی صراحت بھی نہیں۔

شیخ مسعود بن شیبہ نے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو امام صاحب کا استاد قرار دیا تو مولانا عبدالرشید نعمانی نے ان کی تردید کرتے ہوئے اس حقیقت کا اعتراف کیا:

"و أما ما رواه أبو حنيفة عن جابر فهو من المراسيل، كذا قال الحافظ الخوارزمي في مسند أبي حنيفة"[2]

"اور رہی وہ روایت جسے ابوحنیفہ رحمہ اللہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں تو وہ مراسیل میں سے ہے، جیسا کہ حافظ خوارزمی نے مسند ابوحنیفہ میں کہا ہے۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے سنِ وفات کے تعین میں اختلاف ہے، بعض نے ۶۸ھ، بعض نے ۷۲ھ، بعض نے ۷۷ھ اور بعض نے ۷۸ھ کہا ہے۔[3] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۸۰ھ سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے:

"فإن جابرا مات قبل الثمانين"[4]

اور تقریب (ص:۵۲) میں ہے:

"مات بعد السبعين" "وہ ۷۰ھ کے بعد فوت ہوئے۔"

۷۰ھ اور ۸۰ھ کے مابین فوت ہونے والے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کیسے سماع کیا جو ۸۰ھ میں پیدا ہوئے تھے۔

۸۰ھ میں امام صاحب کی پیدائش کا ذکر خود ابن خسرو نے بھی مسند[5] میں کیا

---

(1) جامع المسانيد (٢٦/١)　(2) حاشية مقدمة كتاب التعليم (ص: ٣٤)

(3) تهذيب للمزي (٢٩٨/٣)، السير (١٦٤/٣) وغيره.

(4) تهذيب (١٥٢/٤)، ترجمة: سلمة بن عمرو.　(5) مسند (١٥١/١)

ہے۔ اس لیے انھوں نے اور بعض دیگر حضرات نے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو ان کے اساتذہ میں شمار کیا اور ''وحدانیات'' میں اسے شامل کیا، بہر حال غلط ہے۔

تعجب تو یہ ہے کہ شیخ ابن خسرو نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وفات ۹۸ھ میں قرار دینے کا تکلف بھی کر ڈالا، جب کہ تمام ترجمہ نگار اُن کا سنِ وفات ۸۰ھ سے قبل بتلاتے ہیں، چنانچہ بعض ۷۳ھ، بعض ۷۷ھ اور بعض ۷۸ھ ذکر کرتے ہیں۔ ۹۸ھ کا تو کسی نے ذکر نہیں کیا۔ علامہ خوارزمی رحمہ اللہ کی تردید کے بعد مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ مگر وہ کہتے ہیں کہ ''غرض کا باؤلا اپنی گاوے'' شاید اسی بنا پر شیخ ابن خسرو نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وفات ۹۸ھ ذکر کر دی، تاکہ امام صاحب کا ان سے تلمذ ثابت ہو سکے۔ فوا أسفا!

حیرت تو حضرت محقق ''علامہ محدث'' قاسمی صاحب پر ہے جن کی ان کے اس تکلف پر مجرمانہ خاموشی ''ظلمات بعضها فوق بعض'' کا مصداق ہے۔

دیگر وحدانیات:

شیخ ابن خسرو نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت انس، حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء، عبداللہ بن ابی اوفیٰ، ابو طفیل عامر بن واثلہ، عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہم اور عائشہ بنت عجرد کو بھی صحابیہ قرار دیتے ہوئے امام صاحب کی وحدانیات ذکر کی ہیں۔ مگر امرِ واقع یہ ہے کہ ان میں سے کسی بھی قابلِ اعتبار سند سے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے امام صاحب کا سماع ثابت نہیں۔ علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

''و الوحدان في حديث الإمام أبي حنيفة؛ لكن بسند غير مقبول. إذ المعتمد أنه لا رواية له عن أحد من الصحابة''[1]

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی حدیث میں وحدان؛ لیکن غیر مقبول سند سے،

[1] فتح المغيث (٣/٣٤٤) ط. بنارس، هند

جب کہ قابلِ اعتماد بات یہ ہے کہ ان کی کسی صحابی سے کوئی روایت نہیں۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ کی صحابہ سے مرویات ضعف سے خالی نہیں۔[1]

یہاں ہر ایک صحابی سے ان کی روایت کی پوزیشن کی تفصیل مناسب نہیں، ہم یہاں ایک اور اسلوب کی طرف قارئینِ کرام کی توجہ مبذول کروانا چاہتے ہیں۔ شیخ ابن خسرو نے حضرت عبداللہ بن انیس سے امام صاحب رحمہ اللہ کی روایت بنیادی طور پر دو اسانید سے ذکر کی ہیں:

① ایک بہ واسطہ "أبو سعد إسماعيل بن علي الرازي السمان حدثنا أبو علي الحسن بن علي حدثنا علي بن بابويه بشيراز حدثنا أبو داود الطيالسي عن أبي حنيفة"[2]

اسی سند سے یہ روایت امام ابن عساکر نے تاریخ دمشق[3] میں ذکر کی ہے اور کہا ہے:

"هذا حديث منكر بهذا الإسناد، و فيه غير واحد من المجاهيل"

"یہ حدیث اس سند سے منکر ہے اور اس میں بہت سے راوی مجہول ہیں۔"

اس حقیقت کا اعتراف علامہ قاسمی صاحب نے بھی حاشیے میں کیا ہے۔

② دوسری سند یوں ہے: "أبو أحمد محمد بن عبدالله أخبرنا أبو علي الحسن بن علي بن بابويه بشيراز حدثنا جعفر بن محمد بن الحسن الأصبهاني حدثنا يونس بن حبيب حدثنا أبو داود الطيالسي عن أبي حنيفة"[4]

---

[1] شرح المسند لعلي القاري

[2] مسند (رقم: ٥٦٩، ٥٧٠)

[3] تاريخ دمشق (٣١٦/١٣)

[4] مسند (رقم: ٥٦٨)

دونوں اسناد پر غور کریں، پہلی میں مجاہیل ہیں۔ دوسری اور پہلی میں فرق نمایاں ہے۔ پہلی سند میں ''علی بن بابویہ'' ہے، جب کہ دوسری میں ''الحسن بن علي بن بابويه'' ہے۔ پہلی سند میں ابن بابویہ ابوداود سے روایت کرتے ہیں، جب کہ دوسری میں دو واسطوں سے ابو داود طیالسی سے روایت ہے۔

اس اختلافِ سند کے علاوہ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ عبداللہ بن انیس کون سے صحابی ہیں؟ یہ الجهني المدني مشہور صحابی تو ہیں نہیں، کیوں کہ ان کی وفات ۵۴ھ میں شام میں ہوئی تھی۔[1] اس نام کے اور صحابی بھی ہیں مگر ابن عابدین نے کہا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی کوفہ میں نہیں آیا۔[2] جب کہ روایت میں ہے کہ ان سے کوفہ میں سنا ہے۔

ان تمام باتوں سے قطعِ نظر، ہم عرض یہ کرنا چاہتے ہیں کہ اس روایت میں مذکور ہے کہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں ۸۰ھ میں پیدا ہوا اور عبداللہ بن انیس سے جب میں نے سنا تب میری عمر ۱۴ سال تھی۔

اسی طرح عبداللہ بن الحارث بن جزء کی روایت میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ۹۶ھ میں حج کیا، جب کہ میری عمر ۱۶ سال تھی۔[3] گویا دونوں روایات میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں ۸۰ھ میں پیدا ہوا۔

یہی دو روایات نہیں، ان کے علاوہ بھی متعدد روایات میں امام صاحب رحمہ اللہ کی پیدائش ۸۰ھ میں بیان ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ امام ابوحنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے ہیں۔[4]

مگر آپ یہ معلوم کر کے حیران ہوں گے کہ علامہ کوثری نے، جنھوں نے امام

---

[1] الإصابة (٦/٢٦) وغيره.
[2] رد المحتار (١/٦٥)
[3] مسند (٢/٤٩٨)
[4] الإنتقاء (ص: ١٩٢)

ابوحنیفہ کے دفاع میں اسلام کے اساطین و اَعیان پر نقد و جرح کے نشتر چلائے ہیں، نے امام صاحب کی پیدائش ۷۰ھ میں قرار دی ہے۔ ان کی دلیل کیا ہے اور یہ رائے قائم کرنے کی ان کی غرض کیا ہے، اس کی دلچسپ تفصیل علامہ معلّمی مرحوم نے التنکیل[1] میں بیان کر دی ہے، شائقین اس کی مراجعت کر لیں۔ یہ بحث ہمارا موضوع نہیں، ہم صرف یہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ خود ان دونوں روایتوں میں اپنی پیدائش ۸۰ھ میں بتلاتے ہیں، مگر ان کے بے دام وکیل ان کی یہ بات تسلیم نہیں کرتے، وہ ان کی پیدائش ۷۰ھ میں بتلاتے ہیں:

"لعل الأرجح في ميلاده هو سنة سبعين"[2]

اگر امام صاحب سے مروی یہ روایات قابلِ اعتبار ہوتیں تو بھلا علامہ کوثری ان کی پیدائش ۸۰ھ کی بجائے ۷۰ھ قرار دیتے؟ فاعتبروا يا أولي الأبصار!

ایک مغالطے کا جواب:

امام ابوحنیفہ کی انھی ضعیف روایات کے بارے میں یہ بھی کہا گیا کہ مناقب، ضعیف حدیث سے بھی ثابت ہوتے ہیں۔ اسی لیے حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں ان کو بھی صحابہ میں ذکر کیا ہے جن کی مصاحبت ضعیف روایت سے ثابت ہے، اس لیے تابعی کے ثبوت کے لیے بھی ضعیف روایت سے استدلال درست ہے۔[3]

مگر یہاں یہ استدلال درست نہیں، یہاں مسئلہ صحابی یا تابعی کے مناقب کا نہیں بلکہ صحابی یا تابعی ثابت ہونے کا ہے۔ صحابی ثابت ہونا اور صحابی کے مناقب کا ہونا دونوں میں فرق ہے، جسے ملحوظ نہیں رکھا گیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الإصابة کے مقدمے میں گو یہ فرمایا ہے کہ ضعیف

[1] التنكيل (۱/۱۸۲-۱۹۰) [2] تأنيب (ص: ۳۹)

[3] مقدمه كتاب التعليم (ص: ۳٦)

روایت سے بھی اگر صحابی ہونا ثابت ہو رہا ہو تو میں اسے قسم اوّل، یعنی صحابہ میں ذکر کروں گا۔ لیکن اس کے ساتھ انھوں نے آخر یہ کیوں فرمایا ہے:

''میں اس قسمِ اوّل کو تین قسموں میں تقسیم کرنا چاہتا تھا، پھر میں نے اسے ایک ہی قسم (قسمِ اوّل) میں ذکر کیا اور ہر ترجمے میں اس کی کچھ وضاحت کر دی۔''

اس لیے الإصابة کی القسم الأول میں اگر تمام صحابہ کا ذکر، اگرچہ وہ ضعیف سند سے ہی ہو، ان تمام کے صحابی ہونے کا ثبوت ہے تو اسے تین قسموں میں ذکر کرنے یا پھر ہر ترجمے میں اس کی وضاحت کرنے کا تکلّف کیوں؟ اس میں تو اُن کا بھی ذکر ہے جن کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے اور جنھیں غلطی سے صحابی باور کر لیا گیا۔

غور فرمائیں! حافظ ابن حجر نے القسم الأول میں ''بُرَیل'' ''صحابی'' کا ذکر کیا ہے۔ أسد الغابة، معرفة الصحابة لأبي نعیم و لابن مندہ میں بھی اس کا بقیہ بن ولید کی سند سے ''صحابی'' ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مگر اس کے باوجود حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

''ابن مندہ کہتے ہیں: اس کا صحابی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ ابو نعیم نے کہا ہے: اسے صحابہ میں ذکر کیا گیا، مگر یہ وہم ہے۔''

اسی طرح اخضر بن ابی اخضر انصاری کو بھی صحابہ میں ذکر کیا گیا، مگر ساتھ یہ وضاحت بھی کر دی:

''اس سند میں نظر ہے اور دار قطنی رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے کہ جابر جعفی اس سند میں متفرد ہے اور وہ رافضی ہے۔''

ابیض الجنی کو بھی انھوں نے صحابہ میں ذکر کیا ہے کہ ابو علی محمد بن محمد بن اشعث نے کتاب السنن میں اس سے متعلق ایک روایت نقل کی ہے۔ اور یہ بھی وضاحت ہے کہ ابو علی متروکین اور متہمین بالکذب میں شمار ہوتا ہے۔

اُسید بن ظہیر ابن اخی رافع بن خدیج کے بارے میں تفصیل ذکر کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ امام حاکم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

''ان کا صحابی ہونا صحیح نہیں، کیوں کہ اس کی سند میں ابو بردہ مجہول ہے اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ کہا گیا ہے: یہ صحابی ہیں۔ لیکن میرے نزدیک یہ صحیح نہیں، کیوں کہ اس کی حدیث کی سند میں اضطراب ہے اور انھیں ثقات تابعین میں ذکر کیا ہے۔''[1]

اگر ضعیف سند سے صحابی ہونا ثابت ہوتا تو امام حاکم اور امام ابن حبان رحمہما اللہ ان کے صحابی ہونے کا انکار نہ کرتے!

یہ اور اس قسم کی اور متعدد مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ ''القسم الأول'' میں سب کے سب صحابی نہیں ہیں۔ صحابی ہونے کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہی نے فرمایا ہے:

''يعرف كونه صحابيا بالتواتر أو الاستفاضة أو الشهرة أو بإخبار بعض الصحابة أو بعض ثقات التابعين... إلخ''[2]

''صحابی ہونا ثابت ہوتا ہے تواتر سے یا سند مستفیض یا مشہور سے یا بعض صحابہ کے بتلانے سے یا ثقہ تابعین کے کہنے سے۔''

غور فرمایا آپ نے کہ صحابی کے ثبوت کے لیے مطلقاً تابعین کا نہیں بلکہ ''ثقہ تابعین'' کا کہا ہے، اگر ضعیف سند سے صحابی ہونا ثابت ہو جاتا تو ''ثقہ تابعی'' کی قید کا کیا فائدہ ہے؟ اس لیے امام صاحب کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان ضعیف، متروک اور کذاب راویوں سے مروی روایات سے ان کی وحدانیات کا ثبوت اور ان کا روایتاً تابعی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

---

[1] تهذيب (۳۴۹/۱) [2] شرح النخبة (ص: ۱۰۱)

فاطمہ بنت عجرد اور ابن خسرو:

شیخ ابن خسرو نے امام صاحب کے اساتذہ میں فاطمہ بنت عجرد کا بھی ذکر کیا ہے اور بہ واسطہ امام ابن ابی حاتم انھوں نے عباس الدوری سے نقل کیا ہے کہ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا:

"إن أبا حنيفة صاحب الرأي سمع فاطمة بنت عجرد تقول: سمعت رسول الله ﷺ يقول: «أكثر جند الله في الأرض الجراد لا آكله و لا أحرمه»" [1]

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فاطمہ بنت عجرد سے سنا وہ کہتی تھیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے: زمین پر اللہ کا سب سے بڑا لشکر مکڑی ہے، نہ میں اسے کھاتا ہوں نہ حرام قرار دیتا ہوں۔''

لیجیے جناب! شیخ ابن خسرو نے ''فاطمہ بنت عجرد'' کو اس روایت کی بنا پر صحابیہ اور امام صاحب کو ان کا تلمیذ باور کروایا ہے، اب اٹھائیں معرفۃ الصحابۃ کے عنوان پر کتبِ تاریخ اور ڈھونڈیں کہ اس نام کی کوئی صحابیہ ہے؟ نہیں، قطعاً نہیں!

یہاں یہ بات بھی ملاحظہ فرمائیں کہ ابن خسرو نے اسے "أبو أحمد محمد بن عبدالله ربيب الوزير أبي العباس الاسفرائيني نا الحسن بن علي الدمشقي حدثنا أبو محمد عبد الله بن نمر الرازي حدثنا عبد الرحمان بن أبي حاتم" کی سند سے ذکر کیا ہے۔ جب کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابو موسیٰ کی ذیل الصحابۃ سے "أبو أحمد محمد بن عبد الله ربيب الوزير حدثنا عبد الرحمان بن أبي حاتم" کی سند سے بغیر دو واسطوں کے ذکر کیا ہے۔ غالباً یہاں دو واسطے ساقط ہیں اور اس میں راویۂ حدیث

[1] مسند ابن خسرو (۷۱٦/۲، رقم: ۹۱۱)

عائشہ بنت عجرد ہے، فاطمہ بنت عجرد نہیں۔[1]

اسی ابواحمد کی سند سے یہی روایت شیخ موفق المکی نے المناقب[2] میں نقل کی ہے اور اس میں بھی عائشہ بنت عجرد ہے، فاطمہ بنت عجرد نہیں۔ بلکہ امام یحییٰ بن معین کی التاریخ جو عباس دوری ہی سے منقول ہے، اس میں بھی ہے:

"أبو حنيفة صاحب الرأي قد سمع من عائشة بنت عجرد فيما قال"[3]

اس لیے انھی کی روایت کے حوالے سے "فاطمہ بنت عجرد" کا نام کہاں سے آ گیا؟ مجہول راویوں نے جو گھپلا کرنا تھا سو کیا، افسوس تو شیخ ابن خسرو پر ہے کہ وہ بھی بے خبری میں ان کے پیچھے آنکھیں بند کر کے چل نکلے اور علامہ قاسمی صاحب نے بھی خاموشی ہی میں عافیت سمجھی!

مسند میں یہاں عبداللہ بن نمیر ہے جب کہ اس سے پہلے عبداللہ بن کثیر الرازی ہے، جیسا کہ پہلے مسند[4] ہی سے عیاں ہوتا ہے۔ مگر قاسمی صاحب اس سے بھی خاموش گزر گئے ہیں!

شیخ ابن خسرو نے اسی طرح پہلے صفحہ (۵۶۸) پر امام صاحب کی ابوعثمان عبداللہ بن عثمان بن خثیم المکی سے مروی روایت مختلف اسانید سے ذکر کی، پھر صفحہ (۹۱۲) میں "عن ابن خثيم المكي" سے وہی روایت مزید دو اسانید سے بیان کی ہے۔

اس طرح پہلے جلد: ۱، صفحہ: ۲۴۵ میں امام صاحب کی أبو صخرة جامع بن شداد المحاربي سے ایک روایت ذکر کی، پھر جلد: ۲، صفحہ: ۹۱۶ میں یہی روایت عن أبي صخرة المحاربي سے دوبارہ ذکر کر دی، بلکہ ساتھ یہ بھی فرمایا:

---

[1] ملاحظہ ہو: لسان (۳/۲۲۷، ۲۲۸)
[2] المناقب (۱/۳٤)
[3] التاريخ (۳/٤۸۰، رقم: ۷۳٤۷)
[4] مسند (۲/۵۰۷)

"أظنه جامع بن شداد"

''میرا خیال ہے کہ وہ جامع بن شداد ہے۔''

گویا وثوق نہیں، کوئی اور بھی ہوسکتا ہے۔

اسی طرح انھوں نے "عن أبي بكر بن فلان" سے امام صاحب کی ایک روایت ذکر کی اور فرمایا:

''وہ یا تو ایوب بن ابی تمیمۃ ہے یا عاصم بن ابی النجود ہے۔''[1]

مگر مسند میں ایوب یا عاصم کی روایات جہاں مذکور ہیں وہاں اس روایت کا ذکر نہیں۔ درست ہے کہ ان دونوں کی کنیت ابوبکر ہے، مگر اس کی جو تعیین انھوں نے کی، محلِ نظر ہے۔ حافظ ابن حجر نے ان سے اتفاق نہیں کیا، بلکہ اسے ابوبکر بن عبداللہ بن ابی جہیم قرار دیا ہے۔[2] واللہ اعلم!

اسی طرح شیخ ابن خسرو نے پہلے ایک روایت امام صاحب کے استاد "عبدالله بن زياد عن أبي نجيح عن عبد الله بن عمر" سے نظر لگ جانے کے بارے میں نقل کی۔[3] پھر یہی روایت اسی سند سے عبیداللہ بن ابی زیاد المکی سے نقل کی۔[4] یہ عبداللہ بن زیاد امام صاحب کا استاد کون ہے؟ نہ علامہ خوارزمی اور نہ ہی شیخ موفق نے اسے امام صاحب کے شیوخ میں ذکر کیا ہے۔

اسی طرح پہلے امام صاحب کا استاد ابو رؤبۃ شداد بن عبدالرحمان ذکر کیا۔[5] پھر وہی روایت ابو رؤبۃ یحییٰ کے عنوان کے تحت بھی ذکر کر دی۔[6] بے خبری اور تساہل کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔

---

[1] مسند (۲/۹۱۷، رقم: ۱۲۵۳)
[2] التعجيل (۲/۴۲۱)
[3] مسند: (۲/۵۳۸، رقم: ۹۲۰)
[4] مسند (۱/۵۷۷، رقم: ۶۸۷)
[5] مسند (۱/۴۷۲)
[6] أيضاً (۲/۸۹۶)

اسی طرح پہلے جلد: ۲، صفحہ: ۹۱۴[1] پر ایک روایت ”عن أبي عبد اللّٰہ“، سے ذکر کی۔ پھر وہی روایت ایک دوسری سند[2] سے میں ”عن أبي عبد اللّٰہ“، سے ذکر کی اور فرمایا:

”أظنہ واقدا“ ”میرا خیال ہے کہ وہ واقد ہے۔“

اسی طرح شیخ ابن خسرو نے پہلے ”عبدالرحمان بن قاسم بن عبداللّٰہ المسعودي عن أبیہ“ سے امام صاحب کی روایت ”لا تقطع الید في أقل من عشرۃ دراھم“ نقل کی۔[3] پھر یہی روایت قاسم بن عبدالرحمان سے ذکر کی۔[4]

أولاً: عرض ہے کہ المسعودی، معروف بہ عبدالرحمان بن عبداللہ بن عتبہ بن عبداللہ مسعودی ہیں، عبدالرحمان بن قاسم، مسعودی معروف نہیں ہیں۔

ثانیاً: یہ دراصل ”قاسم بن عبد الرحمان عن أبیہ“ سے ہے، جیسا کہ کتاب الآثار لمحمد،[5] طبرانی اوسط اور دارقطنی وغیرہ میں ہے۔[6]

قاسم بن عبدالرحمان امام صاحب کے استاد ہیں، نہ کہ عبدالرحمان بن قاسم المسعودی۔ غور فرمائیے! راویوں نے جسے جیسے ذکر کر دیا شیخ ابن خسرو نے اسے امام صاحب کا استاد بنا دیا۔ کیا اس سے ان کے حاطب اللیل اور اس فن میں ان کی ناشناسی کی تائید نہیں ہوتی؟ إعدلوا ھو أقرب للتقویٰ.

مناقب کی بعض روایات:

شیخ ابن خسرو نے امام صاحب کی مسانید ذکر کرنے سے پہلے ان کے مناقب ذکر کیے ہیں۔ مناقب میں بلاشبہ صحت وضعف کا وہ اہتمام نہیں ہوتا جو احادیثِ احکام وسنن

[1] (رقم: ١٢٤٧) [2] (٩١٨/٢، رقم: ١٢٥٦)

[3] مسند (٥٣٤/٢، ٥٣٥، رقم: ٦١٤، ٦١٥) [4] مسند (٧١٨/٢، رقم: ٩١٥)

[5] (رقم: ٦٢٨) [6] نیز دیکھیے: جامع المسانید (٢١٦/٢)

میں ہوتا ہے۔ لیکن مجاہیل اور کذابین کی روایات و حکایات سے مناقب کا اثبات قطعاً درست نہیں۔ افسوس ہے امام صاحب کے حوالے سے اکثر و بیشتر مناقب کی روایات اسی قبیل کی ہیں اور امام صاحب رحمہ اللہ کے مناقب میں لکھی گئی کتب میں انہی روایات کی بھرمار ہے۔ امام صاحب کی عظمت اس قسم کی وضعی روایات سے بالاتر ہے۔

شیخ ابن خسرو نے اس حوالے سے سب سے پہلے خلف بن ایوب کا قول ذکر کیا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے علم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں منتقل ہوا، پھر تابعین میں منتقل ہوا، پھر امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ میں آیا۔ جو چاہے (میری اس بات پر) خوش ہو، جو چاہے ناراض ہو۔[1]

خلف بن ایوب کا یہی قول خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد[2] میں اور دیگر متاخرین نے بھی ذکر کیا ہے۔ حالانکہ سنداً و معناً یہ قول محلِ نظر ہے۔ اس کا راوی محمد بن خلف بن رجا کون ہے اور کیسا ہے، اس کا کوئی اتا پتا نہیں۔ پھر خلف بن ایوب گو صدوق اور بلخ کے فقہائے اہل الرائے میں شمار ہوتے تھے اور مرجئ تھے۔ ارجاء میں ان کے تعصب کا یہ عالم تھا کہ اصحاب السنن سے وہ بغض رکھتے تھے۔[3]

اس لیے وہ اگر امام صاحب کی تعریف میں یہ تاثر دیتے ہیں تو اس میں ان کے اسی فقہی مسلک کا اثر ہے، ورنہ کون نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کو چند اشخاص میں منحصر سمجھنا قطعاً درست نہیں۔ علامہ انور شاہ کشمیری مرحوم نے فرمایا ہے:

”فمن زعم أن الدين كله في الفقه بحيث لا يبقى وراءه شيء، فقد حاد عن الصواب“[4]

”جو یہ سمجھتا ہے کہ سارا دین فقہ میں ہے، اس سے باہر کچھ نہیں، وہ

---

(1) مسند الامام (١٤٤/١) (2) تاریخ بغداد (٣٣٦/١٣)
(3) میزان (٦٥٩/١) (4) فيض الباري (١٠/٢)

راہِ صواب سے ہٹا ہوا ہے۔''

اس لیے خلف بن ایوب کا یہ قول محض غلو پر مبنی ہے۔ اگر جرحِ ساخط ناقابلِ قبول ہے تو مدحِ مُفرِط بھی مردود ہے!

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

"لا نعلم رجلًا جمع السنن فلم يذهب منها عليه شيء"[1]

''ہم کسی شخص کو نہیں جانتے جس نے تمام سنن کو جمع کیا ہو اور سنن میں سے کوئی چیز اس سے رہ نہ گئی ہو!''

امام محمد رحمہ اللہ جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور قاضی ابویوسف رحمہ اللہ کے علم کے امین ہیں، جب وہ امام مالک رحمہ اللہ سے موطأ کا سماع کر کے واپس کوفہ آئے اور امام مالک کی مرویات کا درس دینے لگے تو خود ان کا بیان ہے کہ وہ اہلِ کوفہ سے فرماتے:

''جب میں تمھیں امام مالک کی مرویات بیان کرتا ہوں تو مجلس بھر دیتے ہو اور جب میں تمھیں تمھارے اصحابِ کوفہ سے روایات سناتا ہوں تو تم ناپسندیدگی کے ساتھ میرے پاس آتے ہو!''[2]

ایسا کیوں ہوتا تھا؟ علامہ کوثری فرماتے ہیں:

''یہ اس لیے تھا کہ اہلِ کوفہ کی مرویات سے تو عراق بھرا ہوا تھا، مگر امام مالک رحمہ اللہ کی مرویات کی انھیں تمنا تھی کہ ان کا سماع امام محمد رحمہ اللہ سے کریں۔''[3]

قابلِ غور بات یہ ہے کہ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینِ عظام رحمہم اللہ کا تمام علم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ کے پاس تھا تو اہلِ کوفہ کا امام مالک رحمہ اللہ کی

---

[1] الرسالة (رقم: ١٣٩) [2] تاريخ بغداد (٥٦٢/٢، ٥٦٣)، الكامل (١٨٢/٩)

[3] بلوغ الأماني (ص: ١٦٠)

مرویات کے حصول میں امام محمد بن حسن شیبانی کی مجلس میں حاضری کا اہتمام و اجتماع چہ معنی دارد؟

امام محمد کے ساتھ امام شافعی رحمہ اللہ کا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے مابین علمی تقابل پر جو مذاکرہ ہوا اُس میں امام محمد رحمہ اللہ نے اعتراف کیا ہے کہ قرآن مجید، احادیث اور آثارِ صحابہ کا علم امام مالک کو زیادہ تھا۔[1]

امام عبدالرحمان بن مہدی نے تو فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تو کیا، ان کے استاد حماد کے علم سے بھی زیادہ علم امام مالک رحمہ اللہ رکھتے تھے۔[2] اس لیے خلف بن ایوب کا یہ تبصرہ، مذہبی غلو کا نتیجہ ہے اور حقائق کے بالکل خلاف ہے۔

احمد بن محمد بن صلت:

یہ امام صاحب کے مناقب کا مرکزی راوی ہے۔ سب سے پہلے اسی نے امام صاحب کے مناقب پر کتاب لکھی۔ شیخ ابن خسرو نے امام صاحب کی مرویات سے پہلے ان کے مناقب میں جو چالیس روایات و اَقوال نقل کیے ہیں ان میں سے پندرہ اسی احمد بن محمد بن صلت سے منقول ہیں۔ شیخ الصیمری کی "أخبار أبي حنيفة و أصحابه" میں اور موفق مکی کی "المناقب" میں اسی ابن صلت کے واسطے سے اقوالِ مناقب کی بھر مار ہے۔ یہ مشہور کذاب اور وضاع راوی ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"بعض "حضرات" تدلیس کرتے ہوئے کبھی اس کا نام احمد بن عطیہ اور کبھی احمد بن صلت لیتے ہیں۔"

بلکہ انھوں نے اس کا ترجمہ احمد بن صلت الحمانی، احمد بن عطیہ، احمد بن محمد بن صلت بن مغلس لحمانی اور احمد بن مغلس کے ناموں سے کیا ہے، تاکہ کسی قسم کا اشتباہ نہ رہے۔

امام ابن عدی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

---

[1] تقدمة الجرح و التعديل (ص: ٤) [2] تقدمة الجرح (ص: ١١، ١٢)

”میں نے اسے ۲۹۷ھ میں دیکھا، میرا اندازہ ہے کہ اس کی عمر ۷۰ سال یا اس سے کچھ اوپر ہوگی۔ وہ ثابت الزاہد اور عبدالصمد بن نعمان وغیرہ جیسے قدماء شیوخ سے روایت کرتا جو اُس کی پیدائش سے ایک عرصہ پہلے فوت ہو چکے تھے۔ وہ کاتبوں کے پاس جاتا، ان سے کچھ اوراق لیتا اور ان میں جن کا نام ہوتا ان کے نام سے احادیث بیان کرتا اور اس کی کوئی پروا نہ کرتا کہ وہ کب فوت ہوا ہے، کہیں وہ اس کے پیدا ہونے سے پہلے تو فوت نہیں ہوا۔ ان میں سے، جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے، ثابت بن محمد الزاہد اور عبدالصمد بن نعمان ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ثابت الزاہد ۲۲۰ھ سے کچھ پہلے یا کچھ بعد فوت ہو گئے تھے، عبدالصمد بھی اسی کے قریب فوت ہوئے ہیں۔ یہ حضرات احمد بن محمد بن صلت کے پیدا ہونے سے ایک عرصہ پہلے فوت ہوئے۔“ [1]

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وہ اہلِ عراق پر احادیث وضع کرتا تھا۔ ہمارے زمانے میں وہ بغداد میں تھا۔ میں اس کے پاس گیا تو ایک جزء اس کی مرویات کا لیا، تاکہ اس میں سے بعض کا اس سے سماع کروں۔ میں نے دیکھا کہ وہ ”يحيى بن سليمان بن نضلة عن مالك عن نافع عن ابن عمر“ کی سند سے حدیث بیان کرتا ہے، جس سے میں نے سمجھا کہ یہ حدیث گھڑتا ہے۔ تو میں اس کے پاس نہ گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ابو عبید، اسماعیل بن ابی اویس اور مسدد سے روایت کرتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس نے انھیں نہیں دیکھا۔“ [2]

---

[1] الكامل (۱/۴۵٦)   [1] المجروحين (۱/۱۵۳)

امام ابن قانع نے کہا ہے: "لیس بثقة" امام دارقطنی اور ابن ابی الفوارس رحمہما اللہ فرماتے ہیں: وہ حدیث وضع کرتا تھا۔ امام ابونعیم فرماتے ہیں: وہ ایسے شیوخ سے روایت کرتا ہے جن سے اس کی ملاقات نہیں۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے کہا ہے: وہ امام قعنبی، مسدد، اسماعیل بن ابی اویس اور بشر بن ولید سے وضعی روایتیں بیان کرتا ہے۔ شیوخ سے ملاقات میں جھوٹا ہونے کے ساتھ ساتھ اس نے متون بھی وضع کیے ہیں۔

خطیب بغدادی نے کہا ہے کہ وہ امام ابونعیم فضل بن دُکین وغیرہ سے روایات بیان کرتا ہے جن میں اکثر باطل ہیں جنھیں اس نے وضع کیا ہے۔ اور بشر بن حارث، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی سے خبریں حکایت کرتا ہے جنھیں اس نے مناقب ابی حنیفہ میں جمع کیا ہے۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے کہا ہے: مناقب ابی حنیفہ کی تمام حکایات وضعی ہیں جنھیں احمد بن محمد بن صلت نے وضع کیا ہے۔

علامہ حلبی نے "الكشف الحثيث"، ابن عراق نے "تنزيه الشريعة" اور علامہ محمد طاہر پٹنی نے قانون "الأخبار الموضوعة"[1] میں ذکر کر کے اس کے کذاب اور وضاع ہونے پر گویا مہر ثبت کی ہے۔

ائمہ جرح و تعدیل میں سے کسی ایک امام سے بھی اس کی توثیق و توصیف ثابت نہیں، صرف امام ابن ابی خیثمہ سے منقول ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ اس شیخ (احمد بن صلت) سے احادیث لکھو، وہ ہمارے ساتھ ۷۰ سال سے مجالس میں احادیث لکھ رہا ہے۔

مگر خطیب بغدادی نے یہ ذکر کر کے ساتھ ہی وضاحت کر دی ہے کہ یہ حکایت گھڑی گئی ہے۔ اس میں بہت سے راوی مجہول ہیں۔ احمد بن صلت کا حال ایسا ظاہر باہر ہے کہ اس بارے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں۔[2]

---

[1] الأخبار الموضوعة (ص:١١١، ٢٣٥) [2] تاريخ بغداد (٢٠٩/٤)

احمد بن محمد بن صلت کے ترجمے کے لیے ملاحظہ فرمائیں: المیزان، اللسان، الضعفاء للدارقطني، الضعفاء لأبي نعيم، تاریخ بغداد، وغیرہ۔[1]

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے امام صاحب کی روایت:

اسی احمد بن صلت کے واسطے سے شیخ ابن خسرو نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

''میں نے اپنے والد کے ہمراہ ۹۶ھ میں حج کیا جب کہ میری عمر ۱۶ سال تھی۔ میں نے دیکھا کہ ایک شیخ کے گرد لوگ جمع ہیں۔ میں نے والد صاحب سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ انھوں نے فرمایا: یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی عبداللہ بن حارث بن جزء ہیں۔ میں نے عرض کی کہ ان کے پاس کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: احادیث ہیں جو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہیں۔ میں نے کہا: مجھے آگے لے چلیں، تاکہ میں ان سے حدیث کا سماع کروں، چنانچہ والد صاحب میرے آگے سے لوگوں کو ہٹاتے رہے تاآنکہ میں ان کے قریب ہوگیا۔ میں نے ان سے سنا کہ وہ فرماتے تھے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((من تفقه في دين الله عزوجل كفاه الله همه و رزقه من حيث لا يحتسب))[2]

[1] الميزان (١/١٤٠)، اللسان (١/٢٧٠، ٢٧١)، الضعفاء للدارقطني (ص: ٥٤)، الضعفاء لأبي نعيم (ص: ٦٥)، تاريخ بغداد (٤/٢٠٧) وغيره.

[2] مسند الإمام لابن خسرو (٢/٤٩٨، رقم: ٥٦٢) تاريخ بغداد (٣/٣٢) العلل المتناهية (١/١٢٨، رقم: ١٩٦) تاريخ نيسابور بحواله الميزان (١/١٤١) ذيل الموضوعات للسيوطي، (ص: ١١٠، رقم: ١٥٥) تذكرة الموضوعات مع قانون الموضوعات للفتني، (ص: ٢٣٦) تنزيه الشريعة (١/٢٧١) وغيره

حافظ ذہبی المیزان میں یہی روایت نقل کر کے فرماتے ہیں:

”هذا كذب، فابن جزء مات بمصر و لأبي حنيفة ست سنين“

”یہ جھوٹ ہے۔ عبداللہ بن حارث بن جزء مصر میں فوت ہوئے جب کہ امام ابوحنیفہ کی عمر چھے سات سال تھی۔“

اسی طرح ”سير أعلام النبلاء“ میں حضرت عبداللہ بن حارث کے ترجمے میں فرماتے ہیں:

”جسے علم نہیں اس کا خیال ہے کہ امام ابوحنیفہ ان سے ملے ہیں اور ان سے حدیث کا سماع کیا ہے۔ وہ یہ بات ایک ایسے آدمی سے روایتاً لایا جو متہم بالکذب ہے۔ غالباً امام صاحب نے عبداللہ بن حارث الزبید الکوفی سے سنا ہے جو تابعین میں سے ہیں۔ اس کا تو احتمال ہے، رہے عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ صحابی تو انھیں امام صاحب نے نہیں دیکھا۔ روایت گھڑنے والے کا خیال ہے کہ امام صاحب اپنے والد کے ساتھ سفر پر نکلے اور سات صحابہ کرام سے ملے۔ مگر محفوظ یہ ہے کہ انھوں نے صرف انس بن مالک کو دیکھا ہے جب وہ کوفہ میں آئے۔“[1]

حضرت عبداللہ بن حارث ۸۶ھ میں فوت ہوئے، جیسا کہ المستدرک[2] اور دیگر کتبِ تاریخ وتراجم میں منقول ہے۔ بعض نے ۸۵ھ میں اور بعض نے ۸۷ھ میں ان کی وفات ذکر کی ہے، مگر حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ پہلی بات، یعنی ۸۶ھ میں وفات ہی زیادہ مشہور اور زیادہ درست ہے۔[3] حتیٰ کہ حافظ عراقی نے تخریج الإحیاء[4] میں کہا ہے:

[1] السیر (۳/۳۸۷)
[2] المستدرک (۳/۶۳۳)
[3] السیر
[4] تخریج الإحیاء (۱/۶)

”توفي عبدالله بن الحارث قبل سنة تسعين بلا خلاف“

’’بلا اختلاف عبداللہ بن حارث ۹۰ھ سے پہلے فوت ہوئے۔‘‘

علامہ کردری نے بھی اس اختلاف کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ ۸۵ھ میں یا ۸۶ھ یا ۸۸ھ میں فوت ہوئے۔ یوں امام صاحب کی عمر ۵ سال تھی، جب حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ فوت ہوئے۔ اس لیے ۹۶ھ میں امام صاحب کی ان سے ملاقات نہیں ہوسکتی۔[1] ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ بالاتفاق ۹۰ھ سے پہلے فوت ہو گئے تھے، تو روایت میں جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ۹۶ھ میں ۱۶ سال کی عمر میں ان سے سماع کا ذکر ہے، وہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟

اس اشکال کا حل علامہ الکردری نے المناقب[2] میں حافظ ابوبکر جعابی اور برہان الاسلام ابوحسن علی بن حسین غزنوی سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن حارث ۹۹ھ میں فوت ہوئے۔

أوّلاً: عرض ہے کہ حافظ جعابی ۳۵۵ھ میں فوت ہوئے، جب کہ برہان الاسلام غزنوی ابن خسرو کے شاگرد ہیں جو ۵۵۰ھ میں فوت ہوئے۔ ان دونوں کی آراء امام مصعب بن عبداللہ زبیری (وفات: ۲۳۶ھ) سے کیوں کر راجح ہوسکتی ہیں جو مشہور ماہرِ انساب ہیں! جیسا کہ انھی کے حوالے سے امام حاکم نے نقل کیا ہے۔ اسی طرح امام ابن یونس مصری نے بھی فرمایا ہے کہ حضرت عبداللہ بن حارث ۸۶ھ میں فوت ہوئے۔[3] اہلِ علم جانتے ہیں کہ اہلِ مصر کے بارے میں امام ابن یونس کی رائے مقدم سمجھی جاتی ہے۔[4] اس لیے حافظ جعابی اور شیخ غزنوی کا قول قابلِ التفات نہیں۔

ثانیاً: علامہ موفق نے المناقب[5] میں اس کے برعکس حافظ جعابی کی سند سے

---

[1] تخريج الإحياء (٦/١) [2] المناقب (١٢/١)

[3] تهذيب (١٧٩/٥) [4] التعجيل (٣٧٠/١)، لسان (٣٦٩/١)

[5] المناقب (٢٦/١)

یہی روایت ذکر کرنے کے بعد حافظ جعابی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''حضرت عبداللہ بن حارث ۹۷ھ میں فوت ہوئے۔'' معلوم یوں ہوتا ہے کہ ۹۶ھ میں امام صاحب کی ان سے ملاقات کے تناظر میں حضرت عبداللہ بن حارث کی وفات ۹۷ ذکر کر دی ہے، تا کہ بات بنی رہے، ورنہ متقدمین سے یہ قول کسی سے منقول نہیں۔ حافظ جعابی کی اس قسم کی جسارت کے لیے ملاحظہ ہو: لسان المیزان۔[1]

ثالثاً: خود حافظ جعابی اس قابل نہیں کہ ان پر اعتماد کیا جائے۔ وہ اگرچہ حافظ تھے مگر حافظ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''فاسق رقیق الدین''[2] وہ فاسق تھا، دین میں کمزور تھا۔ المغنی میں فرمایا: ''رقیق الدین تالف''[3] دین میں کمزور ہلاک ہونے والا۔ اس لیے ان کا یہ قول قابلِ اعتماد نہیں، بالخصوص جب کہ کبھی وہ ۹۷ھ کہتے ہیں اور کبھی ۹۹ھ۔[4]

رابعاً: علامہ کردری نے حضرت عبداللہ بن حارث کے سنِ وفات میں ۹۹ھ کا قول ذکر کر کے امام صاحب کی ان کے ساتھ ملاقات اور روایت کی سبیل تو پیدا کر دی، مگر وہ پھر بھی اس سے مطمئن نہیں، چنانچہ ہلال بن ابی العلاء[5] سے بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب نے فرمایا:

> ''مجھے میرے والد صاحب نے اٹھایا اور وہ مجھے عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گئے۔ انھوں نے پوچھا: تم کیا چاہتے ہو؟ والد صاحب نے عرض کیا: میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے بیٹے کو حدیث سنائیں۔ چنانچہ انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، فرماتے تھے:

---

[1] لسان المیزان (٦٢١/٥) [2] المیزان (٦٧٠/٣)

[3] المغني (٦٢٠/٢) [4] لسان (٣٢٢/٥)

[5] شرح مسند الإمام لعلي القاري (ص: ٥٨٦) میں بلال بن ابی العلاء ہے، مگر یہ بھی غلط ہے۔

«إغاثة الملهوف فرض على كل مسلم من تفقه في دين الله......إلخ»

علامہ کردری فرماتے ہیں کہ عادتاً بچہ پانچ سال کے قریب تک ہو تو اسے کندھے پر اٹھایا جاتا ہے، اس لیے زمانے کے اعتبار سے تو یہ صحیح ہے۔ رہی جگہ، یعنی مکہ مکرمہ میں ملاقات کے اعتبار سے بات تو اگر ان کی وفات ۹۰ھ کے بعد ہے تب تو یہ صحیح ہے۔ مگر اس صورت میں کندھے پر اٹھانا عادتاً مشکل ہے، الا یہ کہ فرض کیا جائے کہ ملاقات حرم میں نہیں تھی، اگرچہ ان کی وفات ۸۰ھ میں ہو۔[1]

یہ تو وہی بات ہوئی ؎

عجب مشکل میں پڑا ہے سینے والا چاک داماں کا
جو یہ ٹانکا تو وہ ادھڑا، وہ ادھڑا تو یہ ٹانکا

بلکہ عجیب بات ہے کہ فرمایا گیا ہے:

"إذا فرض الملاقاة في غير الحرم فيصح و إن كان وفاته في الثمانين"

جب ۸۶ھ میں حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی وفات ہے تو حرم سے باہر ۸۰ھ میں پیدا ہونے والے امام صاحب کی ملاقات ان سے کیسے صحیح ہوگئی! ع

اب وہ کرے علاج دوست جس کی سمجھ میں آ سکے

مزید عرض ہے کہ علامہ کردری جس روایت کے حوالے سے یہ سب کچھ فرما رہے ہیں، یہی روایت علامہ موفق نے المناقب[2] میں بالاسناد ذکر کی ہے، مگر وہاں "هلال بن العلاء عن أبيه" اور وہ امام صاحب سے روایت کرتے ہیں۔ غالباً یہی ہلال بن علاء ہی صحیح ہے۔ مگر یہاں دو باتیں قابلِ غور ہیں:

---

[1] المناقب (۱/ ۱۲، ۱۳) [2] المناقب (۱/۳۵)

① .....اس سند سے دراصل ان سات صحابہ کرام سے امام صاحب کے سماع کا ذکرِ خیر ہے: ۱۔ عبداللہ بن حارث ۲۔ عبداللہ بن انیس ۳۔ عبداللہ بن ابی اوفی ۴۔ انس بن مالک ۵۔ جابر بن عبداللہ ۶۔ معقل بن یسار ۷۔ واثلہ بن اسقع۔

② .....ان سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مسموعات ذکر کر کے علامہ موفق مکی نے بالآخر کہا ہے:

"في روايته عن معقل بن يسار كلام، فإنه مات باتفاق الروايات في آخر إمرة معاوية رضي الله عنه و مات معاوية سنة ستين، فكيف يتصور روايته، لأنه ولد سنة ثمانين، و الله أعلم. و قدم الكلام أيضا في جابر بن عبد الله. و لفظه "لقيت" وهم من الراوي .... إلخ" [1]

''امام صاحب کی حضرت معقل بن یسار سے روایت میں کلام ہے کیوں کہ وہ بالاتفاق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخری دورِ امارت میں فوت ہوئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ۶۰ھ میں فوت ہوئے ہیں، لہٰذا اِمام صاحب کی حضرت معقل رضی اللہ عنہ سے کیسے روایت تصور کی جا سکتی ہے جب کہ امام صاحب رحمہ اللہ (ان کی وفات کے ۲۰ سال بعد) ۸۰ھ میں پیدا ہوئے! حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کے بارے میں کلام پہلے گزر چکا ہے۔ دراصل یہاں ''لقیت'' (میں ملا ہوں) کا لفظ راوی کا وہم ہے۔''

یہ پہلے علامہ موفق کا کلام کیا ہے، سو یہ بھی ملاحظہ فرما لیجیے، لکھتے ہیں:

''امام صاحب نے حضرت جابر کو نہیں دیکھا، کیوں کہ وہ بالاتفاق ۷۹ھ

---

[1] المناقب (۱/۳۷)

میں فوت ہوئے اور وہ مدینہ طیبہ میں اصحابِ عقبہ میں سے سب سے آخر میں فوت ہونے والے صحابی ہیں، جب کہ امام صاحب بالاتفاق (ان سے ایک سال بعد) ۸۰ھ میں پیدا ہوئے ہیں، لہٰذا حضرت جابر سے ان کی روایت کیوں کر تصور کی جا سکتی ہے!''[1]

جب اس روایت کی پوزیشن یہ ہے تو اس کی بنیاد پر علامہ کردری کی سخن سازی چہ معنی دارد؟ وہ آخر اس کی عقدہ کشائی کیوں نہیں کرتے کہ حضرت معقل اور حضرت جابر کی روایت میں سماع کی صراحت کس دروغ گو کی کارستانی ہے۔

خامساً: علامہ موفق نے جس سند سے یہ طویل روایت سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے امام صاحب کے سماع کی ذکر کی ہے، اس میں ہلال بن علاء اپنے باپ علاء بن ہلال بن عمر باہلی سے روایت کرتے ہیں۔ علاء بن ہلال پر جو کلام ہے اس کی تفصیل تو تہذیب میں دیکھی جا سکتی ہے، حتیٰ کہ امام نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ہلال بن علاء اپنے باپ سے منکر روایات بیان کرتا ہے، معلوم نہیں یہ غلطی ہلال کی ہے یا اس کے باپ کی۔

امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے بھی اسے منکر الحدیث، ضعیف الحدیث کہا ہے، بلکہ یہ بھی کہا ہے کہ اس کے پاس یزید بن زُریع سے موضوع احادیث منقول ہیں۔ مگر اس سے بھی دل چسپ بات یہ ہے کہ علاء بن ہلال ۱۵۰ھ میں پیدا ہوا ہے، جیسا کہ خود اس کے بیٹے ہلال بن علاء نے کہا ہے۔[2] ہمیں بتلایا جائے کہ ۱۵۰ھ میں پیدا ہونے والے علاء نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے یہ سات صحابہ سے سماع کی داستان کیسے سن لی جب کہ امام صاحب خود ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے ہیں! فاعتبروا یا أولي الأبصار!

اس انقطاع کے علاوہ اس کا راوی ابو مالک نصرویہ البلخی ہے جس کے بارے

---

[1] المناقب (۱/۲۸، ۲۹) [2] تهذيب للمزي (۱۴/۵۰۷)

میں اس کے شاگرد عبداللہ بن محمد الحسکانی کا بیان ہے کہ اس کے پاس غرائب ومناکیر ہیں۔[1] اور یہی وہ روایت ہے جس کا اشارتاً ذکر حافظ ذہبی نے السیر میں کیا ہے اور اسے من گھڑت قرار دیا ہے، جیسا کہ پہلے ہم عرض کر آئے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی وفات ۹۹ھ میں ذکر کرنا بے بنیاد دعویٰ ہے۔

ایک اور سند:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے سماع کی یہ روایت ایک اور سند سے بھی منقول ہے جسے علامہ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں نقل کیا ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں:

''میں نے ۹۳ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کیا جب کہ میری عمر ۱۶ سال تھی۔''[2]

غور فرمایا آپ نے کہ ایک روایت میں فرمایا گیا ہے کہ ''میں نے ۹۶ھ میں حج کیا۔'' اور دوسری میں فرمایا گیا کہ ''میں اپنے والد کے کندھے پر بیٹھا ہوا تھا۔'' ثانی الذکر قول کا تقاضا ہے کہ تب امام صاحب کی عمر ۵۔۸ سال کی تھی، جیسا کہ علامہ کردری نے کہا ہے۔ تیسری روایت میں ہے کہ میں نے سن ۹۳ھ میں حج کیا، تب میری عمر سولہ سال تھی۔ امام صاحب ۸۰ھ میں پیدا ہوئے، ۹۳ھ میں ان کی عمر ۱۳ سال ہوئی نہ کہ ۱۶ سال۔ آخر تینوں روایات میں سے قابلِ اعتبار کون سی روایت ہے؟ ع

لائے ہیں بزمِ ناز سے یار خبر الگ الگ

پہلی دونوں روایات کی سند کی حالت ہم قارئین کرام کی خدمت میں ذکر کر

---

[1] ذیل المیزان (ص: ٤٣٩)، اللسان (١٥٨/٦)

[2] جامع (٢٠٤/١)

آئے ہیں، رہی یہ تیسری روایت تو حافظ ابن عبدالبر نے اسے "أخبرت عنْ أبي يعقوب يوسف بن أحمد الصيدلاني المكي" کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ علامہ ابن عبدالبر اور شیخ یوسف بن احمد صیدلانی (وفات: ۳۸۸ھ) کے مابین یہاں واسطہ ساقط ہے، اس لیے جب اس کی سند متصل نہیں تو یہ قابلِ استدلال بھی نہیں ہے۔

علامہ ابن عبدالبر کے حوالے سے یہی روایت علامہ عبدالقادر نے الجواهر المضية[1] میں نقل کی ہے۔ مگر اس کا راوی عبداللہ بن جعفر ابو علی رازی جو "محمد بن سماعة عن أبي يوسف" سے روایت کرتا ہے، وہ کون ہے اور کیسا ہے؟ صرف علامہ عبدالقادر نے اس کی اسی روایت کی بنا پر اسے حنفی "الامام" بنا دیا۔ سبحان اللہ!

علامہ ابن عراق نے تنزيه الشريعة[2] میں اس کا انتساب خطیب بغدادی کی طرف کر دیا ہے، مگر یہ ان کا وہم ہے۔ خطیب بغدادی نے قطعاً اسے عبداللہ بن جعفر کے واسطے سے نقل نہیں کیا۔

اب اس میں ایک اور اختلاف دیکھیں کہ شیخ موفق مکی نے المناقب[3] میں حافظ جعابی سے نقل کیا ہے:

"حدثني أبو علي عبد الله بن جعفر الرازي من كتاب فيه حديث أبي حنيفة حدثنا أبي عن محمد بن سماعة"

اس میں ۹۳ھ کی بجائے ۹۶ھ میں امام صاحب کے حج پر جانے کا ذکر ہے۔ متن میں اس اختلاف کے علاوہ یہ بھی دیکھیے کہ عبداللہ بن جعفر اور محمد بن سماعہ کے درمیان یہاں جعفر کا واسطہ ہے اور وہ کون ہیں؟

---

[1] الجواهر المضية (۲۷۲/۱)
[2] تنزيه الشريعة (۲۷۱/۱)
[3] المناقب (۲۵/۱)

علامہ مرتضیٰ زبیدی نے شرح احیاء العلوم[1] میں پہلے اسی روایت کو ابن المقرئ اور ابن عبدالبر کے حوالے سے نقل کیا اور فرمایا کہ یہ "أبو علي عبيد الله بن جعفر الرازي عن أبيه عن محمد بن سماعة" کی سند سے ہے۔ لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ جامع بیان العلم اور الجواہر المضیۃ میں یہ ابوعلی عبداللہ بن جعفر ہے۔ لیکن امام ابونعیم نے مسند الإمام ابی حنیفہ میں یہی روایت بہ واسطہ محمد بن عمر بن سلم روایت کی اور وہ اسے عبیداللہ بن جعفر ابوعلی رازی سے روایت کرتے ہیں۔[2]

قابلِ غور بات یہ ہے کہ محمد بن عمر بن سلم، حافظ جعابی ہی تو ہیں؟ اور شیخ موفق نے المناقب میں انہی کے واسطے سے عبداللہ بن جعفر ابوعلی رازی کہا ہے، عبیداللہ بن جعفر نہیں کہا۔

شیخ موفق سے اسی طرح (عبداللہ بن جعفر) علامہ کوثری نے الانتصار و الترجيح للمذهب الصحيح لسبط ابن الجوزي[3] کے حواشی میں اور مولانا عبدالرشید نعمانی نے مقدمہ کتاب التعلیم[4] کے حاشیے میں نقل کیا ہے۔ بلکہ مزید یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حافظ جعابی کے واسطے ہی سے امام ابونعیم نے اسے مسند الامام ابی حنیفہ میں بیان کیا ہے اور اس میں بھی عبداللہ بن جعفر ابوعلی رازی ہے۔ اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ سبط ابن الجوزی نے بھی الانتصار و الترجیح میں اسی طرح نقل کیا ہے۔[5]

اس لیے یہ بات بہر حال غور طلب ہے کہ صحیح عبیداللہ بن جعفر ہے یا عبداللہ بن جعفر؟ شیخ عبدالقادر قرشی نے اسی عبداللہ بن جعفر کے ترجمے میں یہ حدیث ذکر کی ہے۔ اور عبیداللہ بن جعفر کا تو ذکر ہی نہیں کیا!

---

[1] شرح احياء العلوم (۷۸/۱)
[2] مسند الإمام (ص: ۱۷۷، رقم: ۳)
[3] (ص: ۱۲)
[4] (ص: ۵۵، ۵۶)
[5] حاشيه مقدمه كتاب التعليم (ص: ۵۷)

اس کے علاوہ یہاں ایک اور گڑبڑ ہے جس کا ذکر علامہ زبیدی نے کیا ہے، فرماتے ہیں:

”و أما السند الذي ساقه ابن المقرئ هكذا رأيته في أصل شيخنا من مسنده، و بين جعفر و محمد بن سماعة أحمد بن الصلت“[1]

”رہی وہ سند جسے ابن المقرئ نے ذکر کیا ہے، اسے میں نے اپنے شیخ کی اصل میں (مسند ابن المقرئ) سے یوں دیکھا ہے کہ جعفر اور محمد بن سماعہ کے درمیان احمد بن صلت کا واسطہ ہے۔“

لیجیے جناب! نتیجہ کیا نکلا، راوی عبداللہ بن جعفر ہے یا عبیداللہ بن جعفر، اس سے قطع نظر، مزید یہ کہ جعفر اور محمد بن سماعہ کے درمیان احمد بن صلت کذاب کا واسطہ ہے!

مسند ابن خسرو کی ایک اور سند:

اسی طرح شیخ ابن خسرو نے اسی روایت کی ایک اور سند یوں ذکر کی ہے:

”أبوبكر مكرم بن أحمد البغدادي حدثنا محمد بن أحمد بن سماعة حدثنا بشر بن الوليد القاضي، قال: حدثنا أبو يوسف القاضي“[2]

اکثر و بیشتر طرق میں احمد بن صلت اسے محمد بن سماعہ سے اور وہ قاضی ابو یوسف سے روایت کرتے ہیں۔ مگر مکرم بن احمد یہاں محمد بن سماعہ کی بجائے محمد بن احمد بن سماعہ کہتے ہیں، حالانکہ اس نام کا کوئی راوی نہیں۔ پھر وہ محمد بن احمد اور قاضی ابو یوسف کے مابین بشر بن ولید کے واسطے کا اضافہ کرتے ہیں اور احمد بن صلت کا واسطہ ذکر نہیں کرتے۔ مگر صحیح یوں معلوم ہوتا ہے کہ مکرم بن محمد کا استاد محمد بن احمد نہیں محمد بن سماعہ

[1] إتحاف السادة (٧٨/١) [2] مسند (رقم: ٥٦٣)

ہے، چنانچہ مشہور حنفی محدث حافظ قاسم بن قطلو بغا اپنی اُمالی میں فرماتے ہیں:

"هكذا رأيت الطريق الأولى عند كل هؤلاء المصنفين، وعندي هو أنه مكرم عن أحمد بن محمد عن ابن سماعة، و أحمد بن محمد هذا هو ابن الصلت، و يعرف أيضا بالحماني و بابن المغلس، كذاب"[1]

"میں نے پہلی سند اسی طرح تمام مصنّفین کے ہاں پائی ہے، مگر میرے نزدیک یہ یوں ہے: "مكرم عن أحمد بن محمد عن ابن سماعة" اور یہ احمد بن محمد وہی ابن صلت ہے جو "الحمانی" اور "ابن المغلس" سے پہچانا جاتا ہے اور وہ کذاب ہے۔"

اندازہ کیجیے کہ راویوں نے سند میں سے احمد بن محمد بن صلت، ابن المغلس کو چھپانے میں کیا کیا پاپڑ بیلے ہیں؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہی سند لسان المیزان[2] میں نقل کر کے فرمایا ہے:

"و هو باطل أيضا" "یہ بھی باطل ہے۔"

حافظ قاسم بن قطلو بغا کی بات اگر کوئی تسلیم نہ کرے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اس سند کا راوی حسن بن علی دمشقی متہم ہے۔[3]

ایسے راوی سے سند میں دجل کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی سے اس دعوے کی قلعی بھی کھل جاتی ہے جو لیپا پوتی کرنے والوں نے کی کہ احمد بن محمد بن صلت کی متابعت ثابت ہے۔ اور اس کذاب کو یوں سہارا دینے کی جسارت کی ہے کہ اس کا قصور یہ ہے کہ اس نے مناقب ابی حنیفہ پر کتاب لکھی ہے اور یہ ان، (یعنی محدثین)

---

[1] إتحاف السادة المتقين (٧٧/١)

[2] لسان الميزان (٢٧٠/١)

[3] ميزان (٥١٠/١)، لسان (٢٣٦/٢)، تنزيه الشريعة (٥٠/١)

کے نزدیک ناقابلِ معافی جرم ہے۔ نعوذ باللّٰہ من وسواس الشیطان.

گویا احمد بن صلت کو اس جرم کی پاداش میں کذاب قرار دیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ حافظ عبدالباقی بن قانع (وفات: ۳۵۱ھ) جو ابن المغلس کے معاصر ہیں اور بغدادی ہیں اور ان کے ہم مذہب حنفی بھی ہیں، علامہ قرشی نے الجواہر المضیۃ[1] میں انھیں ذکر کیا ہے، بہ ظاہر ناممکن ہے کہ انھوں نے ابن المغلس سے، جو ''عالی'' اسانید سے روایات کرتا تھا، ملاقات کر کے اس کی مسموعات نہ سنی ہوں۔ وہ اس کے ہم مشرب ہونے کے باوجود کہتے ہیں: ''لیس بثقة'' یہ الفاظ مراتبِ جرح کے پانچویں مرتبے میں شمار ہوتے ہیں اور اس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ جس کے بارے میں اس پانچویں مرتبے کی جرح ہو وہ ساقط الاعتبار ہے۔ نہ اس کی حدیث لکھی جائے، نہ ہی اسے اعتباراً و استشہاداً قبول کیا جائے۔[2]

اگر ابن مغلس کا صرف یہ ''جرم'' ہے کہ اس نے امام صاحب کے مناقب جمع کیے ہیں تو حافظِ حنفیہ عبدالباقی بن قانع نے کیوں ''لیس بثقة'' کہا؟ ان کی یہ سخت جرح اس بات کی غماز ہے کہ اس کا سبب کچھ اور ہے۔

ان کے علاوہ اس پر جرح کرنے والے ہیں: امام ابن عدی، امام ابن حبان، امام دارقطنی، امام ابونعیم، امام حاکم، حافظ ابن ابی الفوارس، خطیب بغدادی، حافظ برقانی، حافظ ابن جوزی، حافظ ذہبی، حافظ ابن حجر، حافظ سیوطی، علامہ حلبی، علامہ ابن عبدالہادی[3] اور علامہ ابن عراق رحمہم اللہ نے اسے متروک کذاب اور وضاع قرار دیا ہے۔ ان کے علاوہ علامہ محمد طاہر پٹنی، علامہ زیلعی حنفی[4] اور علامہ زبیدی حنفی نے بھی اس کے کذاب ہونے کا اظہار واعتراف کیا ہے، جیسا کہ پہلے ہم عرض کر آئے ہیں۔

---

[1] الجواهر المضية (۱/۲۹۳) [2] قواعد علوم الحديث (ص: ۲۵۳)

[3] التنقيح (۲/۵۱) [4] نصب الراية (۲/۱۹۱)

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے تو فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ پر مشتمل کتاب تمام تر احمد بن محمد بن صلت کی من گھڑت ہے۔[1] علامہ کوثری اور انھی کی پیروی میں مولانا نعمانی نے دل کا غبار کم کرنے کے لیے فرمایا ہے:

"کتنی روایات ہیں جنھیں امام دارقطنی رحمہ اللہ نے سنن میں الحمانی سے روایت کیا اور ان پر خاموشی اختیار کی ہے۔"[2]

حالانکہ سنن دارقطنی میں امام دارقطنی رحمہ اللہ کا یہ قطعاً اہتمام نہیں کہ وہ اس میں کسی کذاب، وضاع یا متروک سے روایت نہیں لیں گے۔ اس لیے اگر احمد بن محمد بن صلت الحمانی سے انھوں نے روایت لی ہے تو اس پر اعتراض محض دل کا بوجھ کم کرنے کا بہانہ ہے۔ مگر ہمارے تتبع میں تو انھوں نے اس سے کوئی روایت نہیں لی۔

علامہ کوثری کو بھی غالباً علامہ ابن جوزی کی طرح یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ سنن دارقطنی میں امام دارقطنی جو احمد بن محمد بن مغلس سے روایت کرتے ہیں وہ یہی الحمانی کذاب ہے۔ مگر علامہ ابن عبدالہادی نے تنقیح التحقیق[3] میں اور انھی کے حوالے سے علامہ زیلعی نے نصب الرایہ[4] میں وضاحت کر دی ہے کہ ابن جوزی کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ احمد بن محمد بن مغلس، امام دارقطنی رحمہ اللہ کا استاد ثقہ ہے، جب کہ احمد بن محمد بن صلت ابن المغلس الحمانی کذاب و وضاع ہے۔ کہیں اسی قسم کی غلطی کا شکار علامہ کوثری تو نہیں؟

احمد بن محمد بن مغلس، امام دارقطنی رحمہ اللہ کے جو استاد ہیں اور امام صاحب نے سنن (۲/۲۷۷) میں ان سے روایت لی ہے، وہ البزاز ہیں جو ثقہ ہیں۔[5]

---

1. تاریخ بغداد (۴/۲۰۹)، لسان (۱/۲۷۲)
2. حاشیہ مقدمہ کتاب التعلیم (ص: ۵۸)
3. تنقیح التحقیق (۲/۵۱)
4. نصب الرایۃ (۲/۱۹۰)
5. تاریخ بغداد (۵/۱۰۴)

احمد بن محمد بن صلت کا معاملہ وسیع الذیل ہے، مگر یہ ہمارا موضوع نہیں۔ ہم عرض یہ کرنا چاہتے ہیں کہ امام صاحب کے بہت سے مناقب کا راوی یہ ہے جو کذاب ہے اور حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء رضی اللہ عنہ سے امام صاحب کے سماع کی داستان اسی کی من گھڑت ہے۔

احمد بن محمد بن صلت حمانی کی صناعی کا اندازہ کیجیے کہ امام سفیان بن عیینہ نے فرمایا ہے:

''اصحاب الحدیث تین ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے زمانے میں، عامر شعبی رحمہ اللہ اپنے زمانے میں اور سفیان ثوری رحمہ اللہ اپنے زمانے میں۔''

مگر احمد بن صلت نے اس کے برعکس کہا:

''علماء اپنے زمانے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں، پھر عامر شعبی رحمہ اللہ اپنے زمانے میں، پھر ابوحنیفہ رحمہ اللہ اپنے زمانے میں اور سفیان ثوری اپنے زمانے میں۔''

خطیب بغدادی نے یہ قول نقل کر کے فرمایا ہے:

''اس میں احمد حمانی نے امام ابوحنیفہ کا اضافہ اپنی طرف سے کیا ہے۔''[1]

خطیب بغدادی نے پہلا قول ''محمد بن أبي محمد عن سفیان'' کی سند سے نقل کیا ہے، مگر صحیح ''محمد بن أبي عمر'' ہے۔ خطیب بغدادی نے مزید فرمایا ہے کہ محمد بن ابی عمر کی متابعت عبدالرزاق بن ہارون نے کی ہے۔ انھوں نے بھی یہ قول ابن عیینہ سے نقل کیا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ یہ عبدالرزاق بن ہمام ہے اور ان سے یہ قول تاریخ بغداد، حلیة الأولیاء، مسند ابن جعد، تاریخ دمشق، أخبار القضاۃ اور التاریخ الکبیر[2] میں منقول ہے۔ البتہ التاریخ الکبیر للبخاری

---

[1] تاریخ بغداد (٢٠٨/٤)

[2] تاریخ بغداد (٥٤/٩)، حلیة الأولیاء (٣٥٦/٦)، مسند ابن جعد (ص: ٢٦٨، رقم: ١٧٧٣)، تاریخ دمشق (٣٥٣/٢٥)، أخبار القضاۃ (٤٢١/٢)، التاریخ الکبیر (٤٥١/٦)

میں یہ ''ابن عنبسہ'' ہے، مگر صحیح ابن عیینہ ہے۔ یہی قول ابن عیینہ سے بشر بن حارث بھی بیان کرتے ہیں۔[1] اسی بشر بن حارث کی روایت ہی میں احمد حمانی نے امام صاحب کے ذکر کا اضافہ کیا ہے۔[2] خطیب بغدادی نے امام ابن عیینہ کا یہی قول عباس بن ولید کے واسطے سے بھی نقل کیا ہے۔[3]

اس لیے امام ابن عیینہ کا یہی قول معروف ہے، مگر احمد حمانی کی جسارت آپ کے سامنے ہے۔ علامہ کوثری نے اس حوالے سے جو کچھ لکھا ہے اس کی کمزوری علامہ معلّمی نے التنکیل[4] میں واضح کر دی ہے جس کی تفصیل یہاں غیر ضروری ہے۔ ہم نے صرف احمد حمانی کے حوالے سے عرض کرنا ہے کہ وہ وضاع اور کذاب ہے، اس حوالے سے بھی اس کی کذب بیانی عیاں ہو رہی ہے۔

محدث ابن خسرو کی ایک اور گڑ بڑ:

محدث ابن خسرو نے امام صاحب رحمہ اللہ کے مناقب میں ایک یہ روایت بھی ذکر کی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« سيأتي من بعدي رجل يقال له: النعمان بن ثابت و يكنى أبا حنيفة، ليحيين دين الله و سنتي على يديه »[5]

''میرے بعد ایک آدمی آئے گا جسے نعمان بن ثابت کہا جائے گا، کنیت ابو حنیفہ ہو گی، اس کے ہاتھوں اللہ کا دین اور میری سنت زندہ ہو گی۔''

یہ روایت علامہ ابن جوزی نے الموضوعات[6] اور علامہ سیوطی نے اللآلیٔ

---

[1] الكامل لابن عدى (٢٣٤/١)، تاريخ دمشق (٣٥٣/٢٥)

[2] نیز دیکھیے: تقدمة الجرح و التعديل (ص: ١١١)، السير (٣٠٠/٤)

[3] تاريخ بغداد (٢٢٧/٣)

[4] التنكيل (١٩١/١، ١٩٢)

[5] مقدمة المسند (١٤٧/١، رقم: ٣، ٤)

[6] الموضوعات (٤٩/٢)

المصنوعة[1] میں ذکر کی ہے، جیسا کہ شیخ قاسمی نے حاشیے میں ذکر کیا ہے اور اس کا کوئی دفاع نہیں کیا۔ امام صاحب کے مناقب میں یہ روایت علامہ خوارزمی نے جامع المسانید[2] میں اور بعض دیگر حضرات نے بھی ذکر کی ہے۔

ہمیں یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ شیخ ابن خسرو نے اور انھی کی پیروی میں علامہ خوارزمی اور موفق مکی نے المناقب[3] میں فرمایا ہے:

"ذكر الخطيب في تاريخ بغداد أن أحمد بن روح كان صدوقا أديبا حسن المذاكرة مليح المحاضرة"[4]

"خطیب نے تاریخ بغداد میں ذکر کیا ہے کہ احمد بن روح صدوق، ادیب، خوب صورت اور صاف مذاکرہ کرنے والا تھا۔"

احمد بن (عمر بن) روح کے واسطے سے یہی روایت ابن خسرو نے، بلکہ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد[5] میں ذکر کی ہے۔ اب یہ کیا دھاندلی ہے کہ احمد بن روح جو خطیب بغدادی کا استاد ہے، اس کی توثیق تو ذکر کر دی جائے، مگر خطیب نے اس روایت کے بارے میں جو حکم لگایا ہے اسے نظر انداز کر دیا جائے! خطیب فرماتے ہیں:

"هو باطل موضوع، و محمد بن يزيد متروك الحديث، و سليمان بن قيس و أبو المعلى مجهولان، و أبان بن أبي عياش رمي بالكذب"[6]

"یہ روایت باطل، موضوع ہے۔ محمد بن یزید متروک ہے۔ سلیمان بن قیس اور ابو المعلی دونوں مجہول ہیں۔ ابان بن ابی عیاش کو جھوٹ سے متہم کیا گیا ہے۔"

---

[1] اللآلئ المصنوعة (٤٥٨/١)
[2] جامع المسانيد (١٦/١)
[3] المناقب (١٣/١)
[4] مقدمة المسند (١٤٧/١)
[5] تاريخ بغداد (٢٨٩/٢)
[6] تاريخ بغداد (٢٨٩/٢)

بتایئے! کیا اس سے ابن خسرو کے معاصرین نے جو انھیں ''حاطب اللیل'' اور ''لا یعرف شیئا'' کہا ہے، اس کی تائید نہیں ہو رہی؟

ہم یہاں موضوعات از ابن جوزی اور اللآلی کے حوالوں پر ہی اکتفا کر رہے ہیں، ورنہ یہ روایت موضوعات پر لکھی جانے والی اکثر کتابوں کی ''زینت'' ہے۔

زید بن ابی اُنیسہ:

یہ امام صاحب کے شیخ ہیں۔ ابو اُنیسہ کا نام زید ہے اور یہ تہذیب کے راوی ہیں۔ ہم جو بات عرض کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ابن خسرو نے انھی کے ترجمے میں ''زيد بن أبي الوليد عن جابر'' سے بھی تین روایات ذکر کی ہیں۔[1] اور زید بن ابی الولید کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا شاگرد ظاہر کیا گیا ہے۔ مگر ابن خسرو اس کے بارے میں خاموش ہیں۔ علامہ خوارزمی نے جامع المسانید[2] میں اس روایت کو ذکر کیا ہے، مگر ابن خسرو کی تمام اسانید کو اور اس اختلاف کو نظر انداز کر دیا ہے۔

شیخ قاسمی صاحب نے یہاں حاشیے میں امام صاحب کے اساتذہ میں عقود الجمان[3] کے حوالے سے زید بن ابی الولید کا ذکر کیا ہے اور بتلایا ہے کہ درست ''زيد بن أبي أنيسة عن أبي الوليد'' ہے۔ بلاشبہہ یہی درست ہے۔ صحیح مسلم[4] وغیرہ میں اسی سند سے حدیث منقول ہے، مگر سوال یہ ہے کہ ابن خسرو نے جو مسلسل چار اَسانید میں ''زيد بن أبي الوليد'' کا ذکر کیا ہے، کیا یہ ''دل نے جس راہ لگایا اسی راہ چلا'' کا مصداق نہیں؟ جس کی بنیاد پر انھیں عقود الجمان میں امام صاحب کا استاد ظاہر کیا گیا ہے۔ علامہ خوارزمی نے امام صاحب کے اساتذہ میں زید بن ابی اُنیسہ اور زید بن ولید کا تو ذکر کیا ہے، زید بن ابی الولید کا نہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو: (رقم: ٤٦٣، ٤٦٤، ٤٦٥، ٤٦٦)

[2] جامع المسانيد (٢/ ٧٩، ٨٠)

[3] عقود الجمان (ص: ٧٢)

[4] (حديث: ١٥٣٦)

بلکہ مزید تعجب خیز بات یہ ہے کہ ابن خسرو نے محمد بن مظفر کی ہی سند سے اسے ''ابو یوسف عن ابی حنیفہ'' سے روایت کیا تو اس میں بھی یہی ''زید بن ابی الولید'' ہی نام لیا۔ حالانکہ کتاب الآثار لأبي یوسف[1] میں ''زید بن ولید'' ہے۔ اور موفق مکی نے مناقب[2] میں کہا ہے کہ ''ابو یوسف کی روایت میں ''زید بن ولید'' دراصل "زيد بن أبي أنيسة عن أبي الوليد" ہے۔'' اور یہ ''ابو الولید'' مکی ہے، جیسا کہ علامہ مزی نے تہذیب میں زید اور ابو الولید مکی کے ترجمے میں ذکر کیا ہے۔ اس کا نام سعید بن میناء ہے اور وہ عبداللہ بن شداد بن ہاد نہیں، جیسا کہ مولانا ابو الوفا نے کتاب الآثار کے حاشیے میں کہا ہے۔

خالد بن عبدالاعلیٰ:

محدث ابن خسرو نے اسے بھی امام صاحب کے اساتذہ میں شمار کیا ہے اور "خالد عن أبيه عن عمر" سے حضرت عمر کا خطبہ ذکر کیا ہے۔[3] موفق مکی نے مناقب[4] میں کہا ہے:

"زاد ابن خسرو: خالد بن عبدالأعلى"

یعنی امام صاحب کے اساتذہ میں خالد بن عبدالاعلی کا اضافہ ابن خسرو نے کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ یہ مشہور نہیں، ابن خسرو نے اسے عمر بن حسن اشنانی کی سند سے روایت کیا ہے اور وہ ضعیف ہے۔[5]

ابن خسرو ہی نے اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہی خطبہ "عبد الأعلى التيمي عن أبيه عن عمر" کی سند سے ذکر کیا ہے۔[6] کتاب الآثار

---

[1] الآثار لأبي یوسف (ص: ۱۸۹)
[2] المناقب (۱/٤٤)
[3] مسند (۱/٤۲۳، رقم: ٤٤۱)
[4] المناقب (۱/٤۳)
[5] تعجیل (۱/٤۹۳)
[6] مسند (۲/٦۲۲، رقم: ۷٤۲)

للشيباني[1] میں بھی یہ "عبدالأعلى التيمي عن أبيه" ہی سے منقول ہے۔ مگر ابن خسرو نے بلا تامل الاشنانی جیسے باطل روایات بیان کرنے والے کی پیروی میں امام صاحب کا ایک اور استاد اور عبدالاعلیٰ کو حضرت عمر کا تلمیذ بنا دیا!

لگے ہاتھوں عمر بن حسن اشنانی کی ایک اور کارستانی دیکھیے کہ ابن خسرو نے اسی کی سند سے بہ واسطہ "أبو يوسف عن أبي حنيفة عن عبد الأعلى التيمي عن ابن مسعود" ایک حدیث ذکر کی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کو سورۃ النساء سنانے کا ذکر ہے۔ یہی روایت قاضی ابو یوسف نے الآثار[2] میں ذکر کی ہے، مگر اس میں "عبد الأعلى عمن أخبره عن ابن مسعود" ہے۔ مگر غور فرمایا آپ نے کہ یہاں الاشنانی نے عبدالاعلیٰ کو حضرت ابن مسعود کا شاگرد بنا دیا اور محدث ابن خسرو اس کارروائی پر خاموش ہیں!

ہم اس حوالے سے انھی چند باتوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس قسم کے تسامحات اور غفلتوں کی بنا پر ہی تو ابن خسرو کو "حاطب اللیل" اور "لا يعرف شيئا" کہا گیا ہے۔

چند موضوع روایات اور محققِ کتاب کی قابلِ مذمت خاموشی:

مسند الامام کے محقق فضيلة العلامة المحدث المحقق شیخ لطیف الرحمان قاسمی صاحب نے فرمایا ہے:

> "ابن خسرو کو جو حاطب اللیل کہا گیا ہے وہ خلافِ واقعہ ہے۔ میں نے اس کتاب کی احادیث کی تخریج کی ہے، اس میں کوئی روایت نہیں جس کے متابعات وشواہد نہ ہوں۔"[3]

---

[1] كتاب الآثار للشيباني (رقم: ٣٨٨)

[2] الآثار لأبي يوسف (ص: ٤٦، رقم: ٢٣٤)

[3] مقدمه مسند (١/٩٨)

آیئے! اب اسی تناظر میں چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

پہلی موضوع حدیث:

شیخ ابن خسرو نے ایک حدیث ان الفاظ سے ذکر کی ہے:

"من شدد على أمتي في التقاضي إذا كان معسرا شدد الله عليه في قبره"[1]

اس حدیث کے بارے میں علامہ قاسمی بالکل خاموش ہیں۔ یہی روایت استاد حارثی نے مسند الامام[2] میں بھی ذکر کی ہے اور علامہ قاسمی نے وہاں بھی سکوت ہی میں عافیت جانی ہے! جب کہ اس کا راوی ابوجعفر محمد بن قاسم اور اس کا استاد ابو مقاتل حفص بن مسلم دونوں کذاب ہیں۔ حافظ ذہبی نے ابوجعفر محمد کے ترجمے میں اس کی موضوعات کو ذکر کیا ہے جنھیں استاد حارثی نے مسند الامام کی زینت بنایا ہے، ان میں ایک یہ روایت بھی ہے جسے ابن خسرو نے استاد حارثی کی بجائے قاضی عمر بن حسن اشنانی کی سند سے ذکر کیا ہے۔ علامہ سیوطی نے ذیل اللآلیٔ[3] میں اور اسی سے علامہ شوکانی اسے نے الفوائد المجموعة[4] اور علامہ پٹنی نے تذکرة الموضوعات[5] میں ذکر کیا ہے۔

دوسری موضوع حدیث:

شیخ ابن خسرو نے ایک روایت حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے یوں نقل کی ہے:

"إذا كان يوم القيامة قال الله عزوجل لي و لعلي بن أبي طالب: أدخلا الجنة من أحبكما و أدخلا النار من أبغضكما"[6]

---

[1] مسند (٢١٩/١)
[2] مسند الإمام (رقم: ١٣٨٢)
[3] ذيل الآلئ (ص: ٤٦١)
[4] الفوائد المجموعة (ص: ٨٥)
[5] تذكرة الموضوعات (ص: ٦٦)
[6] مسند الإمام (٤٥٨/١، رقم: ٥٠٠)

یہ روایت انھوں نے قاضی عمر اشنانی سے بہ واسطہ "إسحاق بن محمد بن أبان النخعي عن يحيى بن عبدالحميد عن شريك" بیان کی ہے۔ علامہ قاسمی نے حاشیے میں اعتراف کیا ہے کہ علامہ ابن جوزی نے اسے موضوعات[1] میں اور علامہ سیوطی نے "اللآلیٔ"[2] میں اسے موضوع قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کا وضع کرنے والا اسحاق نخعی ہے اور یحییٰ حمانی بھی متہم اور کذاب ہے۔

یہی روایت ابن خسرو نے ایک اور سند سے اسی "إسحاق النخعي قال: حدثنا محمد بن طفيل عن شريك" کی سند سے بھی روایت کی ہے۔[3] یہ محمد بن طفیل الحرانی ہے جو امام وکیع سے روایت کرتا ہے۔ اور وکیع سے اس نے جھوٹی روایت بیان کی ہے، جیسا کہ میزان[4] اور لسان[5] وغیرہ میں ہے۔ یہ روایت بہر حال موضوع ہے جس کا اعتراف قاسمی صاحب کو بھی ہے۔

تیسری موضوع روایت:

محدث ابن خسرو نے ایک روایت بہ واسطہ "يحيى بن عنبسة عن أبي حنيفة" حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ذکر کی ہے جس کے الفاظ ہیں:

"لا يجتمع على مسلم عشر و خراج في الأرض"[6]

یحییٰ بن عنبسہ کو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے "کذاب، دجال، یضع الحدیث" اور ابن حبان رحمہ اللہ نے "دجال، وضاع" قرار دیا ہے۔ امام حاکم اور ابو نعیم رحمہما اللہ نے کہا ہے کہ یہ امام مالک رحمہ اللہ اور ابن ہند سے موضوع روایات بیان کرتا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی اسی روایت کے ساتھ مزید روایات ذکر کر کے کہا کہ یہ سب اس کی بنائی

---

[1] الموضوعات (۱/۴۰۰) [2] ذیل الآلیٔ (۱/۳۸۱)

[3] مسند (۱/۴۵۷، رقم: ۴۹۸) [4] میزان (۳/۵۸)

[5] لسان المیزان (۵/۲۱۱) [6] مسند (۱/۳۶۲، رقم: ۳۲۹)

ہوئی روایات ہیں۔[1]

اور جناب قاسمی صاحب نے حاشیے میں اعتراف کیا ہے کہ علامہ ابن جوزی نے یہ روایت موضوعات میں، علامہ سیوطی نے اللآلی میں اور ابن عراق نے تنزیہ الشریعۃ میں ذکر کی ہے۔ امام ابن عدی نے کہا ہے کہ یہ دراصل ابراہیم النخعی کا قول ہے جسے یحییٰ بن عنبسہ نے مرفوع بنا دیا ہے۔

کذاب کی ایک سند:

شیخ ابن خسرو نے ایک حدیث بہ واسطہ امام شافعی "عن محمد بن الحسن عن أبي يوسف عن أبي حنيفة عن عبد الله بن دينار" حضرت عبداللہ بن عمر کی ایک حدیث ذکر کی ہے جس کے الفاظ ہیں:

"الولاء لحمة كلحمة النسب"

جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ کی یہ روایت ان کی مسند،[2] الأم،[3] میں اور امام شافعی رحمہ اللہ کے واسطے سے مستدرك حاكم،[4] السنن الكبرى للبيهقي[5] اور معرفة السنن[6] میں امام ابوحنیفہ کے واسطے کے بغیر منقول ہے۔ اور اس کا اعتراف قاسمی صاحب نے بھی حاشیے میں کیا ہے، مگر یہ بتلانے کی زحمت انھوں نے نہیں کی کہ امام شافعی کی اس معروف روایت کے برعکس کس کذاب نے اسے امام ابوحنیفہ کی مسند بنا دیا اور آنکھیں بند کر کے شیخ ابن خسرو نے اسے مسند الامام کی زینت بنایا!

ہم عرض کیے دیتے ہیں کہ یہ "ذات شریف" احمد بن محمد بن حجاج بن رِشدین ہے۔ ابن عدی فرماتے ہیں:

---

[1] میزان (٤/٤٠٠)، لسان (٦/٢٧٢)
[2] مسند (رقم: ٢٣٧)
[3] الأم (٤/١٢٥، ٦/١٨٥)
[4] مستدرك حاكم (٤/٣٤١)
[5] السنن الكبرى للبيهقي (١٠/٢٩٢)
[6] معرفة السنن (٧/٥٠٦، ٥٠٧)

”كذبوه و أنكرت عليه أشياء“

”محدثین نے اسے جھوٹا کہا ہے اور اس کی بہت سی احادیث پر نکارت کا حکم لگایا گیا ہے۔“

حافظ ذہبی نے اس کی باطل روایت ذکر کی ہے۔ امام نسائی نے کہا ہے کہ میرے پاس میمون کے بھائی اور دیگر حضرات موجود تھے، یہ ابن رِشدین آیا تو انھوں نے کہا: ”یا کذاب!“ (اے کذاب!) ابن رِشدین نے مجھے کہا: دیکھو، یہ میرے بارے میں کیا کہتے ہیں! میمون کے بھائی نے کہا: کیا احمد بن صالح تمھارے امام نہیں؟ اس نے کہا: بالکل۔ اخو میمون نے کہا: میں نے علی بن سہل سے سنا، فرماتے تھے: میں نے احمد بن صالح سے سنا کہ تُو کذاب ہے۔

علامہ حلبی نے الكشف الحثيث [1] میں اور ابن عراق نے تنزیه الشريعة [2] میں ذکر کر کے اسے ”وضاع“ قرار دیا ہے۔

ابن عدی نے کہا ہے: اس کی حدیث لکھی جائے گی۔ مسلمہ بن قاسم نے کہا ہے: وہ ثقہ تھا۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں: میں نے مصر میں اس سے سماع کیا ہے، مگر اس میں کلام کی وجہ سے میں نے اس کی حدیث بیان نہیں کی۔ [3]

احمد بن محمد کو کذاب نہ بھی کہا جائے تب بھی اس کی ”منکرات“ کی بنا پر امام شافعی کی معروف سند کے برعکس اس کی یہ روایت اس کی منکرات میں شمار ہو گی۔

اس کے استاد علی بن سلیمان الاخمیمی کا بھی کوئی ترجمہ نہیں ملتا۔ ہم اس پر مزید بحث مناسب نہیں سمجھتے، عرض یہ کرنا تھا کہ امام شافعی کی اپنی کتاب میں اور ان کے واسطے سے دیگر کتب میں یہ روایت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے واسطے کے بغیر ہے، مگر

---

[1] الكشف الحثيث (ص: ٨٠) [2] تنزيه الشريعة (٣٢/١)

[3] میزان (١٣٣/١)، لسان (٢٥٧/١)

ابن رِشدین جیسے کذاب اور صاحبِ مناکیر نے درمیان میں ان کا واسطہ ذکر کر دیا اور یوں ابن خسرو نے اسے امام صاحب کی مسند بنا دیا! ان کی اس مسند میں بہت سی روایات اسی حساب سے مسند الامام کی زینت ہیں۔

بشر بن غیاث المریسی:

انتہائی تعجب کی بات ہے کہ ابن خسرو نے بہ واسطہ عمر بن حسن الاشنانی ایک روایت بشر بن غیاث مریسی جیسے زندیق وملحد سے بھی بیان کی ہے، جسے اس نے ''أبو یوسف عن أبي حنیفة عن عطاء عن ابن البیلماني عن أبیه عن علي'' کی سند سے بیان کیا ہے۔ جس کے الفاظ ہیں:

''ارکب ناقتي، ثم امض إلی الیمن... إلخ''[1]

یہ روایت بشر مریسی سے خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد (۵٦/۷) میں اور اسی سند سے امام سہمی نے تاریخ جرجان[2] میں ''أبو حنیفة عن عطاء بن السائب عن أبیه عن علي'' کی سند سے ذکر کی ہے، جیسا کہ شیخ قاسمی نے حاشیے میں ذکر کیا ہے، مگر کیا مجال ہے کہ انھوں نے بتلایا ہو کہ بشر مریسی کیسی ''ذات شریف'' ہے۔ حافظ ذہبی نے فرمایا ہے:

''مبتدع ضال، لا ینبغي أن یروی عنه''

''وہ گمراہ بدعتی ہے، اس سے روایت لینا مناسب نہیں۔''

امام ابو زرعہ نے اسے زندیق، قُتیبہ بن سعید نے ''کافر'' اور یزید بن ہارون نے ''کافر، حلال الدم'' قرار دیا ہے۔ بشر مریسی عذابِ قبر، پل صراط اور وزنِ اعمال کا منکر تھا۔ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس سے بہت برے اقوال منقول ہیں،

[1] مسند الإمام (۵٤۷/۲، رقم: ٦۳۵)

[2] تاریخ جرجان (ص: ۳۸٦، ۳۸۷)

انھی اقوال کی بنا پر اہلِ علم نے اس کے بارے میں سخت رائے دی ہے، اکثر نے اسے کافر کہا ہے۔ امام ازدی فرماتے ہیں: اس کی حدیث نہ لی جائے، ہمارے نزدیک وہ اسلام پر نہیں تھا۔[1]

ایسے زندیق کی روایات کو مسند الامام کی زینت بنانا ابن خسرو ہی کا کمال ہے!

مسند میں بلاشبہہ صحت کا اہتمام نہیں ہوتا، مگر کذاب، وضاع، متروک، زندیق اور مجہول راویوں کی بیان کی ہوئی روایات کو امام صاحب کی مرویات باور کروانا کہاں کا انصاف ہے!

داود بن زبرقان ... عجیب روایت:

ابن خسرو داود بن زبرقان سے روایت کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ سے پوچھا گیا: دو چیزوں کو ملا کر بنی ہوئی نبیذ کا کیا حکم ہے؟ وہ گدّر تازہ کھجور ہو، منقہ ہو اور خشک کھجور ہو؟ انھوں نے فرمایا: حماد، ابراہیم سے بیان کرتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ میں نے کہا: ابراہیم اس کی بھی اجازت دیتے ہیں جیسے: نبیذِ جر (مٹی کے مٹکے میں بنی ہوئے نبیذ) کی اجازت دیتے ہیں؟ امام صاحب نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں۔ داؤد نے کہا: ہم ابراہیم کے قول کو کیا کریں جب کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ امام صاحب نے کہا: میں تمھیں مزید بتلاتا ہوں، مجھے نافع نے حدیث سنائی کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دو کو ملا کر نبیذ تیار کی اور ایسا انھوں نے سینے میں درد کی وجہ سے ایک بار کیا۔[2]

اس کہانی کی کوئی تخریج علامہ قاسمی صاحب نے نہیں کی۔ اس کے بعد انھوں نے ''محمد بن شجاع عن الحسن بن زیاد اللؤلؤی'' کی سند سے بیان کیا ہے کہ امام صاحب نے

---

[1] میزان (۳۲۲/۱)، لسان (۲۹/۲، ۳۰)، تاریخ بغداد (۵٦/۷) وغیرہ۔

[2] مسند الإمام (۸۲٦/۲، ح: ۱۰۹۳)

نافع سے بیان کیا کہ وہ ابن عمر کے لیے منقے اور کھجور کی نبیذ بناتے اور وہ نوش فرماتے۔

دو روایات بعد پھر انھوں نے "داود بن الزبرقان عن أبي حنيفة عن نافع" سے ابن عمر کا یہ اثر ذکر کیا کہ کھجور اور منقے کو ملا کر نبیذ تیار کرنے میں کوئی حرج نہیں، اس کی کراہت شدتِ زمان کی بنا پر ہے۔[1]

ان روایات کی اسنادی پوزیشن کسی طالبِ علم سے مخفی نہیں۔ محمد بن شجاع ثلجی اور حسن بن زیاد لؤلؤی دونوں کذاب و متروک ہیں، جیسا کہ آئندہ ہم عرض کریں گے۔ داود بن زبرقان کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا فیصلہ ہے:

"متروك و كذبه الأزدي"[2]

"وہ متروک ہے اور ازدی نے اسے جھوٹا کہا ہے۔"

امام ابن معین رحمہ اللہ نے "ليس بشيء" کہا ہے۔ ابن مدینی رحمہ اللہ نے اس سے کچھ روایات لکھ کر انھیں پھینک دیا، وہ اس کی بہت تضعیف کرتے تھے۔ جوزجانی رحمہ اللہ نے "کذاب"، یعقوب بن شیبہ، ابو زرعہ اور ازدی رحمہم اللہ نے "متروک" کہا ہے۔ امام ابو داود رحمہ اللہ نے "ضعيف، ليس بشيء، ترك حديثه" اور امام نسائی نے "ليس بثقة" کہا ہے۔ یعقوب بن سفیان، ابن خراش، ساجی، عجلی رحمہم اللہ نے "ضعيف الحديث" اور بزار نے "منكر الحديث جداً" کہا ہے۔ ابن حبان نے فرمایا ہے: جب ثقات کی موافقت کرے تو صدوق ہے، اگر منفرد ہو تو قابلِ احتجاج نہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں: امام بخاری نے اسے "مقارب الحدیث" کہا ہے اور وہ من جملہ ان ضعفاء میں سے ہے جن کی حدیث لکھی جائے گی، اس کی اکثر روایات میں کسی نے اس کی متابعت نہیں کی۔[3]

---

[1] مسند الإمام (٨٢٨/٢)، ح: ١٠٩٧)

[2] تقريب (ص: ٩٦)　　[3] تهذيب (١٨٥/٣)

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ داود بن زبرقان سخت ضعیف ہے۔ امام ابن عدی، امام بخاری اور امام ابن حبان رحمہم اللہ کے کلام سے اگر اس کی کچھ حیثیت ہے بھی تو تب بھی وہ اس درجے میں نہیں کہ اس کی روایت سے استدلال کیا جائے۔ امام ابوزرعہ نے تو فرمایا ہے کہ اس کی حدیث لکھی ہی نہ جائے۔ امام نسائی، ابن معین، یعقوب بن شیبہ اور جوزجانی رحمہم اللہ کے اقوال سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

قاسمی صاحب نے داود بن زبرقان کے بارے میں تو چپ سادھ لی، البتہ حاشیے میں مصنف عبدالرزاق اور صحیح مسلم سے بہ واسطہ ''موسی بن عقبۃ عن نافع'' سے ذکر کیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے:

''قد نهى أن ينتبذ البسر و الرطب جميعا و التمر و الزبيب جميعا''

''بے شک منع کیا گیا ہے کہ گدّر اور رطب کو ملا کر، خشک کھجور اور منقے کو ملا کر نبیذ بنائی جائے۔''

دو کو ملا کر نبیذ بنانے کی یہ روایت ابو عوانہ میں بھی ہے، جیسا کہ إتحاف المھرۃ[1] میں ہے۔ اب خشک کھجور اور منقے کو ملا کر یا گدّر یا تازہ کھجور اور منقے کو ملا کر نبیذ بنانے کی ممانعت کی اس صحیح حدیث کے مقابلے میں داود بن زبرقان یا حسن اللؤلؤی نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اس کے جواز کا جو قول ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، اس کی حیثیت ہی کیا رہ جاتی ہے! یہ روایت داود بن زبرقان کی روایت کی مؤید ہے یا مخالف؟ شیخ قاسمی تو مسند کی ہر روایت کے شواہد بتلاتے ہیں، اس کا شاہد و مؤید کہاں ہے؟

نافع کے علاوہ مجاہد بھی ابن عمر سے نقل کرتے ہیں کہ ان سے ''فضیخ'' کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے پوچھا: یہ ''فضیخ'' کیا ہے؟ عرض کیا گیا: تازہ اور

---

[1] إتحاف المهرة (٩/٣٤١)

خشک کھجور کو ملا کر جو نبیذ بنائی جائے اسے ”فضیخ“ کہتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: شراب حرام کی گئی ہے۔[1]

اس سے بھی حضرت ابن عمر کے اس موقف کی تائید ہوتی ہے جسے امام عبدالرزاق، امام مسلم اور امام ابوعوانہ نے نافع سے بیان کیا ہے۔ اسی لیے داود ہو یا حسن اللؤلؤی، اسے ”كان ينبذ لابن عمر“ کے الفاظ بول کر ایسی نبیذ بنانے اور پینے کا معمول ذکر کرتے ہیں۔ سبحانك هذا بهتان عظيم!

حفص بن سلم اور علامہ قاسمی:

ابن خسرو نے ایک روایت حفص بن سلم سے بہ واسطہ ”أبو حنيفة عن ليث عن مجاهد“ ابن عباس سے ذکر کی ہے کہ جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک تحفہ بھیجا ہے۔ پوچھا: جبرئیل! وہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا: یہ دعا: ”يا من أظهر الجميل... إلخ“[2]

علامہ قاسمی صاحب کی کارروائی دیکھیے کہ اس روایت کی تخریج میں فرماتے ہیں:

”اسے امام عقیلی نے الضعفاء میں زہدم بن حارث کے ترجمے میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اسے صرف زہدم نے روایت کیا ہے اور علامہ ذہبی نے کہا ہے: زہدم متکلم فیہ ہے۔ (میزان: ۱۱۲/۲) نیز اسے امام حاکم نے مستدرک (۶۴۴/۱) میں ”عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده“ سے روایت کیا ہے اور اسے ”صحيح الإسناد“ قرار دیا ہے، جب کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے احمد بن محمد بن داود کے ترجمے میں امام حاکم رحمہ اللہ کی تردید کی ہے اور کہا ہے: میں اس میں احمد بن داود کو متہم سمجھتا ہوں۔“[3]

---

[1] الأشربة للإمام أحمد (رقم: ۱۳۸، ۱۴۰، ۲۰۰)

[2] مسند (۷۳۴/۲، رقم: ۹۴۱)

[3] میزان (۱۳۶/۱، رقم: ۵۴۷)، ملخصًا

یہ احمد بن داود، ابن اخت عبدالرزاق ہے اور وہ کذاب ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لسان المیزان[1] میں اس کا مفصل ترجمہ ذکر کیا ہے۔ اس کذاب کی پردہ پوشی کے لیے بعض اسے احمد بن عبداللہ اور بعض عبدالرحمان بن محمد کہہ دیتے ہیں، جیسا کہ لسان[2] میں ہے۔

قابلِ غور بات تو یہ ہے کہ یہ دونوں روایتیں تو محض کذب پر مبنی ہیں اور ان کے راویوں کی حقیقت بھی شیخ قاسمی صاحب نے بیان فرما دی ہے۔ مگر یہ کیا بے انصافی ہے کہ مسند ابی حنیفہ میں اس روایت کی سند پر بالکل خاموشی اختیار کر لی گئی ہے، حالانکہ اس کی سند میں بھی تو ابو مقاتل حفص بن سلم ہے جسے امام قتیبہ نے سخت ضعیف قرار دیا ہے۔ امام عبدالرحمان رحمہ اللہ بن مہدی اور امام وکیع رحمہ اللہ نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے۔ حافظ سلیمانی رحمہ اللہ نے کہا ہے: اس کا شمار وضاعین میں ہوتا ہے۔ حاکم کہتے ہیں: وہ موضوع احادیث بیان کرتا ہے۔ ابونعیم اور ابوسعید نقاش رحمہما اللہ نے اسے صاحبِ مناکیر کہا ہے۔ امام عبدالرحمان بن مہدی نے رحمہ اللہ یہ بھی کہا ہے کہ اللہ کی قسم! اس سے روایت حلال نہیں۔

ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ وہ مناکیر روایت کرتا ہے جن کی کوئی اصل نہیں۔ جوزجانی نے کہا ہے: اچھے کلام کے لیے مسند بنا لیتا تھا۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ وغیرہ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ وہ عون بن ابی شداد سے حضرت لقمان رحمہ اللہ کی وصیتیں بیان کرتا تھا۔ اسے کہا گیا کہ تم نے عون سے کچھ نہیں سنا، اس لیے عون کے نام سے ”حدثنا عون“ کہہ کر یہ روایت نہ کریں۔ تو اس نے کہا: یہ بہت اچھی باتیں ہیں۔[3]

---

[1] لسان المیزان (۱/۱۹۷)　　[2] لسان (۱/۱۹۷)

[3] میزان (۱/۵۵۷)، لسان المیزان (۲/۳۲۲، ۳۲۳)، تہذیب (۲/۳۹۷)، المجروحین (۱/۲۵۶) وغیرها من الکتب.

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس کی کئی موضوع روایات "ذيل اللآلئ المصنوعة" میں ذکر کی ہیں۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"أبو مقاتل حفص بن سلم السمرقندي كذبه ابن مهدي وغيره، و قال السليماني في عدد من يضع الحديث، و قال أبو إسحاق الجوزجاني: حدثت أن أبا مقاتل كان ينشئ للكلام الحسن إسنادا"[1]

علامہ ابن عراق رحمہ اللہ نے تنزيه الشريعة (۵٤/۱) میں اور علامہ برہان الدین حلبی نے اسے الكشف الحثيث[2] میں ذکر کر کے اسے وضاعین میں شمار کیا ہے۔ مسند ابی حنیفہ میں اس کذاب و وضاع سے خاموشی اور دوسری کتب میں منقول اسی روایت کے متہم اور کذاب راویوں پر کلام جناب قاسمی صاحب کے علم و فضل کا کمال بھی ہے اور ان کی مجبوری بھی، تا کہ بادی النظر میں "مسند أبي حنيفة" کو ایسے کذاب راوی کے دھبے سے بچایا جا سکے۔

احمد بن عبداللہ الکندی اور شیخ قاسمی:

ابن خسرو نے ایک روایت دو مختلف سندوں سے بہ واسطہ "أحمد بن عبدالله الكندي عن علي بن معبد حدثنا محمد بن الحسن عن أبي حنيفة عن الهيثم عن عكرمة عن ابن عباس" نقل کی ہے جس کے الفاظ ہیں:

"رخص رسول الله ﷺ في ثمن كلب الصيد"[3]

اس روایت کا مرکزی راوی احمد بن عبداللہ الکندی ہے جس کا لقب

[1] ذيل اللآلئ (رقم: ۹۳) نیز دیکھیے: رقم: ۱۸۳، ۹٦۱، ۸۷۲-۸۸۰.

[2] الكشف الحثيث (ص:۱۵۳)

[3] مسند (۸۵٦/۲، ۸۸۰، رقم: ۱۱٤۲، ۱۱۹۰)

"اللجلاج" ہے۔ اس کے بارے میں امام ابن عدی نے کہا ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ کے لیے مناکیر روایت کرتا ہے۔ انھی میں ایک مذکورہ بالا روایت بھی انھوں نے ذکر کی ہے اور بالآخر فرمایا ہے:

''یہ احادیث امام ابوحنیفہ کی سند سے صرف احمد بن عبداللہ بیان کرتا ہے اور اس قسم کی بہت سی روایات اس نے بیان کی ہیں جو باطل ہیں۔''[1]

امام ابو زرعہ رحمہ اللہ نے اس کو برا شخص قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب پر تھا۔[2] امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔[3] علامہ ابن عراق اور علامہ ابن طاہر رحمہما اللہ نے اسے وضاعین و کذابین میں شمار کیا ہے۔[4] حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اسے صاحبِ مناکیر کہا ہے۔[5]

حافظ عبدالحق نے اس حدیث کو باطل کہا ہے، نیز فرمایا ہے کہ اللجلاج امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی احادیث بیان کرتا ہے جو باطل ہیں۔[6]

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اسے ذیل الموضوعات[7] میں، علامہ ابن عراق نے تنزیہ الشریعہ[8] میں، علامہ ابن طاہر پٹنی نے تذکرۃ الموضوعات[9] میں اور علامہ شوکانی نے الفوائد المجموعۃ[10] میں ذکر کیا ہے، جس سے اللجلاج کی روایات، بالخصوص اس روایت کی پوزیشن سمجھی جا سکتی ہے۔ مگر علامہ قاسمی صاحب فرماتے ہیں:

''ابن عدی رحمہ اللہ نے الکندی کی وجہ سے اسے ضعیف کہا ہے اور علامہ

---

[1] الکامل (۱/۴٤۵، ٤٤٧) [2] الضعفاء لأبي زرعة (۲/۷۲۲)

[3] لسان (۱/۱۹۹) [4] تنزیه الشریعة (۱/۲۸)، قانون الموضوعات (ص: ۲۳٦)

[5] المغني (۱/٤٤)، میزان (۱/۲۰۰)، دیوان الضعفاء (ص: ٦)، نیز دیکھیے: کشف الاستار (ص: ۳)

[6] الأحکام الواسطي (۳/۲٤۹) [7] ذیل الموضوعات (رقم: ٦۰۵)

[8] تنزیه الشریعة (۱/۱۹٦) [9] تذکرة الموضوعات (ص: ۱۳٦)

[10] الفوائد المجوعة (ص: ۱٤۸)

زیلعی نے فرمایا ہے: یہ سند جید ہے۔ (نصب الرایۃ: ۱/۵٤)۔"[1]

افسوس ہے کہ قاسمی صاحب نے اولاً تو امام ابن عدی رحمہ اللہ کا کلام نقل کرنے میں انصاف نہیں کیا، جب کہ انھوں نے تو اسے ''باطل'' کہا ہے۔ ضعیف اور باطل کے درمیان فرق واضح ہے۔ باطل روایت موضوع ہوتی ہے، مگر ہر ضعیف باطل نہیں ہوتی۔ الکندی کی باطل روایات میں "لا یجوز للمعتوہ طلاق و لا بیع" کے الفاظ سے بھی ایک روایت ہے جو مسند الامام کی زینت ہے۔[2] اور قاسمی صاحب نے وہاں اعتراف کیا ہے کہ ابن عدی نے اس کی احادیث کو باطل کہا ہے۔[3]

ثانیاً: علامہ زیلعی رحمہ اللہ کا کلام نقل کرنے میں بھی انھوں نے دیانت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ علامہ زیلعی رحمہ اللہ نے امام صاحب رحمہ اللہ سے اوپر کی سند نقل کر کے تو فرمایا ہے کہ یہ سند جید ہے اور ہیثم کو ابن حبان نے ثقات میں اثبات التابعین میں ذکر کیا ہے۔ مگر اس کے بعد الکامل لابن عدی سے اس کی مکمل سند نقل کر کے جو اِسے معلول قرار دیا ہے اور ابن قطان سے جو نقل کیا ہے کہ ''الکندی امام صاحب کی احادیث بہ کثرت بیان کرتا ہے جو منکر ہیں اور اس کی عدالت ثابت نہیں۔'' اس پورے کلام کو موصوف نے پتا نہیں کیوں نقل نہیں کیا! إنا للّٰه و إنا إلیه راجعون.

ایک ضروری وضاحت:

علامہ خوارزمی نے جامع المسانید[4] میں یہی روایت الکندی کے واسطے سے بہ حوالہ مسند حارثی، ابن مظفر، حافظ طلحہ اور ابن خسرو سے نقل کی ہے اور آخر میں ابن خسرو ہی سے اسے "أبو الفضل بن خیرون عن أبي علي بن شاذان عن

[1] حاشیہ مسند (۲/۸۵۵) [2] ملاحظہ ہو: (رقم: ٦٦٤، ۱۰٤۲)

[3] مسند (۲/٥٦٤، ٥٦٥)، نیز دیکھیے: حاشیہ مسند (۲/۵۱۳)

[4] جامع المسانید (۲/۱۰، ۱۱، ۲۵)

القاضي أبي نصر بن إشكاب عن عبد اللّٰه بن طاهر عن إسماعيل بن توبة عن محمد بن الحسن عن أبي حنيفة“ کی سند سے نقل کیا ہے اور غالبًا اسی سے علامہ زبیدی نے اسے عقود الجواهر المنيفة[1] میں نقل کر کے کہا ہے: ”هذا سند لا بأس به“

مگر امرِ واقع اس سے بالکل مختلف ہے۔ مسند ابن خسرو[2] میں یہ روایت اس سند سے قطعاً نہیں، بلکہ یہ سند مذکورۃ الصدر روایت ”رخص في ثمن كلب الصيد“ کے بعد حضرت انس بن مالک کی روایت سے متعلق ہے۔ علامہ خوارزمی کی نظر پہلی روایت کی سند نقل کرنے کے بعد اس روایت کی سند پر پڑی اور اسے اوپر کے متن کے ساتھ نقل کر دیا۔ یہ تسامح صرف نظر کے عدمِ انعکاس کا کرشمہ ہے اور انہی پر اعتماد کر کے علامہ زبیدی نے اسے نقل کیا اور اس کی سند کو ”لا بأس به“ کہہ دیا!

حالانکہ اس کی سند بھی محلِ نظر ہے۔ یہ عبداللہ بن طاہر، القزويني ہیں جو اسماعیل بن توبہ القزويني کے شاگرد ہیں۔ ان کا ترجمہ سوائے اخبار قزوین[3] کے اور کہیں نظر نہیں آیا اور مصنفِ کتاب علامہ عبدالکریم القزوینی نے بھی صرف اتنی بات ذکر کی ہے کہ ”وہ مقاتل بن سلیمان کی تفسیر کا راوی ہے۔“ کوئی کلمۂ توثیق وتوصیف ذکر نہیں کیا۔

اگر واقعی اسی سند سے مسند لابن خسرو میں یہ روایت ہوتی تو مولانا قاسمی احمد بن عبداللہ الکندی کی تضعیف نقل کر کے اس کے شواہد کا سہارا نہ لیتے، بلکہ صاف فرماتے کہ ابن خسرو کے ہاں یہ احمد الکندی کے بغیر بھی مروی ہے۔

یہاں اس روایت کے شواہد ومؤیدات سے بحث مقصود نہیں کہ یہ ہمارا موضوع

---

[1] عقود الجواهر المنفية (٣٧/٢) [2] مسند ابن خسرو (٨٨٠/٢)

[3] اخبار قزوين (٢٣٠/٣)

نہیں، ہمیں صرف اتنی بات عرض کرنی ہے کہ مسند لابن خسرو میں یہ احمد الکندی سے مروی ہے اور بہت سے اہلِ علم نے اسے باطل و موضوع قرار دیا ہے اور کہا گیا ہے کہ الکندی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نام سے روایات وضع کیا کرتا تھا۔ اس کے شواہد کے تناظر سے یہ لازم تو نہیں آتا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ مسند الامام لابن خسرو میں احمد الکندی کی دو درجن سے زیادہ روایات ہیں۔

ضحاک بن حجوۃ اور شیخ قاسمی:

شیخ ابن خسرو نے ایک روایت "ضحاك بن حجوة عن أبي حنيفة" کی سند سے بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹوپی شامی تھی۔[1] شیخ قاسمی صاحب نے اس کی تخریج میں فرمایا ہے:

''امام ابوالشیخ اصفہانی نے "أخلاق النبي صلی اللہ علیہ وسلم" (رقم: ۳۱۳) میں اسے "الضحاك عن عبدالله بن واقد عن أبي حنيفة" سے بیان کیا ہے اور ضحاک ضعیف ہے۔''

عرض ہے کہ ضحاک بن حجوۃ ضعیف ہی نہیں بلکہ وضاع ہے، جیسا کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کی تمام روایات سنداً یا متناً منکر ہیں۔[2] علامہ ابن عراق نے تنزیہ الشریعہ[3] اور علامہ حلبی نے الکشف الحثیث[4] میں ذکر کر کے اس کے وضاع ہونے کا اشارہ کیا ہے۔ امام ابن عدی نے الکامل[5] میں اس کی مناکیر ذکر کی ہیں۔ اسی نے یہ روایت بھی بیان کی ہے: "أكرموا العلماء، فإنهم ورثة الأنبياء... إلخ" علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے کہا: یہ اس کے

[1] مسند (۲/۵۳۰، رقم: ٦١٠)
[2] میزان (۲/۳۲۳، لسان (۳/۲۰۰)
[3] تنزیه الشریعة (۱/٦۹)
[4] الکشف الحثیث (ص: ۲۱۳)
[5] الکامل (٦/۳۰۵)

مصائب میں سے ہے۔ علامہ سیوطی نے اسے ذیل اللآلیٔ [1] میں ذکر کیا ہے۔

ایسے وضاع کو صرف ضعیف قرار دینا اور پھر اس کے شواہد کی زحمت کرنا قاسمی صاحب کے کمالِ علم ہی کا نتیجہ ہے۔

صالح بن محمد ترمذی:

شیخ ابن خسرو کی مسند کا ایک مرکزی راوی صالح بن محمد ترمذی ہے جس کی انھوں نے دو درجن کے قریب روایات ذکر کی ہیں۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "متهم، ساقط" امام ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا ہے: "دجال من الدجاجلة" (دجالوں میں سے ایک دجال ہے)۔ وہ شراب فروخت کرتا اور پیتا تھا۔ حافظ سلیمانی نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔ امام حمیدی رحمہ اللہ مکہ مکرمہ میں اس کے خلاف دعائے قنوت پڑھتے تھے۔ امام اسحاق رحمہ اللہ کے سامنے اس کا ذکر ہوا تو وہ صالح کی جرائتوں پر آبدیدہ ہو گئے۔ [2]

علامہ ابن عراق رحمہ اللہ نے تنزیہ الشریعہ [3] میں اور علامہ حلبی نے الکشف الحثیث [4] میں ذکر کر کے اس کے وضاع ہونے کا اشارہ کیا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی ایک موضوع روایت ذکر کی ہے جسے علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے بھی اللآلیٔ المصنوعة [5] میں ذکر کیا ہے۔ تعجب ہے کہ علامہ قاسمی صاحب اسی صالح کے تعارف میں فرماتے ہیں:

"راجع له السير (١١/٥٣٩)" [6]

یوں وہ اپنے ناخواندہ حواریوں کو مطمئن کرنے کی کوشش میں ہیں کہ اس کا

---

[1] ذیل اللآلیٔ (رقم: ١٧٨) [2] میزان (٢/٣٠٠)، لسان (٣/١٧٦)

[3] تنزیه الشریعة (١/٦٨) [4] الکشف الحثیث (ص: ٢٠٨)

[5] اللآلیٔ المصنوعة (٢/٢٤٩) [6] مسند (١/١٧٧)

''ذکرِ خیر'' تو سیر أعلام النبلاء میں ہے۔ مگر یہ نہیں بتلاتے کہ اس میں کیا لکھا ہے اور نہ ہی یہ اشارہ کرنے کی زحمت فرماتے ہیں کہ اس کا ترجمہ تو میزان اور لسان اور دیگر کتبِ ضعفاء میں ہے۔ السیر میں ہے کہ وہ شراب فروخت کرتا تھا اور امام اسحاق رحمہ اللہ اس کی جرأت پر آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ بتلایئے السیر کا ادھورا حوالہ دے کر بھی انھوں نے کیا کمایا؟!

اس دجال اور وضاع کی بھی دو درجن کے قریب روایات مسند الامام کی زینت ہیں۔ ماشاء اللہ!

حسن بن زیاد اور مسند الامام:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تلامذہ میں ایک حسن بن زیاد لؤلؤی ہیں۔ انھوں نے بھی امام صاحب کی مسند جمع کی ہے۔ علامہ خوارزمی نے جامع المسانید میں جن مسانید کو جمع کیا ہے ان میں ایک مسند ان کی بھی ہے۔ حسن لؤلؤی سے یہ مسند ان کے تلمیذ محمد بن شجاع بلخی روایت کرتے ہیں، جیسا کہ علامہ خوارزمی نے جامع المسانید[1] میں ذکر کیا ہے۔ شیخ ابن خسرو نے بھی اسی سند سے مسند میں بہ کثرت روایات نقل کی ہیں، بلکہ کہنا چاہیے کہ حسن لؤلؤی کی مکمل سند مسند الامام لابن خسرو میں بھی شامل ہے جس میں کم وبیش دوسو پینتیس (۲۳۵) روایات ہیں، جس سے اس کی قلعی بھی کھل جاتی ہے:

> ''حسن بن زیاد نے امام صاحب کی احادیث کی تعداد چار ہزار بیان کی ہے؛ دو ہزار حماد سے اور دو ہزار باقی مشائخ سے۔''[2]

حسن بن زیاد اس قابل نہیں کہ ان کا اعتبار کیا جائے۔ وہ بلاشبہہ فقیہ تھے، مگر روایتِ حدیث میں ان کا کوئی مرتبہ نہیں، حتیٰ کہ امام یعقوب، عقیلی اور ساجی رحمہم اللہ نے اسے کذاب کہا ہے۔ امام ابوداود نے اسے کذاب غیر ثقة کہا ہے۔ امام ابو حاتم اور

---

[1] جامع المسانید (۷۳/۱) [2] ابن ماجہ اور علمِ حدیث (ص: ۱۷۵)

امام نسائی رحمہ اللہ نے کہا ہے: ”لیس بثقة و لا مأمون“ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ضعیف، متروک اور امام صالح جزرہ نے ”لیس بشيء“ کہا ہے۔ امام ابن معین رحمہ اللہ نے، جنھیں پکا حنفی باور کرایا جاتا ہے، بھی اسے کذاب کہا ہے۔

یہی حسن لؤلؤی کہتا تھا کہ میں نے ابن جریج سے بارہ ہزار احادیث ایسی لکھی ہیں فقہاء جن کے محتاج ہیں۔ مگر اس کے اس دعوے کی حقیقت امام محمد بن عبداللہ بن نمیر کے قول سے معلوم ہو جاتی ہے، چنانچہ انھوں نے فرمایا ہے: ”وہ ابن جریج کے نام پر جھوٹ بولتا ہے۔“ امام ابوثور فرماتے ہیں: میں نے اس سے بڑا جھوٹا کوئی نہیں دیکھا، اس کی زبان پر ”ابن جریج عن عطاء“ ہوتا ہے۔[1]

علامہ طاہر پٹنی رحمہ اللہ نے قانون الموضوعات[2] میں اور علامہ ابن عراق رحمہ اللہ نے تنزیہ الشریعہ[3] میں ذکر کر کے اس کا وضاع اور کذاب ہونا بیان کیا ہے۔ علامہ سیوطی نے ذیل الموضوعات[4] میں اس کی گھڑی ہوئی روایات کا ذکر کیا ہے اور ان پر وہ جرح نقل کی ہے جسے اوپر ہم ذکر کر آئے ہیں۔

اس کذاب کا جس بھونڈے انداز سے دفاع کیا گیا ہے اس کی دلچسپ تفصیل ہم إعلاء السنن في المیزان[5] میں بیان کر چکے ہیں۔ یہاں ساری تفصیل کا اعادہ تطویل ہی کا باعث بنے گا۔

حسن بن زیاد سے محمد بن شجاع ثلجی راوی ہے اور وہ بھی متروک ہے۔[6] اب جن روایات کو بیان کرنے والے استاد شاگرد دونوں متروک اور کذاب ہوں ان

---

[1] لسان (۲/۲۰۸، ۲۰۹)
[2] قانون الموضوعات (ص: ۲۴۹)
[3] تنزیہ الشریعة (۱/۴۹)
[4] ذیل الموضوعات (رقم: ٤١٤، ٤١٥)
[5] إعلاء السنن في المیزان (ص: ۳۵٤۔۳۷۵)
[6] تقریب (ص: ۳۰۱)

روایات کی پوزیشن کیا ہوگی؟ اگر ان روایات کے صحیح شواہد و متابعات ہیں تو اعتبار ان ثقات کا ہے، نہ کہ کذاب اور متروک کا۔ کذاب راوی کی اگرچہ سب روایات وضعی نہیں ہوتیں، جھوٹا ہمیشہ جھوٹ ہی نہیں کہتا بلکہ سچ بھی بولتا ہے لیکن اس کی عدالت مجروح ہونے کے باعث اس کی سب روایات ناقابلِ اعتبار ہوتی ہیں۔ مولانا ظفر احمد تھانوی فرماتے ہیں:

"من قيل فيه ذلك -أي لفظ من السادسة- فهو لايجوز رواية حديثه إلا لبيان حاله و الرد عليه... إلخ"[1]

''الفاظِ جرح میں چھٹے درجے کے الفاظ جس کے بارے میں کہے گئے اس کی روایت جائز نہیں، سوائے اس کے کہ اس کی حالت بیان کی جائے اور اس کی تردید کی جائے۔''

چھٹے درجے کے الفاظِ جرح ہیں: کذاب، یکذب، دجال، وضاع، وضع حدیثاً۔

حسن لؤلؤی کو تو امام ابن معین، ابو داود، ابو ثور، یعقوب، عقیلی اور ساجی رحمہم اللہ نے کذاب کہا ہے، لہٰذا اس کی مذمت اور تردید کی بجائے اس کی روایات کو سہارا دینے کی کوشش بے اصولی کی انتہا نہیں تو اور کیا ہے!

بلکہ دوسرے اور تیسرے درجے کے مجروح راوی کے بارے میں ہے کہ اس سے نہ استدلال کیا جائے، نہ استشہاد اور نہ ہی اسے قابلِ اعتبار سمجھا جائے۔ ان دونوں درجات کی جرح کے الفاظ بھی حسن لؤلؤی کے بارے میں کہے گئے ہیں۔ اس کے بعد ایسے راوی کی روایات کے شواہد اور متابعات کا ذکر حدیث کی کون سی خدمت ہے؟

ان کے علاوہ یحییٰ بن ہاشم، عبدالوہاب بن ضحاک، صالح بن بیان، سوید بن عبدالعزیز، حسن بن شبیب، محمد بن مروان، عبداللہ بن واقد، عباد بن صہیب، محمد

[1] قواعد في علوم الحديث (ص: ٢٥٣)

بن یوسف رازی، عبدالرحمان بن عبدالصمد، حصین بن مخارق، مسیّب بن شریک، عبداللہ بن ایوب، محمد بن عبدالرحمان، بقیہ، عبید بن کثیر، عمرو بن عمرو اور سیف بن عمر جیسے متروک اور کذاب راویوں کی روایات اس پر مستزاد ہیں۔ اور کتنے ہی راوی ہیں جو مجہول ہیں!

ایسے راویوں کی بیان کی ہوئی روایات کی مسند ترتیب دینا اور انھیں امام صاحب رحمہ اللہ کی مرویات میں شمار کرنا علمِ حدیث کی کوئی خدمت نہیں، بلکہ امام صاحب رحمہ اللہ سے بھی وفا نہیں!

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ فی الجملہ ان روایات کو مسند امام ابی حنیفہ مرتب کرنے والے حضرات نے ہی مسند کی زینت بنایا ہے، جس میں صحت وضعف کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، بلکہ عموماً کسی بھی محدث نے مسند میں صحت کا لحاظ نہیں رکھا۔ اس لیے اعتراض ان مرویات کے جمع کرنے پر نہیں، بلکہ اسی بنیاد پر ان روایات کے تناظر میں انھیں امام صاحب کی بیان کی ہوئی مرویات کا حصہ بنانے پر ہے کہ کذاب، وضاع، متروک اور مجہول راویوں کی بیان کی ہوئی روایات کو امام صاحب کی مرویات میں شامل کر کے کہنا کہ یہ سب ان کی روایات ہیں، امام صاحب سے وفا نہیں۔ کذاب رافضی راویوں کی بیان کی ہوئی حضرت علی، حضرت حسنین رضی اللہ عنہم یا امام جعفر صادق کی طرف منسوب روایات قابلِ اعتنا نہیں تو امام صاحب کے نام پر ایسے کذاب راویوں کی یہ جسارت کیسے قابلِ اعتبار ہو سکتی ہے!

ہماری ان گزارشات سے مسند الامام لابن خسرو کی پوزیشن اور اس کے محقق کی تحقیق عیاں ہو جاتی ہے۔ گو اس حوالے سے اور بھی بہت سی باتوں کی گنجائش ہے، مگر ہمارا مقصد ایک ایک روایت پر بحث کرنا نہیں، بلکہ فی الجملہ اس مسند کی استنادی حیثیت اُجاگر کرنا ہے۔ و ما توفیقي إلا باللّٰه و علیه توكلت و إلیه أنیب.

فضائل أبي حنيفة وأخباره ومناقبه لابن أبي العوام پر ایک نظر

حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۵۰ھ) کے مناقب میں جس قدر کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں ایک بنیادی کتاب أبو القاسم عبد الله بن محمد بن أحمد بن يحيى بن الحارث السعدى المعروف بابن أبي العوام (المتوفی: ۳۳۵ھ) کی کتاب "فضائل أبي حنيفة وأخباره ومناقبه" ہے جو ۱۴۳۱ھ بمطابق ۲۰۱۰ء میں المکتبۃ الامدادیہ مکہ مکرمہ سے شیخ لطیف الرحمان البہرائجی القاسمی حفظہ اللہ کی تحقیق ومراجعت سے ایک جلد میں پہلی بار زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی ہے۔ اس میں چونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کچھ مرویات بھی بیان ہوئی ہیں، اس لیے علامہ خوارزمی رحمہ اللہ نے جامع المسانید میں امام صاحب رحمہ اللہ کی مرویات پر مشتمل جن پندرہ مسانید کو جمع کیا ہے ان میں سے ایک ابن ابی العوام کی اسی کتاب کی مرویات بھی ہیں۔ چنانچہ علامہ خوارزمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وأما المسند الخامس عشر الذي جمعه الإمام الحافظ ابن أبي العوام السعدي كنيته أبو القاسم واسمه عبد الله بن محمد بن أبي العوام"[1]

"رہی پندرھویں مسند تو یہ وہ ہے جسے امام حافظ ابن ابی عوام سعدی نے جمع کیا ہے۔ ان کی کنیت ابوالقاسم اور نام عبداللہ بن محمد بن ابی العوام ہے۔"

[1] جامع المسانيد (۱/ ۷۷)

عجیب غفلت یا طباعتی غلطی؟

اس کے بعد علامہ خوارزمی رحمہ اللہ نے اس کتاب کی باقاعدہ اپنی سند نقل کی ہے، جسے انھوں نے بالآخر احمد بن ابی العباس رازی سے یوں نقل کیا ہے:

"قال أخبرنا القاضي أبو عبد الله محمد بن سلامة القضاعي قال أخبرنا أبو العباس أحمد بن محمد بن عبدالله بن محمد بن أبي العوام قال أخبرنا أبي أبو القاسم عبد الله بن محمد بن أبي العوام صاحب المسند رحمه الله"[1]

جامع المسانید کا ایک نسخہ شیخ نجم الدین محمد الدرکانی کی تحقیق وتخریج سے شائع ہوا ہے۔ اس (۸۵/۱) میں بھی یہ عبارت اسی طرح ہے۔ بلکہ شیخ لطیف الرحمان نے بھی اسی کتاب کی اہمیت کے ضمن میں جامع المسانید کی یہ سند اسی کتاب کے مقدمہ (ص: ۸) میں نقل کی ہے۔ حالانکہ یہ سند متصل نہیں۔ ابوالعباس احمد بن محمد بن عبداللہ بن محمد نے اسے اپنے دادا ابوالقاسم عبداللہ بن محمد سے نہیں بلکہ اپنے باپ محمد بن عبداللہ سے اور انھوں نے اپنے والد عبداللہ بن محمد سے سنا ہے۔ ابوالقاسم عبداللہ بن محمد ابوالعباس احمد بن محمد دادا ہیں، والد نہیں مگر افسوس! اس کی طرف کتاب کے محقق شیخ لطیف الرحمٰن اور شیخ نجم الدین نے توجہ نہیں فرمائی۔ اصل میں یہ سند یوں ہے:

"أخبرنا أبوالعباس أحمد بن محمد بن عبد الله ين محمد بن أبي العوام قال أخبرنا أبي قال: نا أبي أبو القاسم عبد الله بن محمد بن أبي العوام صاحب المسند رحمه الله"

---

[1] جامع المسانید (۷۷/۱)

ابن ابی العوام کون ہیں؟

یہ ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن ابی العوام کون ہیں؟ جنھیں علامہ خوارزمی نے ''الامام الحافظ'' کے القاب سے ملقب کیا ہے۔ جب کہ امر واقع یہ ہے کہ ابوالقاسم عبداللہ بن محمد کا کوئی ترجمہ اور توثیق کسی کتاب میں نظر نہیں آتی، بلکہ ماضی قریب کے ذہبی العصر علامہ عبدالرحمان معلّمی یمانی نے تو فرمایا ہے:

''أما أبوه وجده فلم أجد لهما أثرا إلا من طريقه''[1]

''احمد بن محمد بن عبداللہ ابوالعباس کے باپ اور دادا کا ذکر اُس کی -یعنی احمد کی- سند کے علاوہ میں نے کہیں نہیں پایا۔''

علامہ کوثری نے طليعة التنكيل پر بعض مواخذات ''الترحيب بنقد التأنيب'' کے نام سے کیے مگر ابن ابی العوام پر جو تبصرہ علامہ معلّمی نے کیا تھا اس سے بالکل خاموش رہے۔

علامہ خوارزمی رحمہ اللہ ۶۶۵ھ میں فوت ہوئے جو ابن ابی العوام کو ''الامام الحافظ'' کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ ان کے بعد علامہ عبدالقادر القرشی الحنفی (المتوفی ۷۷۵ھ) ہیں جنھوں نے ''الجواهر المضية في طبقات الحنفية'' کے نام پر کتاب لکھی۔ اس میں انھوں نے علامہ خوارزمی رحمہ اللہ کا بھی مختصراً ترجمہ لکھا ہے۔[2] مگر یہی علامہ خوارزمی جسے ''الامام الحافظ'' کے القاب سے متعارف کرواتے ہیں، علامہ القرشی اس کا ذکر یوں کرتے ہیں:

''عبد الله بن محمد بن أحمد، جد أحمد بن محمد بن عبد الله الإمام المذكور في حرف الألف، ويأتي ابنه''[3]

---

[1] طليعة التنكيل (ص: ٢٨) [2] الجواهر المضية (١٣٢/٢)

[3] الجواهر المضية (٢٨٢/١)

غور فرمایا آپ نے کہ ''ابو القاسم'' عبداللہ بن محمد بن احمد کا بس نام ہے نہ کام نہ کوئی لقب وتعارف، اگر وہ واقعی ''الامام الحافظ'' ہوتے تو علامہ عبدالقادر، جنھوں نے حنفی شیوخ کے تعارف میں یہ کتاب لکھی ہے بھلا اس میں ان کا کوئی تعارف کیوں نہ کرواتے؟ یہی نہیں بلکہ انھوں نے فرمایا کہ اس کے بیٹے محمد بن عبداللہ کا ذکر آئندہ آئے گا۔ مگر اس کا ذکر وہ بھول گئے، یا یوں کہیے کہ اس کا کہیں ذکر ہوتا یا کوئی اتا پتا معلوم ہوتا تو اس کے ذکر سے وہ بالکل تغافل نہ برتتے۔

شیخ لطیف الرحمٰن حفظہ اللہ نے کتاب کے مقدمہ میں ''ترجمة المصنف'' کے عنوان سے ابو القاسم عبداللہ بن محمد کے اساتذہ کا تذکرہ کیا ہے مگر اس سے روایت کس کس نے کی ہے مجال ہے اس کا کوئی ذکر کیا ہو۔ لے دے کے ایک نام ان کے بیٹے کا لیا ہے جو بجائے خود مجہول ہے اور کہیں ترجمہ اس کا بھی نہیں ملتا۔ البتہ ایک بات ''تذكرة الحفاظ''[1] کے حوالے سے یہ ڈھونڈ نکالی کہ امام نسائی کے ترجمے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

''قال قاضي مصر أبو القاسم عبد الله بن أبي العوام السعدي: ثنا النسائي، ثنا إسحاق، ثنا محمد بن أعين قال، قلت لابن المبارك: إن فلانا يقول: من زعم أن قوله تعالى ﴿إِنَّنِيٓ أَنَا ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱعۡبُدۡنِي﴾ [طه: ١٤] مخلوق فهو كافر، فقال: صدق، قال النسائي: بهذا أقول''

یہی بات حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے سیر اعلام النبلاء[2] اور تاریخ اسلام کے ۳۱ طبقے میں ص: ۱۰۸ پر ذکر کی ہے۔ اور یہ قول اسی کتاب ''فضائل أبي حنيفة''[3] میں

---

[1] تذكرة الحفاظ (٢/ ٧٠٠)
[2] سير أعلام النبلاء (١٤/ ١٢٧)
[3] فضائل أبي حنيفة (ص: ٢٦٤، رقم: ٥٦٥)

منقول ہے۔ مگر کیا اس سے ابن ابی العوام کا ''الامام الحافظ'' ہونا ثابت ہوجاتا ہے؟ اگر ان کا یہ درجہ ہوتا اور اہلِ علم کے ہاں وہ معروف ہوتے تو کیا تذکرۃ الحفاظ، سیر اعلام النبلاء یا تاریخ اسلام میں علامہ ذہبی ان کا ذکر نہ کرتے؟ حافظ ذہبی ہی پر کیا موقوف ہے کسی اور محدث یا مؤرخ نے بھی ان کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

پھر امام عبداللہ بن مبارک کے اس قول کا مدار صرف اسی سند پر نہیں بلکہ محمد بن اعین سے یہی قول محمد بن عبدالعزیز بن ابی رزمہ، احمد بن شبویہ اور احمد بن سعید الدارمی بھی بیان کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: السنة لعبد الله بن أحمد، الثقات لابن حبان، الإبانة لابن بطة، شرح اعتقاد أهل السنة، الأسماء والصفات للبيهقي[1] بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اسے ''خلق أفعال العباد''[2] میں ابن مقاتل عن ابن المبارک کی سند سے معلقاً بیان کیا ہے اور امام دارمی نے الرد علی الجهميه[3] میں اسے الحسن بن ربیع عن ابن المبارک کی سند سے روایت کیا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ ابن ابی العوام تو قاضی ہیں وہ مجہول کیسے ہوسکتے ہیں تو یہ بھی محض ''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا'' کا مصداق ہے۔ قاضی اگر کذاب، متروک اور ضعیف ہوسکتے ہیں تو مجہول بھی ہیں۔ چنانچہ ضرار بن علی القاضی مجہول ہے۔[4] سالم بن سلمۃ ابوسبرہ قاضی تھا مگر اسے بھی مجہول کہا گیا ہے۔[5]

ابوالقاسم عبداللہ بن محمد کے مجہول ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے جس سے

---

[1] السنة لعبد الله بن أحمد (رقم: ١٣)، الثقات لابن حبان (٦٥/٩)، الإبانة لابن بطة (رقم: ٢٢١٠)، شرح اعتقاد اهل السنة (رقم: ٤٢٨)، الأسماء والصفات للبيهقي (رقم: ٥٢٨)

[2] خلق أفعال العباد (ص: ٧)

[3] الرد على الجهمية (رقم: ١٨٦)

[4] ميزان (٢/ ٣٢٩)، لسان (٣/ ٢٠٢)

[5] ميزان (٢/ ١١١)، المغني (٢٥٠/١)، اللسان (٤/٣) وغيره.

صرف ایک اس کا بیٹا محمد روایت کرتا ہے اور اس بیٹے سے بھی صرف اس کا بیٹا ابوالعباس احمد بن محمد روایت کرتا ہے۔ وہ بھی مصر میں فاطمی عبیدی فرمانروا الحاکم بامر اللہ کے قاضی تھے۔ الحاکم کے ظلم وستم اور باطنی و رافضی عقیدے کے علاوہ اس کے شیطان نے اس سے ربوبیت کا دعویٰ کروا دیا اور جاہل لوگ اسے دیکھ کر ”یا واحد، یا أحد یا محیي یا ممیت“ کہتے تھے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے تو اسے اپنے دور کا فرعون کہا ہے۔ اس کے ظلم اور دین سے انحراف کی داستانیں تاریخ کے اوراق میں بھری پڑی ہیں۔[1]

اسی باطنی اسماعیلی کا قاضی، ابوالعباس احمد بن محمد ابن ابی العوام السعدی تھا اور حاکم بامر اللہ نے اپنے ہم خیال چار فقہاء کو قاضی ابوالعباس کا نگران بنا رکھا تھا، تاکہ وہ اسماعیلی عقیدہ وعمل کے خلاف کوئی فیصلہ نہ دے۔[2]

غور فرمایئے! اندریں حالات شیخ ابوالعباس ابن ابی العوام منصبِ قضا پر کیا خدمات سرانجام دیتے ہوں گے۔ ان کے علم وفضل کی بنا پر قاضی تو انھیں بنا دیا گیا، مگر کوئی فیصلہ کرنے میں وہ آزاد نہ تھے اور اسماعیلی عقیدہ وعمل کے مطابق ہی فیصلہ کرتے تھے۔ گویا اسماعیلی عقائد وافکار کی تنفیذ ایک سنی عقیدہ کے قاضی سے کروائی جا رہی تھی ۔إنا للہ وإنا إلیه راجعون۔ اللہ تعالیٰ اس قسم کی آزمائش سے سب کو محفوظ رکھے۔

یہاں ممکن ہے کہ یہ اشکال کسی کے ذہن میں انگڑائی لے کہ ابوالعباس قاضی اپنے باپ محمد بن عبداللہ سے روایت کرتے اور وہ اپنے باپ عبداللہ سے روایت کرتے ہیں۔ بیٹے سے بڑھ کر باپ کو جاننے والا کون ہوسکتا ہے۔ اس لیے اس سلسلے

---

(1) ملاحظہ ہو: المنتظم (١٥/١٣٩، ١٤١)، النجوم الزاهرة (٤/ ١٧٦،١٩٦)، حسن المحاضرة (٢/٢٢،٢٣)، سير أعلام النبلاء (١٥/١٧٣)، تاريخ الإسلام للذهبي طبقة (٤٢)، (ص: ٢٣٧، ٣٤٢)، البداية (١٣/ ٣٦،٣٩)، الكامل لابن الأثير (٩/ ٣١٤) وغيره.

(2) الجواهر المضية (١/١٠٧)

کو مجہول قرار نہیں دیا جاسکتا۔ مگر یہ سہارا اُصول روایت کے تناظر میں بے کار ہے کیونکہ جمہور ائمہ محدثین کے نزدیک جہالتِ عین تب رفع ہوتی ہے جب اس سے دو ثقہ راوی روایت کرتے ہوں۔ اخنس بن خلیفہ سے اس کا بیٹا بکیر روایت کرتا ہے اور بکیر بن اخنس ثقہ ہے۔[1] اس کے باوجود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ولا يلزم من ذلك أن يكون الرجل ثقة، إذ حاله غير معروفة ورواية ابنه عنه فقط لا ترفع جهالة حاله، هذا إن رفعت جهالة عينه"[2]

"اس سے لازم نہیں آتا کہ رجل (اخنس) ثقہ ہو جب کہ اس کا حال معروف نہیں اور اس سے صرف اس کے بیٹے کی روایت سے اس کی جہالت حال رفع نہیں ہوتی، یہ تب ہے جب اس کی جہالت عین رفع ہو جائے۔"

اس لیے بیٹا ثقہ ہو اور تنہا وہی باپ سے روایت کرتا ہو تو اس سے باپ کی نہ جہالتِ عین رفع ہوتی ہے نہ ہی جہالتِ حال۔ لہٰذا ابو العباس احمد السعدی کے قاضی ہونے سے اس کے باپ اور اس کے دادا کی جہالت مرتفع نہیں ہوتی، اس لیے یہ کتاب مسلسل مجہول راویوں پر موقوف ہے۔

ایک عجیب گھپلا:

کتاب کے محقق جنھیں "فضيلة العلامة المحدث المحقق" کے القاب سے نوازا گیا ہے، انھوں نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی کتاب "رفع الإصر عن قضاة مصر" کے حوالے سے ابوالعباس احمد بن محمد السعدی ابن ابی العوام کے بارے میں نقل کیا ہے:

"ولأبي العباس رواية عن أبيه عن جده، وروى أيضا عن

[1] تقریب (ص: ٦٧) [2] لسان (١/٣٣١)

أبي بكر محمد بن جعفر بن أعين وأبي بشر الدولابي وأبي جعفر الطحاوي... إلخ"[1]

"ابوالعباس کی روایت اپنے باپ اور ان کے دادا سے ہے اور اس نے ابوبکر محمد بن جعفر بن اعین، ابوبشر دولابی اور ابوجعفر طحاوی وغیرہ سے بھی روایت لی ہے۔"

"رفع الإصر" میں بلاشبہہ یہ عبارت اسی طرح ہے مگر جیسا کہ کہا گیا ہے نقل را عقل باید۔ "فضیلۃ العلامہ المحدث" صاحب کو سوچنا چاہیے تھا کہ کیا ابوالعباس، ابوبکر محمد بن جعفر بن اعین، ابوبشر دولابی اور ابوجعفر طحاوی وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ بلکہ کر بھی سکتے ہیں؟ کیونکہ ابوالعباس احمد، جیسا کہ خود فضیلۃ العلامہ نے ذکر کیا ہے کہ ۳۴۹ھ میں پیدا ہوئے، جب کہ امام طحاوی ایک عرصہ پہلے ۳۲۱ھ میں وفات پا چکے تھے۔

اور ابوبشر محمد بن احمد بن حماد الدولابی ۳۱۰ھ میں اور محمد بن جعفر بن اعین ۲۹۳ھ میں فوت ہوئے۔ اس لیے ابوالعباس ابن ابی العوام کے یہ شیوخ نہیں بلکہ اس کے دادا ابو القاسم عبداللہ بن محمد کے شیوخ ہیں۔ علامہ کوثری نے بھی لکھا ہے کہ ابو القاسم ابن ابی العوام، امام نسائی اور امام طحاوی کے شاگرد ہیں۔[2] کتاب کی ابتدائی روایات سے بھی یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے۔ مگر افسوس کہ حضرت محقق کی توجہ اس طرف نہیں ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں "رفع الإصر" میں یہ طباعتی غلطی ہے اصل عبارت یوں ہونی چاہیے:

"ولأبي العباس رواية عن أبيه عن جده، وهو روى عن أبي بكر محمد بن جعفر .... إلخ" والله أعلم

---

[1] رفع الإصر حاشية (ص: ٣٧) [2] تأنيب الخطيب (ص: ٦٠)

اصل مصنف کون ہے؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ”رفع الإصر“ میں ابوالعباس احمد السعدی کے ترجمے میں یہ بھی لکھا ہے:

”وله مصنف حافل فی مناقب أبي حنيفة وأصحابه“

”ان کی امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ کے مناقب میں ایک بڑی تصنیف ہے۔“

بلکہ شیخ لطیف الرحمان نے ”الطبقات السنية“ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابوالعباس کے دادا ابوالقاسم عبداللہ بن محمد نے مناقب کا مسودہ لکھا تھا ابھی اس کی تبییض نہیں کرپائے تھے کہ فوت ہوگئے۔ ابوالقاسم کے پوتے ابوالعباس نے اس کی تبییض کی، اس میں اضافہ کیا اور یہ نسخہ تیار کیا۔[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مسودہ تو ابوالقاسم رحمہ اللہ کا تھا، اس کی تبییض اور اس میں بعض اضافے ابوالعباس احمد بن محمد بن عبداللہ بن محمد کے ہیں۔ مثلاً ایک مقام پر ہے:

”وقد وجدت رووا عن أبي حنيفة رحمه الله وأخذوا عنه لم يذكر لهم جدي رحمه الله رواية عنهم“[2]

اس کے بعد ابوالعباس رحمہ اللہ نے اپنی سند سے مزید ان راویوں کا ذکر کیا ہے جنھوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے استفادہ کیا ہے۔ مگر یہ اضافے اتنے زیادہ نہیں، اکثر روایات واقوال وہ اپنے باپ محمد رحمہ اللہ کے واسطہ سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں۔ مبیضہ تیار کرنے اور اس میں زیادت کی وجہ سے غالباً حافظ ابن حجر رحمہ اللہ

---

(1) مقدمه فضائل أبي حنيفه (١١، ٣٧)

(2) فضائل (ص: ٢٣٤)

نے اسے ابوالعباس کی طرف منسوب کیا۔ واللہ اعلم

کیا خطیب بغدادی نے اس سے استفادہ کیا ہے؟

کتاب کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مناقب میں خطیب بغدادی نے بھی ابن ابی العوام کی اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔[1]

مگر یہ درست نہیں۔ خطیب بغدادی نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ترجمہ تاریخ بغداد کی جلد ۱۳ میں دیا ہے۔ اس میں ابن ابی العوام کے حوالے سے کوئی روایت ہمیں نظر نہیں آئی۔ دکتور اکرم ضیاء العمری حفظہ اللہ نے ”موارد الخطيب البغدادي في تاريخ بغداد“ کے نام پر ایک ضخیم کتاب ترتیب دی ہے۔ اس میں بھی انھوں نے ابن ابی العوام کی اس کتاب کو خطیب کے مراجع میں شمار نہیں کیا۔ بلکہ اس کی بجائے احمد بن الصلت الحمانی، مکرم بن احمد القاضی اور علی بن محمد النخعی کی کتب مناقب کو خطیب کا مصدر و مرجع قرار دیا ہے۔ لہٰذا بلا دلیل ابن ابی العوام کی اس کتاب کو بھی خطیب بغدادی کا مرجع قرار دینا درست نہیں۔

کیا امام صاحب تابعی ہیں؟

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تابعی ہونے نہ ہونے کے بارے میں آراء مختلف ہیں۔ یہاں اس کی تفصیل و تنقیح مطلوب نہیں بلکہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ ابن ابی العوام نے انھیں تابعی ثابت کرنے میں کیا کمال دکھایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

”ذكر لي عن بعض من لا معرفة له: أن أبا حنيفة لم يكن من التابعين، فاحتجت إلى إخراج كل صحابي بلغني وفاته بعد مولد أبي حنيفة“[2]

---

[1] (ص: ٤)

[2] فضائل أبي حنيفة (ص: ٢٢٢)

''مجھ سے بعض کے حوالے سے ذکر کیا گیا جنھیں کوئی معرفت نہیں کہ وہ کہتے ہیں: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تابعی نہیں۔ اس لیے مجھے ضرورت محسوس ہوئی کہ میں ہر اُس صحابی کی وفات کا ذکر کروں جن کی وفات امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی پیدائش کے بعد ہوئی ہے۔''

اس کے بعد چودہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا ہے جن کی وفات امام صاحب کی پیدائش سے تین، پانچ، سات، گیارہ اور اکیس سال بعد ہوئی ہے۔ اس فہرست میں مزید اضافہ کیا جاسکتا ہے بلکہ کیا بھی گیا ہے۔ ہم یہاں اس بحث میں الجھنا مناسب نہیں سمجھتے کہ ان میں سے کسی سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی روایت یا رؤیت ثابت ہے یا نہیں۔ بلکہ قارئین کرام کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کروانا چاہتے ہیں کہ محض کسی صحابی کی وفات امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی پیدائش کے بعد ہونے سے امام صاحب کا تابعی ہونا ثابت ہوجاتا ہے؟

امام صاحب کے تابعی ہونے کے لیے جو دلیل ابن ابی العوام نے دی ہے اس میں کیا معقولیت ہے؟ کسی اور کتاب کے حوالے کی ضرورت نہیں۔ حنفی اصول میں جسے ''قواعد فی علوم الحدیث'' کا نام دے دیا گیا ہے اس میں بھی اس حقیقت کا اعتراف ہے:

''اعلم أن جمهور المحدثين على أن الرجل بمجرد اللقي والرؤية يصير تابعيا''[1]

''خوب جان لو کہ جمہور محدثین اس موقف پر ہیں کہ آدمی صرف (صحابی سے) ملاقات اور (اس کی) رؤیت سے تابعی ہوجاتا ہے۔''

مگر غور فرمایا آپ نے کہ ابن ابی العوام نے امام صاحب کو تابعی بنانے کے لیے رؤیت یا ملاقات کا کوئی حوالہ نہیں دیا بلکہ اس کو بنیاد اور دلیل بنایا ہے کہ امام

[1] قواعد (ص: ۳۰۶)

صاحب کی پیدائش کے بعد فلاں فلاں صحابی زندہ تھے۔ اب اس استدلال میں علم و فضل کا کیا کمال ہے، اس کا فیصلہ اہلِ علم خود کر سکتے ہیں۔

صحابی سے ملاقات بلاشبہہ بہت بڑا شرف ہے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اس شرف سے نواز دیتا ہے۔ مگر کسی صحابی کی زندگی میں کسی کا زندہ ہونا اس کے تابعی ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ امام صاحب کے دادا استاد امام ابراہیم بن یزید النخعی رحمہ اللہ ۵۰ھ میں پیدا ہوئے تو کیا یہ کہا جائے گا کہ ان کی زندگی میں اتنے صحابہ زندہ تھے بلکہ وہ تو یقیناً سبھی تھے جن کا نام ابن ابی العوام نے امام صاحب کو تابعی بنانے کے لیے لیا ہے۔ تو کیا بس اسی بنیاد پر ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے بارے میں کہا جائے گا کہ انھوں نے ان سب کو دیکھا ہے؟

انھیں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بلاشبہہ زیارت کا شرف حاصل ہے، اس بنا پر وہ تابعی ہیں۔ لیکن یہ تو نہیں کہ ان کی زندگی میں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زندہ تھے، ان سب کی محض موجودگی کو دلیل بنا کر یہ دعویٰ داغ دیا جائے کہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ صرف اس لیے تابعی ہیں کہ ان کی زندگی میں فلاں فلاں اصحابِ رسول موجود تھے۔ یہ نرالہ استدلال دراصل ابن ابی العوام کے علم و فضل کا کمال ہے۔

امام نخعی رحمہ اللہ ہی نہیں امام صاحب کے استاد حماد بن ابی سلیمان کے بارے میں بھی کیا یہی کہا جائے گا؟ کیا ان کی زندگی میں بھی یہ سب صحابہ زندہ تھے یا نہیں؟ اس لیے ابن ابی العوام کا یہ استدلال درست نہیں۔ وہ اگر ان سے سماع یا روایت کی بات کرتے تو اس کا جائزہ امرِ دیگر ہے جس کی یہاں ضرورت ہے نہ اس پر بحث کی گنجائش ہے۔

ایک منفرد حدیث:

ابن ابی العوام نے فضائلِ ابی حنیفہ میں ایک حدیث یوں ذکر کی ہے:

"أبو حنيفة عن بلال عن وهب بن كيسان عن جابر عن

النبي ﷺ: أنه كان يعلمهم التشهد والتكبير كلما سجدوا وركعوا ورفعوا رؤوسهم كما يعلمهم السورة من القرآن"

''امام صاحب بواسطہ بلال، وہب بن کیسان سے اور وہ حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں تشہد اور تکبیر، جب سجدہ اور رکوع کریں اور جب سر اٹھائیں سکھاتے تھے جیسے انھیں قرآن کی کوئی سورت سکھاتے تھے۔''

اس روایت میں بظاہر سجدے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے تکبیر کہنے کی تعلیم دینے کا ذکر ہے۔ حالانکہ رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے تسمیع کا ذکر ہے تکبیر کا نہیں۔ محققِ کتاب علامہ لطیف الرحمان نے فرمایا ہے: ''لم أجد هذا السياق'' کہ حدیث کا یہ سیاق میں نے اور کہیں نہیں پایا۔ اسی طرح قرآن کی سورت کی طرح تشہد کی تعلیم کے ساتھ تکبیر کی تعلیم کا بھی ذکر اسی روایت میں ہے۔

یہ روایت علامہ الخوارزمی نے جامع المسانید[1] میں حافظ طلحہ بن محمد، محمد بن المظفر ابن خسرو کی مسانید اور محمد حسن کی روایت سے ذکر کی ہے۔ کتاب الآثار کے الفاظ ہیں:

"كان رسول الله ﷺ يعلمنا التشهد والتكبير في الصلاة كما يعلمنا السورة من القرآن"[2]

علامہ الخورازمی نے اس کے الفاظ یوں ذکر کیے ہیں:

"كان يعلمهم التشهد والتكبير ركوعاً و سجوداً كما يعلمهم السورة من القرآن"[3]

ان الفاظ میں رکوع سے اٹھتے ہوئے تکبیر کہنے کا تاثر نہیں۔ چلیے ہم

---

[1] جامع المسانيد (١/٣٢٤) [2] الآثار (رقم: ٧٨)

[3] جامع المسانيد (١/٣٢٤)

"الحدیث یفسر بعضه بعضاً" کے تحت یا راوی کے تصرف کی بنا پر یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مراد رکوع جاتے ہوئے تکبیر کہنا ہے، رکوع سے اٹھتے ہوئے نہیں۔ لیکن تشہد کے ساتھ سورۂ قرآن کی طرح تکبیر کی تعلیم کے ذکر میں یہ روایت منفرد ہے۔ محقق کتاب نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے قیام وقعود کے وقت تکبیر کہنے کی روایت ذکر کرنے کا تکلف تو فرمایا ہے مگر جامع المسانید اور کتاب الآثار سے نہ اس کی تخریج کی، نہ ہی تکبیر کی اس اہتمام سے تعلیم دینے کی کوئی روایت ذکر کی۔

امام ابونعیم نے مسند الامام ابی حنیفہ میں بھی یہ روایت: "کان یعلمهم التشهدوالتکبیر" کے الفاظ سے ذکر کی ہے اور فرمایا ہے: "ولا أعلم في روایته متابعاً علیٰ هذا" کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی اس روایت میں، میں کوئی متابع نہیں جانتا۔[1] بلکہ اس کے بعد انھوں نے فرمایا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مشہور الفاظ "یعلمنا التشهد" کے ہیں۔

اس میں یہ اختلاف بھی ہے کہ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ نے امام صاحب رحمہ اللہ سے اس کے الفاظ یوں نقل کیے ہیں:

"کبروا کلما رکعتم وقعدتم و رفعتم رؤوسکم قال وکان یعلمنا التشهد کما یعلمنا السورة من القرآن"[2]

اور علامہ الخوارزمی رحمہ اللہ نے مسند محمد بن المظفر، ابن خسرو اور کتاب الآثار امام محمد رحمہ اللہ سے اس کے الفاظ یوں نقل کیے ہیں:

کبروا کلما رکعتم وسجدتم ورفعتم قال وکان یعلمنا التشهد کما یعلمنا السورة من القرآن"[3]

---

[1] مسند (٦٣)　[2] الآثار لأبي یوسف (رقم: ١٠٩)

[3] جامع المسانید (١/٣٢٦)

ان روایات میں سورۂ قرآن کی طرح تکبیر کی تعلیم کا ذکر نہیں۔ مگر امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ کی کتاب الآثار کی طرف ان الفاظ کا انتساب علامہ الخوارزمی رحمہ اللہ کا وہم ہے۔ اوپر ہم ان کی روایت کے الفاظ نقل کر آئے ہیں اور ان میں ''يعلمنا التشهد والتكبير'' کے الفاظ ہیں۔ بہرحال امام صاحب رحمہ اللہ کبھی تو تشہد کے ساتھ تکبیر کا ذکر نہیں کرتے اور کبھی ذکر کرتے ہیں۔ انہی کے بارے میں امام ابونعیم نے فرمایا کہ اس میں وہ منفرد ہیں، کسی نے ان کی متابعت نہیں کی۔ امام طبرانی رحمہ اللہ نے یہی روایت: ''محمد بن إسحاق عن أبي حنيفة عن بلال'' کی سند سے روایت کی ہے اور فرمایا ہے:

''لم يرو هذا الحديث عن وهب إلا بلال تفرد به أبو حنيفة''[1]

یہ (مرفوع) حدیث وہب سے صرف بلال روایت کرتے ہیں۔ اس کو روایت کرنے میں ابوحنیفہ رحمہ اللہ منفرد ہیں۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے:

''تفرد به أبو حنيفة عن بلال''[2]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، بلال سے روایت کرنے میں منفرد ہیں۔ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ وہب بن کیسان اسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کرتے ہیں، جس کے الفاظ ہیں: ''أنه كان يعلمهم التكبير في الصلاة''[3] ملاحظہ ہو: موطا امام مالک، موطا امام محمد، ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، الاوسط لابن المنذر۔ وہب کی روایت میں: ''يعلمنا التشهد'' کے الفاظ نہیں۔ یہ ابو الزبیر عن جابر کی سند سے منقول

---

[1] المعجم الأوسط (٤٨٧/٢، رقم: ١٨٤٠) [2] اطراف الغرائب (٣٩٧/٢)

[3] موطأ امام مالك (رقم: ١٧٧)، موطأ امام محمد (ص: ٨٧)، ابن أبي شيبة (٢٤٠/١)، عبد الرزاق (٦٤/٢)، الأوسط لابن المنذر (١٣٤/٣)

ہیں۔ مگر امام بخاری، ترمذی، نسائی، بیہقی رحمہ اللہ وغیرہ نے اسے بھی ضعیف قرار دیا ہے۔ (1)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ابن ابی العوام رحمہ اللہ نے یا امام محمد رحمہ اللہ وغیر نے جو الفاظ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ذکر کیے ہیں اس سیاق سے روایت بیان کرنے میں امام صاحب منفرد ہیں۔

ایک عجیب کتاب:

ابن ابی العوام نے باسند شعیب بن ایوب سے نقل کیا ہے کہ عیسیٰ بن ہارون خلیفہ مامون کے پاس ان احادیث کو لے کر آئے جو ہمارے اصحاب کے مسلک کے خلاف تھیں۔ مامون نے اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ، بشر المریسی، یحییٰ بن اکثم اور محمد بن سماعہ سے کہا: اگر تم اپنے اصحاب کے ان اقوال کے مطابق احادیث ثابت نہ کر سکے تو میں تمھیں ان اقوال کے مطابق فتویٰ دینے سے منع کر دوں گا۔ عیسیٰ بن ابان ان سے کم عمر ہونے کی وجہ سے ان کے ہمراہ نہ تھے:

"فوضع إسماعيل بن حماد كتابا كان سبابا كله"

"تو اسماعیل بن حماد نے کتاب تیار کی جو گالیوں سے بھری ہوئی تھی۔"

یحییٰ بن اکثم اور بشر نے کچھ نہ کیا، البتہ عیسیٰ بن ابان نے "کتاب الصغیر" لکھ کر مامون کو پیش کر دی۔ (2)

ابن ابی العوام نے یہ قصہ امام طحاوی سے ابو حازم عبدالحمید بن عبدالعزیز القاضی کے واسطے سے شعیب بن ایوب سے نقل کیا ہے اور اس کی سند بہ ظاہر درست ہے اور ثقہ وصدوق راویوں پر مشتمل ہے۔ مگر اس میں جو عیسیٰ بن ہارون کے جواب میں اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ کی گالیوں سے بھری ہوئی کتاب کا ذکر ہے، ہم عرض کرنا چاہتے ہیں کہ دلیل کا جواب دلیل سے ہوتا ہے، گالیوں سے نہیں۔ محقق کتاب

---

(1) نصب الراية (۴۲۱/۱)

(2) فضائل أبي حنيفة (ص: ۳۷۰، ۳۷۱، رقم: ۸۹۰)

علامہ لطیف الرحمان صاحب نے فرمایا ہے:

”لم أجد في مصادر ترجمته اسم هذا الكتاب، والشخص يفسق بسبب مثل هذا الكتاب وهو إمام من أئمة المسلمين“[1]

”میں نے اسماعیل کے ترجمے میں اس کتاب کا نام کہیں نہیں پایا، اس جیسی کتاب سے انسان فاسق ہوجاتا ہے مگر وہ تو مسلمانوں کے ائمہ میں سے ایک امام ہیں۔“

اسماعیل بن حماد کون اور کیا تھے، یہ ہمارا موضوع نہیں۔ ہم تو بس یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ابن ابی العوام نے جس سند سے اسماعیل کی اس کتاب کا ذکر کیا ہے کیا اس سند کی توثیق کے بعد اسماعیل کی اس کتاب سے انکار کی گنجائش ہے؟ اگر نہیں تو پھر کیا شیخ لطیف الرحمان صاحب کے بہ قول یہ اسماعیل کے نسق کی دلیل ہے یا نہیں؟ یا ابن ابی العوام کی بیان کردہ حکایت ہی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی کہ وہ مجہول ہے اور اس کی توثیق ثابت نہیں۔

عجب مشکل میں پڑا ہے سینے والا چاک داماں کا
جو یہ ٹانکا تو وہ ادھڑا، وہ ادھڑا تو یہ ٹانکا

کتاب الحیل کا مصنف:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے حلقے میں ”کتاب الحیل“ نامی ایک کتاب کا نام ملتا ہے جس کا انتساب امام ابوحنیفہ کی طرف کیا گیا ہے۔ امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا گیا ہے۔ جو اس کے موافق فتویٰ دے اس کا حج باطل اور اس کی عورت اس سے جدا ہو

[1] حاشیه فضائل أبي حنيفة (ص: ۳۷۱)

جائے گی۔ نضر بن شمیل نے کہا ہے کہ اس میں کئی کفریہ مسائل ہیں۔[1]

محمد بن اسحاق الندیم نے "الفہرست"[2] میں اسے امام محمد رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا ہے مگر شیخ عبدالقادر قرشی رحمہ اللہ نے ابوسلیمان الجرجانی سے نقل کیا ہے کہ کتاب الحیل امام محمد رحمہ اللہ کی نہیں، "وراق" کی ہے۔[3] یہ "وراق" کون ہے، اس کا کہیں ذکر نہیں۔ البتہ علامہ السرخسی نے "المبسوط"[4] میں شیخ الجوزجانی سے نقل کیا ہے کہ جو اسے امام محمد کی تصنیف کہے اس کی تصدیق نہ کر بلکہ یہ "وراقو بغداد" یعنی بغداد کے وراقین کی لکھی ہوئی ہے۔ یہی بات اسی حوالے سے شیخ کوثری نے "حسن التقاضي في سيرة الإمام أبي يوسف القاضي"[5] اور "بلوغ الأماني في سيرة الإمام الحسن الشيباني"[6] طبع دارالکتب العلمیہ، بیروت میں کہی ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری[7] میں قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کی طرف بھی "کتاب الحیل" کا انتساب کیا ہے۔ بلکہ الفتاویٰ العالمگیریہ میں ہے کہ الشیخ الامام الاجل شمس الائمۃ الحلوانی نے فرمایا ہے کہ امام محمد حیلہ اسقاطِ زکاۃ کو مکروہ کہتے تھے مگر قاضی ابو یوسف اس کی رخصت دیتے تھے۔[8] وللتفصيل موضع آخر.

ابن ابی العوام نے امام محمد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

"هذا الكتاب يعنى كتاب الحيل ليس من كتبنا، إنما ألقي فيها، قال ابن أبي عمران: إنما واضعه إسماعيل بن حماد بن أبي حنيفة"[9]

---

[1] تاريخ بغداد (١٣/٤٠٣) [2] الفهرست (ص: ٣٤٥)

[3] الجواهر المضية (٢/٢٠٨) [4] المبسوط (٣٠/٢٠٩)

[5] حسن التقاضي في سيرة الإمام أبي يوسف القاضي (ص: ١٢١)

[6] بلوغ الاماني في سيرة الامام محمد بن الحسن الشيباني (ص: ١٩٩)

[7] فتح الباري (١٢/٣٢٦) [8] الفتاویٰ (٦/٣٩١) [9] فضائل (ص: ٣٦٥، رقم: ٨٧٢)

''یہ کتاب، یعنی ''کتاب الحیل'' ہماری کتابوں میں سے نہیں، یہ ہماری کتابوں میں شامل کر دی گئی ہے۔ احمد بن ابی عمران نے کہا کہ یہ اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ کی تصنیف ہے۔''

قابلِ غور بات ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ اس ''کتاب الحیل'' سے، جو اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ کی تصنیف ہے، براءت کا اظہار کیوں فرما رہے ہیں؟ اگر اس میں صرف صحیح مخارج کا ذکر تھا تو اس سے براءت کی ضرورت ہی کیا تھی؟ جو صاحب گالیوں سے بھری کتاب لکھنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے ان کا ''کتاب الحیل'' لکھنا کیسے باعثِ تعجب ہو سکتا ہے؟!

علامہ کوثری کی چالاکی:

علامہ کوثری کی اتباع میں مولانا لطیف الرحمان صاحب نے حاشیہ میں جو لکھا ہے، اس پر علامہ معلّمی کا تبصرہ التنکیل[1] میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ علامہ ذہبی نے مناقب أبي حنيفه و صاحبيه[2] میں امام محمد رحمہ اللہ کا یہی قول، یعنی ''کتاب الحیل'' سے براءت ذکر کیا ہے اور ساتھ احمد بن ابی عمران کا قول ذکر کیا ہے کہ یہ اسماعیل بن حماد کی تصنیف ہے۔ مگر علامہ کوثری کی ہوشیاری دیکھیے کہ وہ "كتاب الحيل لأبي حنيفة" کی تردید کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں:

"وإسماعيل بن حماد أيضا بريء من ذلك رغم من يزعمه في رواية الذهبي"[3]

---

[1] التنكيل (١/ ٤٣٩، ٤٤٠) [2] مناقب أبي حنيفة وصاحبيه (ص: ٥٤)

[3] حاشية تأنيب (ص: ١٧٨)

''اور اسماعیل بن حماد بھی اس سے بری ہیں اس کی مرضی کے برعکس جو ذہبی کی روایت کی بنا پر یہ سمجھتا ہے کہ یہ اسماعیل کی کتاب ہے۔''

حالانکہ یہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ کی کوئی خود ساختہ روایت نہیں بلکہ یہ روایت ابن ابی العوام کی ہے۔ ابن ابی العوام کی یہ کتاب علامہ کوثری کے پیشِ نظر ہے اور جا بجا اس کے انھوں نے حوالے بھی دیے ہیں۔ مگر اس کے باوجود علامہ کوثری اس سے اغماض کرتے ہوئے اسے علامہ ذہبی رحمہ اللہ کی روایت کہہ کر دل کا غبار کم کرنے کی کوشش میں ہیں۔ ایسی چارہ جوئی ہمیشہ کارگر نہیں ہوتی۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ابن ابی العوام:

ابن ابی العوام نے امام صاحب کے فضائل پر یہ کتاب لکھی ہے تاہم اس میں وہ اقوال بھی ہیں جو امام صاحب پر جرح و قدح میں شمار ہوتے ہیں، مثلاً: امام یحییٰ بن معین کا ایک قول یہ بھی منقول ہے:

''أبو حنيفة صدوق غير أن في حديثه ما في حديث المشايخ، قال إبراهيم: يعني من الغلط''[1]

''ابوحنیفہ رحمہ اللہ صدوق ہیں مگر ان کی حدیث میں وہ کچھ ہے جو مشائخ کی حدیث میں ہے۔ ابراہیم بن ابی داود کہتے ہیں: ان کا مقصد یہ ہے کہ ان کی حدیث میں غلطی پائی جاتی ہے۔''

علامہ کوثری کی ایک اور چالاکی:

یہی قول علامہ ذہبی نے مناقب الامام ابی حنیفہ[2] میں بھی نقل کیا ہے۔ علامہ کوثری نے حسبِ سابق یہاں بھی مناقب کے حاشیے میں یہ ہوشیاری دکھلائی ہے کہ

[1] فضائل (ص: ۳۰۲، رقم: ٦٩٣)

[2] المناقب الإمام أبي حنيفة (ص:٤٠)

"يعني من الغلط" کے بارے میں فرمایا: "هذا التفسير من الذهبي" "یہ ذہبی کی تفسیر ہے۔" حالانکہ یہ تفسیر امام طحاوی رحمہ اللہ کے استاد حافظ ابراہیم بن ابی داود البرلسی کی ہے اور ابن ابی العوام نے ہی یہ وضاحت ان سے نقل کی ہے اور وہ امام یحییٰ بن معین کے شاگرد ہیں اور اس قول کی حکایت کر رہے ہیں۔ ابن ابی العوام کی یہ کتاب علامہ کوثری کے پیشِ نظر ہے مگر حسبِ سابق یہاں بھی اسے علامہ ذہبی رحمہ اللہ کی تفسیر کہہ کر اس تفسیر سے جان چھڑانے کا بہانہ بنا رہے ہیں۔

اسی طرح امام صاحب کے تلامذہ کے ذکر میں ابن ابی العوام نے زائدہ بن قدامہ کا نام بھی لیا ہے اور ان کا یہ قول ذکر کیا ہے:

"النعمان بن ثابت كثير الخطأ في الحديث، فقيه البدن" [1]

"نعمان بن ثابت حدیث میں کثرت سے خطا کرنے والے، بڑے مضبوط فقیہ تھے۔"

لیجیے جناب! علامہ کوثری تو ابراہیم البرلسی کی وضاحت پر جز بز تھے، یہاں بات تو خطا سے اوپر کثرتِ خطا تک جا پہنچی ہے اور وہ بھی ان کے اپنے تلمیذ رشید سے!!

امام صاحب کے تلامذہ میں ایک نام اسرائیل بن یونس کا بھی ہے، ابن ابی العوام نے انہی کا یہ قول ذکر کیا ہے:

"نعم الرجل النعمان بن ثابت على قلة روايته للحديث" [2]

"نعمان بن ثابت (ابوحنیفہ) اپنی کم احادیث کے باوجود اچھے آدمی ہیں۔"

امام صاحب کی روایات کتنی ہیں؟ ہمیں یہاں اس سے بحث نہیں اور نہ ہی یہ ذکر کرنے کی ضرورت ہے کہ یہی بات اور کن کن حضرات نے کہی ہے کیونکہ یہ ہمارا موضوع نہیں۔ ہم نے تو بس یہ عرض کرنا ہے کہ امام صاحب کے فضائل کے ضمن میں

---

[1] فضائل (ص: ١٤٩، رقم ٢٦١)
[2] فضائل (ص: ١٥١، رقم: ٢٦٨)

ایسی باتوں کا تذکرہ بھی ابن ابی العوام نے کیا ہے۔

ان کے علاوہ امام عبداللہ بن مبارک بھی امام صاحب کے تلامذہ میں شمار کیے گئے ہیں اور امام صاحب کے فضائل ومناقب میں کچھ اقوال بھی ان سے نقل کیے جاتے ہیں مگر ان کے برعکس ان کے آخری دور کے اقوال کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اسی آخری دور کا ایک قول ابن ابی العوام نے بھی ذکر کیا ہے:

"كان عبد الله بن المبارك يذكر عن أبي حنيفة، فكانوا إذا اجتمعوا بالثغر لم يحدث ابن المبارك عن أبي حنيفة بشيء"[1]

"امام عبداللہ بن مبارک امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے تھے۔ جب وہ "الثغر" میں جمع ہوئے تو انھوں نے امام ابوحنیفہ سے کوئی چیز روایت نہ کی۔"

"الثغر" سے مراد سرحد ہے جہاں وہ دشمن سے جہاد کے لیے ٹھہرے ہوئے تھے۔ امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی سوانح میں ہے کہ اسی "الثغر" سے واپسی پر ان کا انتقال ہو گیا۔

یہاں یہ بات بھی دیکھیے کہ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے بہ سند صحیح ابراہیم بن شماس کا یہ بیان ذکر کیا ہے کہ میں نے امام ابن مبارک کو "الثغر" میں دیکھا کہ وہ لوگوں پر کتاب کی قراءت کر رہے تھے۔ جب امام ابوحنیفہ کا ذکر آتا تو فرماتے: "اضربوا عليه" "اسے کاٹ دو۔" اور یہ آخری کتاب تھی جو انھوں نے لوگوں کو سنائی۔[2]

بلکہ السنة لابن أحمد[3] میں ہے کہ یہ واقعہ امام ابن مبارک کی وفات

---

[1] فضائل (ص: ۲۷۷، رقم: ٦١٧)

[2] الثقات (۸/ ۷۰)

[3] السنة لابن أحمد (۱/ ۲۱٤)

سے ۱۳، ۱۴ دن پہلے کا ہے۔ ابن ابی العوام بھی امام ابن مبارک کا ''الثغر'' میں ایسا طرزِ عمل ذکر کرتے ہیں، البتہ اس کے ساتھ یہ بھی نقل فرماتے ہیں:

"ولا يذكر أبو إسحاق الفزاري أبا حنيفة بسوء حتى يخرج ابن المبارك"

''اور امام ابواسحاق الفزاری رحمہ اللہ امام ابن مبارک رحمہ اللہ کے چلے جانے کے بعد امام ابوحنیفہ پر حرف گیری کرتے تھے۔''

یہ اس لیے کہ امام عبداللہ بن مبارک پہلے امام صاحب کے حلقہ بگوش تھے اور ان کے مداح تھے مگر امام ابواسحاق ان کے برعکس رائے رکھتے تھے لیکن امام عبداللہ بن مبارک کے احترام میں ان کی موجودگی میں خاموش رہتے تھے۔ اس سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اپنی رائے کی کمزوری کی وجہ سے خاموش رہتے تھے۔

یہ بات معلوم ہے کہ علامہ کوثری نے حسبِ حال ابراہیم بن شماس پر بھی تعصب کا الزام لگایا اور ان کے اس بیان پر نقد کیا ہے جس کا جواب علامہ معلّمی نے التنکیل [1] میں دیا اور بحث کا حق ادا کردیا۔

ہمارے نزدیک تو ابن ابی العوام کی یہ روایت محلِ نظر ہے کیونکہ ابن ابی العوام کی توثیق ثابت نہیں اور اسماعیل بن داود ضعیف ہے، حتی کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے "منكر الحديث"، امام ابن حبان نے "يسرق الحديث" اور امام ابوداود نے "لا يسوي شيئًا" کہا ہے۔ [2] لیکن علامہ کوثری نے تو ابن ابی العوام کی اس روایت پر اعتماد کیا ہے۔ [3]

اس لیے امام عبداللہ بن مبارک کا امام ابوحنیفہ سے روایت نہ لینے اور آخری

---

[1] التنكيل (١/ ٨٨، ٨٩)

[2] لسان (١/ ٤٠٣، ٤٣٨، ٤٤٦)، ميزان (١/ ٢٢٦، ٢٥٥) وغيره.

[3] تأنيب، (ص: ١١٤)، ط: دار الكتاب العربي، بيروت.

عمر میں ان پر کلام کرنے سے انکار محض مجادلہ ہے۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ فضائل أبي حنیفة[1] ہی میں ہے کہ امام ابن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا:

"ما رأیت أحداً عندی أفضل من سفیان بن سعید"

"میں نے سفیان بن سعید ثوری سے افضل کسی کو نہیں دیکھا۔"

بلکہ تقدمة الجرح والتعدیل میں ہے:

"زمین پر میں سفیان سے زیادہ عالم کوئی نہیں جانتا۔"[2]

بلکہ یہ بھی فرمایا کہ میں نے ۱۱۰ شیوخ سے سماع کیا ہے، سفیان ثوری رحمہ اللہ سے افضل کوئی نہیں جس سے میں نے حدیث لکھی ہو۔[3]

امام نافع اور امام ابوحنیفہ:

امام نافع رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے اور ان کی روایات کے امین تھے۔ ان کی زبان میں لکنت تھی، الفاظ کی ادائیگی میں لحن پیدا ہوجاتا مگر اس کے باوجود وہ بالاتفاق ثقہ ہیں، حتی کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ "مالک عن نافع عن ابن عمر" کی سند أصح الأسانید (صحیح ترین سند) ہے۔ اس کے برعکس ابن ابی العوام ذکر کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

"أتیت المدینة لأکتب عن نافع مولی ابن عمر فسمعته یقول: "کال ابن عمر" فترکته، وقلت: کیف أکتب عن رجل لا یحسن یقول: قال ابن عمر"[4]

---

[1] فضائل أبي حنیفة (ص: ۲٦۷، رقم: ٥۷٦)

[2] تقدمة الجرح والتعدیل (ص: ٥٦)

[3] تهذیب (۱۱۳/٤) [4] فضائل (ص: ۱۲۷، رقم: ۲۱۱)

''میں مدینہ طیبہ آیا کہ نافع مولی ابن عمر سے احادیث لکھوں، میں نے ان سے سنا وہ (قال ابن عمر کے بجائے) کہتے ہیں: "کال ابن عمر" چنانچہ میں نے انھیں چھوڑ دیا اور کہا کہ میں اُس سے حدیث کیسے لکھوں جو اچھی طرح "قال ابن عمر" نہیں کہہ سکتا۔''

یادش بخیر! اسی بنا پر کوفہ کی علمی برتری کی ایک دلیل یہ بھی دی گئی ہے کہ اہلِ مدینہ میں لحن پایا جاتا ہے۔[1] (سبحان اللہ)

ابن ابی العوام کا بیان کیا ہوا امام صاحب کا یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے امام نافع سے روایت لینا درست نہیں سمجھا اور ان کی مصاحبت اس لیے ترک کر دی کہ ان کی زبان میں لحن ہے۔ اس کے برعکس ''کتاب الآثار'' سے لے کر ''جامع المسانید'' تک کتابوں میں "أبو حنيفة عن نافع عن ابن عمر" کی سند سے متعدد روایات ہیں، حتی کہ استاد ابوعبداللہ حارثی نے "ما أسند الإمام أبو حنيفة رحمه الله عن نافع مولى ابن عمر رضي الله عنهما" کے عنوان سے تیس کے قریب روایات ذکر کی ہیں۔

علامہ خوارزمی نے امام صاحب کے اساتذہ میں حرف ''ن'' میں سب سے پہلے امام نافع رحمہ اللہ کو ہی ذکر کیا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ جب میں کوئی حدیث ''نافع عن ابن عمر'' سے سن لیتا ہوں تو کسی اور سے سننے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ علامہ خوارزمی اس کے بعد لکھتے ہیں:

"ويروي عنه الإمام أبو حنيفة في هذه المسانيد"[2]

''ان سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان مسانید میں روایت کرتے ہیں۔''

امام نافع سے ان کی روایات اور ان کے تلمذ کا انکار کسی نے نہیں کیا مگر

---

[1] تقدمہ نصب الرایہ (ص: ٣٦) [2] جامع المسانید (٥٦٣/٢)

ابن ابی العوام کی روایت اس کے برعکس ہے اور استاد کوثری کا "تقدمة نصب الراية" میں اسی پر اعتماد ہے۔ فوا أسفا

فضائلِ ابی حنیفہ رحمہ اللہ کی مسانید:

ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ علامہ الخوارزمی نے جامع المسانید میں جن مسانید کو جمع کیا ہے ان میں ایک ابن ابی العوام کی اسی کتاب کی مرویات ہیں۔ ان میں کل مرفوع روایات تقریباً تینتیس (۳۳) ہیں اور باقی موقوف و مقطوع روایات ہیں۔ انہی روایات میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ایک حدیث: "هشام بن عروه عن أبيه عن جده الزبير بن العوام" سے ہے:

"كنا نحمل الصيد صفيفاً وكنا نتزوده ونحن محرمون مع رسول الله ﷺ"[1]

یہ روایت کتاب الآثار امام محمد، ابن خسرو اور بیہقی رحمہم اللہ[2] میں بھی موجود ہے۔ اور علامہ الزیلعی نے نصب الرایہ[3] میں اسے ابن خسرو اور ابن ابی العوام کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ نے اسے ہشام رحمہ اللہ سے مرفوعاً ذکر کیا ہے کہ زبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ احرام کی حالت میں ہوتے اور ہم شکار کے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑوں کو جو آگ سے بھنے ہوتے تھے، زادِ راہ بناتے تھے۔ جب کہ امام مالک ہشام عن ابیہ کی اسی سند سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ عروہ فرماتے ہیں:

"أن الزبير بن العوام كان يتزود صفيف الظباء وهو محرم"[4]

---

[1] فضائل (ص: ١٤٥، رقم: ٢٥١)

[2] كتاب الآثار إمام محمد (رقم: ٣٦٠)، ابن خسرو (١١٢٦، ١١٢٧)، بيهقي (١٨٩/٥)

[3] نصب الرايه (١٤٠/٣) [4] موطا (رقم: ٨٤٦)

محرم کے لیے حالتِ احرام میں شکار کرنا منع ہے مگر احرام سے پہلے شکار کا گوشت مل جائے تو حالتِ احرام میں اس کے کھانے کا کیا حکم ہے؟ حضرت زبیرا سے جائز سمجھتے تھے۔ موطا میں ان کا یہ اثر موقوف ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ نے موطا میں اور بیہقی[1] نے بھی اسے امام مالک رحمہ اللہ سے موقوف ہی ذکر کیا ہے۔ بلکہ معمر اور وکیع رحمہما اللہ بھی اسے ہشام سے موقوفاً ہی ذکر کرتے ہیں۔[2] واللہ اعلم

ترجیح کا ایک اصول:

ابن ابی العوام نے قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو وہ فرماتے: تمھارے پاس اس بارے میں کون سے آثار ہیں؟ ہم جب وہ آثار ذکر کرتے تو امام صاحب ان پر اور ان آثار پر جو ان کے علم میں ہوتے غور کرتے:

”فإن كانت الآثار في أحد القولين أكثر أخذ بالأكثر“[3]

”اگر دونوں اقوال میں سے کسی ایک قول کے موافق آثار زیادہ ہوتے تو زیادہ آثار والے قول کو اختیار کرتے۔“

اور اگر آثار دونوں اقوال کے قریب قریب اور برابر ہوتے تو غور وفکر کے بعد کسی ایک قول کو اختیار کرتے۔

یہ اصولِ ترجیح ابن ابی العوام نے ”محمد بن أحمد أبو بشر الدولابي أخبرني محمد بن شجاع قال: سمعت الحسن بن أبي مالك يقول عن أبي يوسف“ کی سند سے ذکر کیا ہے۔ مگر کیا فی الواقع یہی امام صاحب کا

---

[1] موطأ (رقم: ٨٤٦)، بيهقي (١٨٩/٥)

[2] عبد الرزاق (٤٣٤/٤)، ابن أبي شيبة (رقم: ١٤٦٨٢)

[3] فضائل (ص: ٩٩، رقم: ١٤٣)

اصول ہے اور حنفی اصول میں اس کو پذیرائی حاصل ہے؟

"إنهاء السكن" جسے بعد میں "قواعد فی علوم الحدیث" کا نام دیا گیا، میں "مسلّم الثبوت" کے حوالے سے ہے:

"لا ترجيح بكثرة الرواية عند أبي حنيفة وأبي يوسف خلافا لأكثر العلماء الأئمة الثلاثة ومنهم محمد"[1]

"ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک کثرتِ روایات ترجیح کا باعث نہیں مگر ائمہ ثلاثہ کے اکثر علماء، جن میں امام محمد رحمہ اللہ بھی ہیں، کا موقف اس کے برعکس ہے۔"

لیجیے جناب! جب امام ابوحنیفہ اور قاضی ابو یوسف رحمہما اللہ کثرتِ روایات کو ترجیح کا باعث قرار نہیں دیتے تو ابن ابی العوام کی اس حکایت کا کیا وزن باقی رہ جاتا ہے؟

حیرت ہے کہ امام صاحب کا یہ طرزِ عمل قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کے واسطے سے نقل ہوا ہے۔ مگر نہ قاضی صاحب کا یہ موقف ہے اور نہ ہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف یہ بتایا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کی طرف اس کا انتساب محمد بن شجاع الثلجی کی کارستانی ہے یا ابن ابی العوام اس کے ذمے دار ہیں جو مجہول ہیں۔

محمد بن شجاع فقیہ اور عبادت گزار تھا مگر جہمی بدعتی فرقے سے تعلق رکھتا تھا اور روایت میں قابلِ اعتبار نہ تھا۔ امام ابن عدی نے کہا ہے: وہ اللہ تعالیٰ کی تشبیہ کے بارے میں احادیث گھڑ کے اصحاب الحدیث کی طرف منسوب کر دیتا تھا۔ موسیٰ بن قاسم الاشیب کہتے ہیں: وہ "کذاب" تھا۔ امام ازدی نے بھی کہا ہے: وہ "کذاب" ہے، اس کے بُرے مذہب کی وجہ سے اس سے روایت لینا حلال نہیں۔

امام ساجی فرماتے ہیں: وہ "کذاب" ہے، حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ردّ کرنے

---

[1] قواعد (ص: ۲۹۷)

اور اپنے مذہب کی تائید میں دھوکا دیتا تھا۔[1] علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے دیوان الضعفاء اور المغني[2] میں امام ابن عدی رحمہ اللہ کا کلام نقل کیا ہے اور اسی بنا پر علامہ برہان الدین حلبی رحمہ اللہ نے اسے ''وضاعین'' میں شمار کیا ہے۔[3]

اس لیے امام صاحب کی طرف اس اصول کا انتساب صحیح نہیں اور نہ ہی اسے حنفی اصول میں تسلیم کیا گیا ہے، تاہم ابن ابی العوام نے اسے ذکر کیا ہے۔

امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے قول کی وضاحت:

سابقہ اصول کی طرح یہ بھی ملاحظہ فرمایئے کہ امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول امام صاحب بہ واسطہ حماد یوں بیان فرماتے ہیں:

''أخطأ الناس في قولهم: كل مسكر حرام، إنما هو كل سكر حرام''[4]

یہی قول معمولی اختلاف سے امام محمد رحمہ اللہ نے الآثار میں نقل کیا ہے۔[5] کتاب الآثار اور مسند ابن خسرو کے حوالے سے اسے علامہ خوارزمی نے جامع المسانید[6] میں بھی ذکر کیا ہے۔

ہمیں یہاں اس قول کے حوالے سے کچھ عرض نہیں کرنا۔[7] بلکہ بتلانا یہ مقصود ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ نے یہ قول ذکر کر کے فرمایا ہے: ''هو قول أبي حنيفة'' ''یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔'' ابن ابی العوام نے بھی امام دولابی عن محمد بن ہاشم

---

[1] تهذيب (٩/٢٢٠)
[2] ديوان الضعفاء (ص: ٢٧٥)، المغني (٢/ ٥٩١)
[3] الكشف الحثيث (ص: ٣٧٩)
[4] فضائل (رقم: ٤١٩، ص: ٢١١)
[5] (رقم: ٨٤٣، ص: ١٨٥)
[6] جامع المسانيد (٢/ ١٨٩)
[7] اس قول کے حوالے سے ہم اپنی معروضات ہفت روزہ ''الاعتصام'' میں شائع شدہ مقالہ ''کتاب الآثار کیا پہلی صحیح کتاب ہے؟'' کے عنوان کے تحت کر چکے ہیں، ملاحظہ فرمایئے: الاعتصام: ۱۵ ربیع الاوّل ۱۴۳۳، ۱۳ مارچ ۲۰۰۹ء۔

البعلبکی عن شعیب بن اسحاق کی سند سے امام نخعی کا یہی قول امام ابوحنیفہ سے نقل کیا اور ساتھ شعیب بن اسحاق سے یہ بھی نقل کیا کہ وہ فرماتے تھے:

”كأنى أسمعه من فلق فيه -يعنى أبا حنيفة- يقول: إني أخاف أن يكون هو الذي أخطأ، إني أخاف أن يكون هو الذي أخطأ“[1]

”میں نے اس سے سنا جسے اس (علم) میں مہارت ہے، یعنی ابوحنیفہ، وہ فرماتے تھے: مجھے ڈر ہے کہ اسی نے (اس میں) خطا کی ہے، میں ڈرتا ہوں کہ اسی نے خطا کی ہے۔“

غور فرمایئے! شعیب بن اسحاق نے امام ابراہیم رحمہ اللہ کے قول کے مقابلے میں امام ابوحنیفہ کی بصیرت و مہارت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ امام صاحب نے فرمایا: میں تو ڈرتے ہوئے یہ کہتا ہوں کہ لوگوں کو خطا وار ٹھہرانے والے نے ہی خطا کی ہے۔

کیا یہ تردیدی موقف اس کی اجازت دیتا ہے کہ امام صاحب وہی مسلک اختیار کریں جس کی انھوں نے تردید کی ہے؟ حالانکہ امام صاحب کا وہی مسلک ہے جو ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا ہے اور وہی حنفی موقف ہے کہ حرام وہ ہے جس سے نشہ آئے۔ نشہ آور کی قلیل مقدار حرام نہیں ہے۔ اس کے برعکس جو بات امام صاحب سے ابن ابی العوام نقل کر رہے ہیں اس کی پوزیشن کیا ہے؟ شعیب بن اسحاق ثقہ ہیں، امام دولابی گو متکلم فیہ ہیں مگر امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اس کی توصیف بیان کی ہے۔ محمد بن ہاشم البعلبکی بھی صدوق وثقہ ہے۔[2]

بتلایئے اب اس موقف کو نقل کرنے کا ذمہ دار کون ہے اور اس کی حیثیت کیا ہے؟

یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اسی ”فضائل أبي حنيفة“ میں امام

---

[1] فضائل (رقم: ٤١٩) [2] تهذيب (٤٩٤/٢)

عبداللہ بن مبارک کا یہ قول بھی مذکور ہے:

"ما وجدت الرخصة في المسكر عن أحد صحيحا إلا عن إبراهيم"[1]

"میں نے مُسکر (نشہ آور کو پینے) کی رخصت کے بارے میں ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے علاوہ اور کسی کا صحیح قول نہیں پایا۔"

گویا سب سے پہلے یہ فتویٰ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام سفیان ثوری رحمہ اللہ:

ہمیں یہاں اس سے بحث نہیں کہ امام سفیان امام ابوحنیفہ کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں، بلکہ یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ابن ابی العوام نے فضائل میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے بارے میں جو تأثرات بیان کیے ہیں وہ بجائے خود امام صاحب کے مقام و مرتبے سے فروتر ہیں، چنانچہ ابن ابی العوام اپنی سند سے عبید اللہ بن زیاد کوفی سے نقل کرتے ہیں: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مسجد میں اپنے حلقے میں بیٹھے تھے کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ حلقہ کے پاس آکے سر چھپا کے لیٹ گئے اور جو مسائل بیان ہو رہے تھے سننے لگے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس صورتِ حال کو جان گئے۔ امام صاحب نے ایک رات فرمایا:

"حدثنا أبو هذا النائم سعيد الثوري رحمه الله، فلم يعد سفيان بعد إلى ذلك"[2]

"مجھے اس سوئے ہوئے کے باپ سعید ثوری نے حدیث سنائی۔ اس کے بعد سفیان اس طرف نہیں آئے۔"

یہ کہانی جہاں امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے شایانِ شان نہیں وہاں یہ استہزائی

---

[1] فضائل (ص: ۲۷۷، رقم: ٦١٦) [2] فضائل (ص: ۲۸۳، رقم: ۳۳۹)

صورت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ورع وتقوے کے بھی منافی ہے۔

ابن ابی العوام کے علاوہ اس کا استاد ابراہیم بن احمد بن سہل الترمذی اور عبید اللہ بن زیاد کوفی کون اور کیسا ہے، کتبِ رجال میں ان کا ''ذکرِ خیر'' کہیں موجود نہیں۔ علامہ قرشی نے عبید اللہ کا "الجواهر المضية" میں امام صاحب کا شاگرد ہونے کے ناتے صرف نام ذکر کیا ہے اور ساتھ یہ حکایت بھی ذکر کردی ہے۔

اسی طرح سلم بن سالم سے منقول ہے کہ ہم مسعر بن کدام کے پاس بیٹھے تھے اور امام سفیان ثوری رحمہ اللہ بھی وہاں تھے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تشریف لائے۔ امام مسعر نے صدرِ مجلس میں ان کے لیے جگہ بنائی۔ امام صاحب نے سلام کہا اور بیٹھ گئے۔ امام مسعر نے ان سے کہا: آپ نے ابو عبداللہ کو سلام کیوں نہیں کہا؟ امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: کون ابو عبداللہ؟ امام مسعر نے کہا: سفیان۔ امام ابوحنیفہ نے ان کی طرف دیکھا تو فرمایا: یہ مسکین ہمارے بعد شیخ بن گیا ہے۔[1]

اس کہانی پر بھی غور فرمایئے، امام سفیان رحمہ اللہ ۹۷ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۵۰ھ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فوت ہوئے تو اسی سال امام سفیان کوفہ چھوڑ کر بصرہ تشریف لے گئے اور وہاں ۱۶۱ھ میں فوت ہوئے۔[2]

بایں صورت امام سفیان رحمہ اللہ کے بارے میں امام صاحب رحمہ اللہ کا یہ فرمانا: "مسكين لقد شيّخ بعدنا" کہاں تک درست ہے؟ جب کہ خود امام صاحب رحمہ اللہ کا یہ قول بھی ہے:

"لو حضر علقمة والأسود لاحتاجا إلى سفيان"[3]

''اگر علقمہ اور اسود ہوتے تو وہ دونوں سفیان کے محتاج ہوتے۔''

---

[1] فضائل (ص: ۱۰۷، رقم: ۱٦۷)

[2] تهذيب (۱۱٤/٤) وغيره [3] السير (۲۳۸/۷)، تاريخ بغداد (۳٤٤/۱۳)

بلکہ امام صاحب ان کے استاد ابواسحاق سبیعی جب امام سفیان کو آتا ہوا دیکھتے تو فرماتے:

﴿ وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴾ [مریم: ۱۲][1]

''ہم نے بچپن میں ہی اسے ''الحکم'' (علم وسمجھ) عطا کیا۔''

اندازہ کیجیے کہ ابواسحاق سبیعی عمرو بن عبداللہ ۱۲۹ھ میں فوت ہوئے۔ ان کی اس رائے کے بعد امام صاحب کے اس قول کی حقیقت کیا رہ جاتی ہے؟ امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ، جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بھی تلمیذ ہیں، فرماتے ہیں:

''ابن عباس، عامر شعبی اور سفیان ثوری جیسا اپنے اپنے زمانے میں اور کوئی نہیں۔''[2]

امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی رائے پہلے گزر چکی ہے۔ یہ اور اس نوعیت کی دوسری آراء کے مقابلے میں اس قول کی پوزیشن کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ابن ابی العوام کے علاوہ اس کا مرکزی راوی سلم بن سالم ہے۔ محدثین کا اس کے ''ضعیف'' ہونے پر اتفاق ہے بلکہ اس پر وضعِ حدیث کا الزام ہے۔ دال مسور کی فضیلت کی روایت اس کی من گھڑت ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں ''ليس بذاك''، امام ابن معین رحمہ اللہ نے ''ليس بشيء''، امام ابوزرعہ رحمہ اللہ نے ''لا يكتب حديثه'' کہا ہے اور امام ابن مبارک فرماتے ہیں: سلم کے سانپوں سے بچو، یہ تمھیں ڈس نہ لیں۔[3]

اسی نوعیت کی یہ بات بھی دیکھیے کہ علی بن مسہر فرماتے ہیں:

---

[1] السير (۲۳۷/۷)

[2] السير (۳۵۲/۳)، نیز دیکھیں: تاريخ بغداد (۲۰۸/٤)، تقدمة الجرح والتعديل (ص: ۱۱۹)، التاريخ الكبير للبخاري (٤٥/٦)، الحلية (۳٥٦/٦)

[3] میزان (۱۸۵/۲)، لسان (٦۳/۳)

''ہم امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے پاس آتے جاتے تھے اور ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ وہ ہمیں ایسا جواب دیتے تھے جو امام ابوحنیفہ کے موقف کے خلاف ہوتا، پھر ہم امام صاحب کا اس بارے میں قول بتلاتے، اس کے بعد اسی مسئلے کے بارے میں امام سفیان سے پوچھتے تو وہ امام صاحب کے قول کے مطابق جواب دیتے۔ اس کا ذکر ہم نے امام صاحب سے کیا تو انھوں نے فرمایا: ''تفقهوه وتعلموه'' ''تم اس سے فقہ حاصل کرو اور اس سے علم حاصل کرو۔''[1]

امام سفیان رحمہ اللہ کے بارے میں یہ طنزیہ انداز ہم امام ابوحنیفہ کے شایانِ شان نہیں سمجھتے۔ ابن ابی العوام کے علاوہ اس کا سلسلۂ سند بھی بحث طلب ہے۔ بات اتنی ہی نہیں، اس کے ساتھ یہ بھی بیان ہوا ہے کہ علی بن مسہر نے فرمایا: میں نے امام سفیان رحمہ اللہ سے پوچھا: کیا آدمی اپنی بیوی کے ہمراہ ہوتے ہوئے سالی کا محرم ہوسکتا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہوسکتا ہے۔ میں نے اس کا ذکر امام صاحب سے کیا تو انھوں نے فرمایا: یہ فتویٰ دینے والے کو کہنا چاہیے تھا کہ اگر آدمی کی چار بیویاں ہوں تو وہ بناتِ آدم کا محرم ہوگا۔[2]

حالانکہ علمِ دین سے معمولی شُد بُد رکھنے والا طالبِ علم بھی جانتا ہے کہ عورت کے لیے بغیر محرم سفر کی جو ممانعت ہے اس سے وہ محرم مراد ہے جو محرم ابدی ہے اور مرد اپنی سالی کا محرم نہیں ہے۔ مگر ابن ابی العوام کی اس کہانی سے معلوم ہوتا ہے کہ امام سفیان ثوری اس سے بھی بے خبر تھے۔ (سبحان اللہ)

اس کے متصل بعد یہ ''بشارت'' بھی قاضی ابو یوسف کی زبانی مذکور ہے:

''سفيان الثوري أكثر متابعة لأبي حنيفة مني''[3]

---

(1) فضائل (ص: ١٠٥، رقم: ١٦١) (2) أيضاً (3) أيضاً (ص: ١٠٥)

''سفیان ثوری رحمہ اللہ مجھ سے زیادہ امام ابوحنیفہ کے پیروکار ہیں۔''

مگر افسوس! کہ اس کے باوجود امام سفیان رحمہ اللہ کا حنفیت میں وہ مقام نہیں جو قاضی ابویوسف کا ہے۔ اس قول کا دار ومدار محمد بن شجاع ثلجی پر ہے۔ اسی کے واسطے سے ہی علامہ ابن عبدالبر نے یہ قول "الانتقاء"[1] میں بھی ذکر کیا ہے۔ محمد بن شجاع اگرچہ بڑے عابد اور فقیہ تھے مگر روایتِ حدیث میں سخت ضعیف ہیں، حتی کہ ان پر وضعِ حدیث کا الزام ہے جیسا کہ پہلے باحوالہ ہم ذکر کر آئے ہیں۔

اس کے علاوہ ایک اور خوب صورت ''بشارت'' یہ بھی ہے کہ یوسف بن خالد کا خیال ہے کہ امام ابوحنیفہ کی کتابیں امام سفیان رحمہ اللہ کو پیش کی گئیں تو انھوں نے فرمایا:

> ''یہی میرا قول ہے۔ ان پر "کتاب الرھن" جس میں بڑے مشکل مسائل تھے، پیش کی گئی تو انھوں نے کہا: یہی میرا قول ہے۔ مگر جب کسی مسئلے کی تفصیل ان سے پوچھی جاتی تو اس کی وضاحت نہ کر سکتے تھے۔''[2]

بلاشبہہ علم کسی کی میراث نہیں مگر مجہول اور کذاب راویوں کے بیان کے سہارے ایک کا تفوق اور دوسرے کی تذلیل یہ مقلدین ہی کا شیوہ رہا ہے۔ یہاں بھی یہی فکر کارفرما ہے۔ یوسف بن خالد سمتی، جو اس حکایت کا مرکزی کردار ہے، کے بارے میں امام یحییٰ بن معین، جنھیں حنفی باور کرایا جاتا ہے، نے کہا ہے:

> "كذاب زنديق لا يكتب حديثه، كذاب خبيث عدو الله تعالى"

امام عمرو بن علی نے بھی کہا ہے: "یکذب" امام ابوحاتم اور ابوزرعہ نے "ذاهب الحديث"، امام بخاری نے "سكتوا عنه"، امام ابوداود نے ''کذاب''، امام نسائی نے "ليس بثقة ولا مأمون"، ابن حبان نے "يضع الحديث"، امام

---

[1] الانتقاء (ص: ۱۹۸) [2] فضائل (ص: ۱۴۸، رقم: ۲۵۷)

عجلی نے "متروك، ليس بثقة" اور یعقوب بن سفیان نے "لا يكتب حديثه" کہا ہے۔[1]

امام ابن عدی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"وقد أجمع على كذبه أهل بلده"[2]

"اس کے شہر والے اس کے جھوٹا ہونے پر متفق ہیں۔"

علامہ سمعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وہ شیوخ کے نام پر احادیث گھڑتا اور ان کے نام سے روایت کرتا تھا۔ اس سے روایت حلال نہیں اور نہ کسی صورت اس سے استدلال صحیح ہے۔ اس کے بعد انھوں نے امام یحییٰ بن معین، ابوحاتم اور ابوزرعہ رحمہم اللہ کا اس پر کلام نقل کیا ہے۔[3]

کتبِ مناقب کی روایات اکثر و بیشتر اسی قسم کے راویوں کی حکایات سے بھری ہوئی ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی جرح اور علامہ عبدالقادر قرشی:

امام ابن عدی رحمہ اللہ نے امام طحاوی رحمہ اللہ سے بہ واسطہ مزنی امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ قول ذکر کیا ہے:

"يوسف بن خالد السمتي وكان ضعيفا"[4]

"یوسف بن خالد السمتی ضعیف تھا۔"

ان کا یہی قول علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے میزان[5] میں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تہذیب[6] میں نقل کیا ہے۔ بلکہ تہذیب کے حوالے سے یہی کلام شرح معانی الآثار

---

1. تهذيب (١١/ ٤١١، ٤١٢)
2. الكامل (٧/ ٢٦١٩)
3. الانساب (٣/ ٢٩٤)
4. الكامل (٧/ ٢٦١٦)
5. ميزان (٤/ ٤٦٤)
6. تهذيب (١١/ ٤١٢)

کے مقدمے[1] میں "الفائدة العاشرة في كلام الطحاوي في الجرح والتعديل" کے تحت بھی مذکور ہے۔ اس کے برعکس علامہ عبدالقادر قرشی نے "الجواهر المضية في طبقات الحنفية"[2] میں حق وفاداری ادا کرتے ہوئے مجال ہے کوئی کلمہ محدثین کا ذکر کیا ہو۔ البتہ وہ قصہ ضرور نقل کیا ہے جو ابن ابی العوام کے حوالے سے اوپر ہم ذکر کر آئے ہیں، پھر امام طحاوی سے بہ واسطہ امام مزنی امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ قول ذکر کیا ہے:

"كان يوسفِ بن خالد رجلا من الخيار"

''یوسف بن خالد پسندیدہ لوگوں میں سے تھا۔''

اب یہ قول کہاں ہے جس میں اس کی پسندیدگی تو مذکور ہے مگر اس کا ضعیف ہونا مصلحت کی بھینٹ چڑھ گیا ہے۔ امام بیہقی نے معرفۃ السنن "باب العبد يخرج من دار الحرب مسلما"[3] میں امام شافعی سے یہی قول یوں ذکر کیا ہے:

"كان يوسف بن خالد السمتي رجلا من الخيار وفي حديثه ضعف"

''یوسف بن خالد سمتی پسندیدہ لوگوں میں سے تھا، مگر اس کی حدیث میں ضعف ہے۔''

بلکہ ابن ابی العوام نے بھی فضائل[4] میں امام شافعی کا یہ مکمل قول بہ واسطہ امام طحاوی عن المزنی نقل کیا ہے جس سے علامہ قرشی کی کارستانی بے نقاب ہو جاتی اور اس سے یوسف بن خالد کی بیان کی ہوئی کہانی کی حقیقت کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے۔

---

[1] (ص: ٣٥)
[2] الجواهر المضية في طبقات الحنفية (٢/٢٢٧)
[3] معرفة السنن (٧/١٨٥)
[4] (ص: ٣٤٨، رقم: ٨٢٨)

اسی کے ساتھ یہ بھی دیکھیے کہ محمد بن شجاع اور وہ واقدی سے ذکر کرتے ہیں کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ مجھے کہتے تھے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کتابیں لاؤ تا کہ میں انھیں دیکھوں۔[1]

کسی صاحبِ علم کی کتابوں سے استفادہ معیوب نہیں مگر اس کے لیے لازم ہے کہ اس کا ثبوت موجود ہو۔ محمد بن شجاع الثلجی کا ''ذکرِ خیر'' پہلے گزرا ہے۔ اس کا استاد محمد بن عمر واقدی بجائے خود متروک ہے۔[2] گویا یہ قول ''ظلمات بعضھما فوق بعض'' کا مصداق ہے۔

اسی نوعیت کی یہ کہانی بھی ملاحظہ فرمائیں جسے ابن ابی العوام نے اپنی سند سے ابوعصمہ نوح بن ابی مریم سے نقل کیا ہے کہ نوح ابوعصمہ کہتے ہیں: میں ایک روز امام ابوحنیفہ کے پاس تھا کہ ایک آدمی نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ ایک آدمی پانی سے صاف برتن میں وضو کرتا ہے، کیا دوسرا آدمی اس پانی سے وضو کر سکتا ہے؟ امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: نہیں، کیونکہ یہ پانی استعمال شدہ ہے۔

نوح کہتے ہیں: میں سفیان ثوری رحمہ اللہ کے پاس گیا، ان سے یہی مسئلہ پوچھا تو انھوں نے کہا: مستعمل پانی سے وضو کر سکتے ہے۔ میں نے انھیں کہا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تو کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں کیونکہ یہ مستعمل پانی ہے۔ نوح کہتے ہیں: اس کے بعد ایک جمعہ نہیں گزرا تھا کہ میں امام سفیان کے پاس بیٹھا تھا۔ ایک آدمی نے ان سے یہی مسئلہ دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: اس سے وضو جائز نہیں کیونکہ وہ پانی مستعمل ہے۔[3]

گویا امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کو اس پانی کے مستعمل ہونے کا علم امام ابوحنیفہ کے فتوے سے ہوا۔

---

[1] فضائل (ص: ۱۴۸، ۱۹۰، رقم: ۲۵۸، ۳۵۸)

[2] تقریب (۳۱۳) [3] فضائل (ص: ۲۱۷، رقم: ۴۳۷)

أوّلا: یہاں یہ دیکھیے کہ ابن ابی العوام نے جو سند اِس قصے کی ذکر کی ہے وہ مجہول اور غیر معروف راویوں پر مشتمل ہے۔ ابو احمد ابراہیم بن احمد بن سہل بن اسحاق الترمذی جو ابن ابی العوام کا استاد ہے اور اس سے بکثرت روایات نقل کی ہے۔ اس کے علاوہ نوح بن ابی مریم جو اس کا اصل کردار ہے، اس کا حال یہ ہے کہ امام ابن معین نے فرمایا ہے: ''لیس بشيء، ولا یکتب حدیثه'' امام ابن مبارک فرماتے ہیں: وہ اس طرح احادیث وضع کرتا تھا جیسے معلیٰ بن ہلال وضع کرتا تھا۔ امام ابوحاتم، مسلم، الساجی، دولابی اور دارقطنی رحمہم اللہ نے کہا ہے: وہ ''متروک'' ہے۔ امام بخاری اور ابو احمد حاکم رحمہما اللہ نے ''ذاہب الحدیث''، امام نسائی رحمہ اللہ نے ''لیس بثقة، ولا یکتب حدیثه'' کہا ہے۔ ابن حبان اور امام حاکم رحمہما اللہ کہتے ہیں: اس نے صدق (سچ) کے علاوہ بہت کچھ جمع کیا ہے۔ ابو علی نیشاپوری رحمہ اللہ نے کہا ہے: وہ ''کذاب'' ہے۔ ابوسعید النقاش رحمہ اللہ کہتے ہیں: وہ موضوعات بیان کرتا ہے۔ حافظ خلیلی نے کہا ہے: اس کے ضعف پر اجماع ہے۔[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ متعدد علوم کا جامع ہونے کے ناتے اس کا لقب ''جامع'' ہے مگر محدثین نے حدیث میں اسے جھوٹا کہا ہے اور امام ابن مبارک نے کہا ہے: وہ حدیث گھڑتا تھا۔[2]

اس قماش کے راوی کی بیان کی گئی حکایت پر اس کے کسی ہمنوا کو تو اطمینان ہو گا، حدیث کا کوئی طالبِ علم اس پر اعتماد نہیں کرسکتا۔ بالکل اسی نوعیت کی کہانی ابن عبدالبر نے الانتقاء[3] میں علی بن مسہر سے نقل کی ہے مگر ابن مسہر سے اسے بیان کرنے والا یحییٰ بن عبدالحمید الحمانی ہے جو سرقۂ حدیث سے متہم ہے۔[4]

---

[1] تهذیب (۱۰/٤٨٧)
[2] تقریب (ص: ۳٦۰)
[3] الانتقاء (ص: ۲٦۹)
[4] تقریب (ص: ۳۷۷)

ثانیاً: مائے مستعمل کے بارے میں نجس ہونے کا قول کیا فی الواقع امام ابوحنیفہ کا ہے؟ علامہ عینی نے تو صاف لکھا ہے:

"لم يصح عن أبي حنيفة تنجيس الماء المستعمل"[1]

"امام ابوحنیفہ سے مائے مستعمل کے نجس ہونے کا قول صحیح نہیں۔"

اس سے قبل انھوں نے اس بارے میں امام صاحب کے مختلف تین قول ذکر کیے ہیں:

۱۔ مائے مستعمل نجس مخفف ہے۔

۲۔ نجس مغلظ ہے۔

۳۔ طاہر ہے، طہور نہیں۔

اسی تیسرے قول کے بارے میں انھوں نے نقل کیا ہے:

"یہی قول صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ "ماوراء النہر" کے محققین کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ امام محمد اور زفر وغیرہ کا بھی یہی قول ہے بلکہ عبدالحمید قاضی سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ امام صاحب سے مائے مستعمل کے نجس ہونے کا قول ثابت نہیں۔"[2]

ثالثاً: مائے مستعمل وہی نہیں جو برتن میں بچے یا برتن میں گرے بلکہ ان کے نزدیک وہ بھی مائے مستعمل ہے جو اعضائے وضو سے جدا ہوجائے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک اعضائے وضو سے گرنے والے قطروں سے نہ سر کا مسح ہوسکتا ہے نہ اس سے موزوں پر مسح ہوسکتا ہے، نہ ہی کوئی دوسرا اُس سے وضو کرسکتا ہے۔[3]

جب کہ امام سفیان رحمہ اللہ اسے تو مائے مستعمل سمجھتے ہیں جو اعضائے وضو سے

---

[1] عمدة القاري (۷۹/۳)

[2] عمدة (۷۳/۳) دیکھیں: البناية (۳۹۹/۱)

[3] البناية (٤٠٤/١) وغیرہ

گر کر جمع ہو۔ مگر جو پانی اعضائے وضو کے ساتھ ہے اسی سے ہاتھ مل کر سر کا مسح کرنا اور اعضائے وضو سے اگر کوئی حصہ خشک رہ گیا تو وہ حصہ اسی سے تر کر لینا جائز سمجھتے ہیں۔[1]

اس لیے مائے مستعمل کے بارے میں ان کا قول علی الاطلاق امام صاحب کے موقف کے مطابق نہیں۔ مگر ابن ابی العوام کی مجہول السند روایت سے، جسے وہ نوح ابوعصمہ جیسے ''کذاب'' سے بیان کرتے ہیں، یہی معلوم ہوتا ہے کہ مائے مستعمل کے بارے میں امام سفیان امام صاحب کے ہمنوا ہی نہیں بلکہ انھیں اس کے ناقابلِ طہارت ہونے کا علم بھی ان کے قول سے ہوا۔

امام ابوحنیفہ اور امام سفیان رحمہما اللہ کے مابین منافرت کی ایک اور کہانی ابن ابی العوام نے بہ واسطہ محمد بن شجاع الثلجی عن علی بن صالح، قاسم بن معن سے یوں بیان کی ہے کہ امام سفیان رحمہ اللہ نے کئی بار مجھے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پاس جانے پر ڈانٹا۔ میں نے ایک روز اُن سے کہا: آپ کو اُن پر کیا اعتراض ہے؟ تو وہ خاموش ہوگئے، نہیں جان رہے تھے کہ کیا کہیں۔ پھر انھوں نے کہا: عبداللہ بن مسعود کی اولاد میں سے تم جیسا آدمی غلام کے پاس آتا جاتا ہے۔[2]

اندازہ کیجیے کہ اس میں محمد بن شجاع جیسے ''کذاب'' نے کتنے بھونڈے انداز میں یہ تاثر دیا ہے کہ امام سفیان رحمہ اللہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں کسی دلیل کی بنا پر نہیں محض تعصب کی بنا پر اختلاف رکھتے تھے اور نسبی برتری کی بنا پر قاسم بن معن کو امام صاحب کے پاس جانے سے روکتے تھے۔

اسی نوعیت کا ایک قصہ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے الانتقاء[3] میں نقل کیا ہے جسے شیخ لطیف الرحمان صاحب نے فضائل[4] کے حاشیے میں بھی نقل کیا ہے کہ قاسم بن

---

[1] التمہید (۱/ ۴۳)، الأوسط (۱/ ۲۸۶)، البنایة (۱/۴۰۵) وغیرہ

[2] فضائل (ص: ۴۱، رقم:۷) [3] الانتقاء (ص: ۲۰۸) [4] (ص: ۴۱)

معن سے کہا گیا کہ آپ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں، آپ پسند کرتے ہیں کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بچوں میں آپ کا شمار ہونے لگا؟ انھوں نے فرمایا:

''لوگ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مجلس سے بڑھ کر کسی فقیہ کی مجلس میں نہیں بیٹھے، آپ میرے ہمراہ چلیں۔ وہ ان کے ساتھ امام صاحب کی مجلس میں شریک ہوئے تو ان کے ہی ہو رہے اور کہا: میں نے ان جیسا کوئی نہیں دیکھا۔''

غور فرمایا آپ نے کہ قاسم بن معن سے بات کرنے والے کا نام نہیں، پھر وہ امام صاحب کی مجلس میں شریک ہوا اور ان کا مداح بن گیا۔ مگر محمد بن شجاع جیسے ''کذاب'' نے اسے امام سفیان کی طرف منسوب کر کے کہانی کا رخ ہی بدل دیا۔

شیخ لطیف الرحمان صاحب نے اسی کے حاشیے میں "المناقب" للصيمري اور ''تاریخ بغداد''[1] سے ان دونوں بزرگوں کے مابین اسی نوعیت کے مزید کچھ واقعات نقل کیے ہیں مگر وہ سب احمد بن محمد بن صلت بن مغلس الحمانی جیسے ''کذاب'' کے واسطے سے ہیں۔ اسی ابن مغلس نے سب سے پہلے امام صاحب کے مناقب میں کتاب لکھی جس کے بارے میں امام دارقطنی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

''مناقب أبي حنيفة موضوعة كلها، وضعها أحمد بن المغلس الحماني''[2]

''امام ابوحنیفہ کے مناقب سب بناوٹی ہیں، انھیں احمد بن مغلس الحمانی نے گھڑا ہے۔''

ابن عدی رحمہ اللہ نے تو کہا ہے: میں نے جھوٹوں میں اس سے بڑا بے حیا اور کوئی نہیں دیکھا۔ یہ وراقین کے پاس جاتا، ان سے کتابوں کا بنڈل لیتا، ان میں جن

---

[1] "المناقب" للصيمري (ص: ٥٤، ٦٥، ٦٦)، "تاريخ بغداد" (٣٤٢/١٣)

[2] لسان (٢٧١/١)

راویوں کا نام ہوتا ان سے روایات بیان کر دیتا اور اس کی بھی پروا نہ کرتا کہ وہ کب فوت ہوا ہے اور کیا اس کے، یعنی راوی کے، پیدا ہونے سے پہلے فوت ہوگیا ہے یا نہیں۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا ہے: میں نے دیکھا کہ وہ یہ اور یہ احادیث بیان کرتا ہے (ان احادیث کا انھوں نے ذکر بھی کیا ہے) تو میں نے سمجھ لیا کہ یہ حدیثیں گھڑتا ہے اور وہ ایسی جماعت سے روایت کرتا ہے جن کے بارے میں میرا خیال ہے اس نے انھیں دیکھا ہی نہیں۔

امام ابونعیم نے کہا ہے: اس نے امام قعنبی، مسدد، اسماعیل بن ابی اویس اور بشر بن ولید سے احادیث روایت کی ہیں جنھیں اس نے خود گھڑا ہے، اس لیے اس نے ان مشائخ سے ملاقات کے جھوٹے دعوے کے علاوہ متونِ احادیث وضع کیے ہیں۔

امام محمد بن احمد بن ابی الفوارس رحمہ اللہ نے کہا ہے: وہ احادیث گھڑتا تھا۔
خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے کہا ہے: وہ امام ابونعیم فضل رحمہ اللہ بن دکین وغیرہ سے روایت کرتا ہے جو اکثر باطل ہیں، اسی نے انھیں گھڑا ہے اور بشر بن حارث، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی رحمہم اللہ کے نام سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مناقب گھڑے ہیں۔

عبدالباقی بن قانع نے (جن کا شمار ائمہ حنفیہ میں ہوتا ہے اور وہ ابن مغلس کے معاصر بھی ہیں) بھی کہا ہے: "ليس بثقة" حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے "المغني" میں "يضع الحديث" اور دیوان[1] میں "وضاع" قرار دیا ہے۔ علامہ حلبی اور ابن عراق نے بھی اسے وضاعین میں شمار کیا ہے۔[2]

ہمیں علم ہے کہ علامہ کوثری نے حسبِ عادت ابن مغلس کے دفاع کی کوشش

---

[1] المغني (١/٥٥)، ديوان (ص: ٤)

[2] المجروحين (١/ ١٥٣)، الكامل (١/٢٠٢)، ضعفاء أبي نعيم، (ص: ٦٥)، المدخل إلى الصحيح (١/١٧٠)، تاريخ بغداد (٥/٣٣)، ميزان (١/١٤٠)، لسان (١/٢٧٠)، الكشف الحثيث (ص: ٧٠)، تنزيه الشريعة (١/٣٣)

کی ہے مگر علامہ معلّمی نے التنکیل[1] میں ان کی تلبیسات کو تشت از بام کر دیا ہے۔ اسی احمد بن محمد بن صلت کے واسطے سے شیخ الصیمری نے اکثر وبیشتر روایات "أخبار أبي حنيفة وأصحابه" میں جمع کی ہیں۔ شیخ الصیمری حسین بن علی خود ثقہ ہیں مگر اس کتاب میں اکثر بھرتی اسی ''کذاب'' کے واسطے سے ہے، اس لیے ان کذابین ومجاہیل نے ان دونوں بزرگوں کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ محض خانہ ساز ہے۔

امام محمد شیبانی رحمہ اللہ کے بارے میں امام مالک رحمہ اللہ کا ایک قول:

اپنے امام اور ان کے حلقۂ احباب کو بڑھانے کی خاطر متعدد مبالغہ آمیز باتیں ابن ابی العوام نے ذکر کی ہیں، چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ کے بارے میں امام دولابی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں اور وہ بھی یوں: میں نے ابوبشر سے سنا وہ حکایت کرتے تھے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے پاس اصحاب الحدیث جمع تھے کہ انھوں نے فرمایا: مشرق کی جانب سے ہمارے پاس کوئی ایسا نہیں آیا جس سے کوئی فائدہ حاصل ہو۔ اس جماعت میں محمد بن حسن بھی تھے۔ امام مالک رحمہ اللہ کی نگاہ ان پر پڑی تو فرمایا: سوائے اس نوجوان کے۔[2]

ابن ابی العوام کے علاوہ اس کا سلسلۂ سند مجہول ہے۔ علامہ کوثری نے یہی قول ابن ابی العوام سے بلوغ الأماني في سيرة الإمام محمد بن الحسن الشيباني[3] میں "بعض كلمات أهل العلم في الثناء على محمد بن الحسن'' کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے مگر حسبِ عادت اس کی سند کے بارے میں یہ کہہ کر "ذكر ابن أبي العوام الحافظ بسنده أن مالك بن أنس .... إلخ'' یہ غلط تاثر دیا ہے کہ یہ قول ابن ابی العوام نے اپنی سند سے ذکر کیا ہے۔ جب کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ابن ابی العوام نے اسے جناب دولابی سے نقل کیا ہے جو

---

[1] التنكيل (١/ ١٧٠، ١٩٨)
[2] فضائل لابن أبي العوام (ص: ٣٦٤، رقم: ٨٧١)
[3] بلوغ الأماني في سيرة الإمام محمد بن الحسن الشيباني (ص: ١٩٠)

بہ ذاتِ خود متعصب اہل الرائے میں شمار ہوتے ہیں۔[1]

اور انھوں نے امام مالک تک کوئی سند ذکر نہیں کی۔ مگر علامہ کوثری کے ہاتھ کی صفائی دیکھیے کہ وہ اسے باسند باور کروا رہے ہیں۔

اس کے علاوہ اس پر بھی غور فرمایئے کہ کیا اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی بھی تنقیص کا پہلو نہیں؟ اسی ابن ابی العوام[2] نے امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے مابین شب بھر مذاکرے کا ذکر کیا ہے تو کیا مشرق سے امام ابوحنیفہ نہیں آئے تھے؟

مذاکرے کی یہ روایت سنداً صحیح نہیں لیکن دونوں بزرگوں کی باہم ملاقات ایک مسلم حقیقت ہے، بلکہ امام مالک کی مجلس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مؤدب ہو کر بیٹھنا بھی منقول ہے۔ اور یہ بھی بالکل عیاں ہے کہ امام ابوحنیفہ کی وفات کے عرصہ بعد ہی امام محمد رحمہ اللہ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تھے۔ جب حقیقتِ واقعی یہ ہے تو اس کا نتیجہ یہ بھی ہے کہ امام مالک کی نگاہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نہیں بلکہ امام محمد کی وقعت تھی۔ قاضی ابویوسف بھی مشرق سے مدینہ طیبہ آئے، امام مالک سے ملے تو وہ بھی گویا کوئی سود مند نہ تھے۔ امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ، امام سفیان ثوری رحمہ اللہ وغیرہما بھی مشرق سے آئے تھے، امام مالک رحمہ اللہ سے ملے تھے۔ علامہ کوثری اور ان کے ہم نواؤں کی نگاہ میں اگر وہ نہیں جچتے تو کیا ابن ابی العوام کی اس ''روایت'' کی بنا پر امام ابوحنیفہ اور قاضی ابویوسف رحمہما اللہ بھی امام محمد رحمہ اللہ سے علم وفضل میں کم تر ہیں؟

جب کہ اسی ابن ابی العوام کی کتاب ''فضائل''[3] میں ہے کہ امام ابن مبارک رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ آدمی اپنی زکاۃ دوسرے شہر منتقل کرسکتا ہے؟ انھوں نے فرمایا: اپنے رشتہ داروں کے لیے دوسرے شہر میں زکاۃ بھیج سکتا ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ

---

[1] لسان (۴۲/۵)، میزان (۴۵۹/۳) وغیرہما

[2] (ص: ۱۰۳، رقم: ۱۵۵) [3] (ص: ۲۶۸، رقم: ۵۸۰)

فرماتے ہیں: ہمیں اس مسئلے کا علم نہ تھا۔ امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے توسط سے اس کا علم ہوا۔

اسی فضائل[1] میں امام معتمر بن سلیمان سے منقول ہے کہ عبداللہ بن مبارک ''أفقه العرب'' ہیں۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ یحییٰ بن یحییٰ لیثی کہتے ہیں کہ ہم امام مالک رحمہ اللہ کے پاس تھے کہ امام ابن مبارک رحمہ اللہ آئے تو امام مالک رحمہ اللہ نے احتراماً ان کے لیے جگہ چھوڑی، پھر انھیں اپنے پاس بٹھایا۔ میں نے نہیں دیکھا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے یوں کسی کے لیے احتراماً جگہ چھوڑی ہو۔ قاری امام مالک رحمہ اللہ پر (حدیث کی) قراءت کر رہا تھا تو بسا اوقات امام مالک رحمہ اللہ، امام ابن مبارک رحمہ اللہ سے پوچھتے: اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے اور اس بارے میں آپ کے پاس کیا علم ہے؟ امام ابن مبارک رحمہ اللہ جواب دیتے۔ مجلس برخواست ہونے پر امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:

''هذا ابن مبارك فقيه خراسان''[2]

''یہ ابن مبارک خراسان کے فقیہ ہیں۔''

یہاں امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے مناقب کا تذکرہ مقصود نہیں بلکہ اس کا محض اشارہ مطلوب ہے جس سے آپ ابن ابی العوام کی اس بے سند حکایت کی حیثیت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

اسی نوعیت کی یہ جسارت بھی ملاحظہ فرمائیں:

''یحییٰ بن اکثم نے بھی یحییٰ بن صالح الوحاظی سے کہا کہ امام مالک زیادہ حاضر دماغ اور ہوشیار ہیں یا محمد بن حسن؟ تو یحییٰ بن صالح نے کہا: محمد بن حسن

---

[1] (ص: ٢٧٤، رقم: ٦٠٣)

[2] السير (٨/٤٢٠)، ترتيب المدارك (١/٣٠٢)

سوئے ہوئے زیادہ ہوشیار ہیں امام مالک کے جاگتے ہونے سے۔"[1]

امام مالک کو نیچا دکھانے کی یہ سعیِ نامشکور بھی ابن ابی العوام نے ذکر کی ہے اور اسی کے حوالے سے اس کو علامہ کوثری نے بھی بلوغ الأماني[2] میں ذکر کیا ہے۔ حالانکہ ابن ابی العوام کے علاوہ اس کا راوی محمد بن سنان الشیرازی ہے جس کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا ہے:

"صاحب مناكير يتأنى فيه"[3]

"یہ صاحبِ مناکیر ہے، اس میں توقف کیا جائے گا۔"

اسی نوعیت کا ایک قول خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے یحییٰ بن صالح الوحاظی سے نقل کیا ہے، اس میں یہ رنگ آمیزی نہیں جو ابن ابی العوام کی نقل میں ہے، خطیب کے الفاظ ہیں:

"محمد بن الحسن فيما يأخذ لنفسه أفقه من مالك"[4]

"امام محمد بن حسن اپنی رائے میں امام مالک سے زیادہ فقیہ ہیں۔"

اور یہ خلافِ واقعہ نہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ اہل الرائے میں سے ہیں اور امام اہل الرائے ابوحنیفہ کے تلمیذ ہیں۔ اس لیے رائے کے حوالے سے یحییٰ بن صالح کا یہ تبصرہ من وجہ درست ہے۔

بلکہ یحییٰ بن صالح خود اصحاب الرائے میں سے تھے۔ علامہ عبدالقادر قرشی نے انھیں طبقات حنفیہ میں ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے:

"صدوق، من أهل الرأي"[5]

---

[1] فضائل لابن أبي العوام (ص: ٣٥٢، ٣٥٣، رقم: ٨٤٤)

[2] بلوغ الأماني (ص: ١٥٨)

[3] ميزان (٣/٣٥٣)، لسان (٥/١٩٣)

[4] تاريخ بغداد (٢/١٧٥)

[5] تقريب (ص: ٣٧٢)

امام وکیع نے ان کے اسی میلان کے تناظر میں انھیں کہا تھا: رائے سے بچو، میں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے سنا، فرماتے تھے: مسجد میں پیشاب کرنا ان کے بعض قیاس سے بہتر ہے۔ مکہ مکرمہ جاتے ہوئے یہ امام محمد رحمہ اللہ کے ہم نشین تھے۔[1]

اس لیے اگر انھوں نے امام محمد رحمہ اللہ کی فقہ کے حوالے سے بات کی ہے تو وہ فقہ اہل الرائے کے تناظر میں ہے۔ فقہ اہل الحدیث کے حوالے سے قطعاً نہیں۔ یحییٰ بن صالح تو کیا، خود امام محمد رحمہ اللہ کا بیان ابن ابی العوام[2] نے ذکر کیا ہے کہ میں امام مالک کے ہاں تین سال ٹھہرا ہوں۔ میں نے ان سے سات سو سے اوپر احادیث سنی ہیں۔ اور امام محمد رحمہ اللہ جب امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں تو لوگ اتنی کثرت سے آتے کہ جگہ تنگ پڑ جاتی۔ اور جب امام مالک رحمہ اللہ کے علاوہ کسی اور سے روایت کرتے تو چند لوگ ہی آتے اور امام محمد رحمہ اللہ ان پر نکیر فرماتے کہ میں جب امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کرتا ہوں تو تم جگہ بھر دیتے ہو اور جب تمھارے اصحاب سے روایت کرتا ہوں تو کراہت سے آتے ہو۔ امام محمد رحمہ اللہ کا یہ قول امام عبدالرحمان بن ابی حاتم رحمہ اللہ نے تقدمۃ الجرح والتعدیل[3] اور خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ[4] میں بھی ذکر کیا ہے۔

یہی نہیں بلکہ امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے امام محمد رحمہ اللہ سے کہا: میں آپ کو قسم دے کر پوچھتا ہوں قرآن کو زیادہ جاننے والے آپ کے صاحب (استاد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ) ہیں یا ہمارے صاحب (امام مالک رحمہ اللہ)؟ امام محمد رحمہ اللہ نے کہا: آپ کے صاحب۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: سنت کو دونوں میں کون زیادہ جاننے والا ہے؟ امام محمد رحمہ اللہ نے کہا: آپ کے صاحب۔

---

[1] تهذيب (١١/ ٢٣٠) وغيره
[2] فضائل (ص: ٣٦٣)
[3] تقدمة الجرح والتعديل (ص: ٤)
[4] تاريخ بغداد (١٧٣/٢)

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: اقوالِ صحابہ کو دونوں میں سے کون زیادہ جاننے والا ہے؟ امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا: آپ کے صاحب۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: باقی رہا قیاس تو وہ انھی امور پر ہوتا ہے جو اُصولِ قیاس نہیں جانتا وہ کس پر قیاس کرے گا۔[1]

یحییٰ بن صالح کی نسبت امام محمد رحمہ اللہ کا یہ فیصلہ بہر نوع مقدم ہے اور فقہ اہل الحدیث کے تناظر میں ہے، رائے اور استحسان کے تناظر میں نہیں۔

ابن ابی العوام کی کتاب ''فضائل'' میں امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے مابین اسی قسم کے بعض مبالغہ آمیز واقعات ہیں جن کا ذکر ہم نے اپنے مقالہ ''کتاب الآثار کیا پہلی صحیح کتاب ہے؟'' کے ضمن میں کیا ہے۔ ان کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں۔

محرم شلوار پہن سکتا ہے؟

ابن ابی العوام نے داود بن محبر سے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے سوال ہوا کہ محرم اگر چادر نہ پائے تو شلوار پہن سکتا ہے؟ انھوں نے فرمایا: چادر پہنے۔ ان سے عرض کیا گیا کہ چادر نہ ہو تو کیا کرے؟ امام صاحب نے فرمایا: شلوار فروخت کر کے چادر خرید لے۔ انھیں عرض کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''اگر چادر نہ ہو تو شلوار پہن لے۔'' امام صاحب نے کہا: میرے نزدیک یہ صحیح نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شلوار پہنی ہو اور یہ فتویٰ دیا ہو۔ انھیں کہا گیا: آپ لوگوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: ہر آدمی کی انتہا وہی ہے جو اس نے سنا ہے۔ انھیں کہا گیا کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بہ دولت اللہ نے ہمیں مکرم بنایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں ہدایت ملی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہمیں نجات ملے گی۔[2]

---

[1] تقدمة الجرح والتعديل (ص: ٤، ١٢)

[2] فضائل (ص: ١٨٢، ١٨٣، رقم: ٣٣٧)

یہی قصہ علامہ ابن عبدالبر نے الانتقاء في فضائل الأئمة الفقهاء[1] میں بھی ذکر کیا ہے۔ اس کا دار ومدار داود بن محبر پر ہے جس کی گو بعض نے توثیق کی ہے مگر جمہور ائمہ جرح وتعدیل کے نزدیک وہ ''متروک'' ہے۔

علامہ کوثری کا روایتی دجل:

"الانتقاء" کے محقق شیخ ابوغدہ نے فرمایا ہے کہ اس مسئلے سے متعلقہ بحث ہمارے شیخ علامہ کوثری کی "تأنیب" اور علامہ زَبیدی کی "عقود الجواهر المنیفة" میں دیکھیے۔ ہم نے ان کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے ان دونوں کتابوں کی مراجعت کی۔

أوّلاً: علامہ کوثری نے یہ فرمایا ہے کہ امام صاحب کا اس قصے میں یہ قول: ''میرے نزدیک اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ ثابت نہیں۔'' صحیح نہیں کیونکہ داود بن محبر بالاتفاق ''متروک'' ہے۔ ان کے الفاظ ہیں:

"فغیر ثابت لأن في سنده داود بن المحبر متروك الحديث باتفاق"[2]

حالانکہ داود بن محبر کے بارے میں بالاتفاق ''متروک'' ہونے کا دعویٰ ان کی روایتی مبالغہ آمیزی کا نتیجہ ہے۔ اس کے ''متروک'' ہونے پر اتفاق کیسے، جب کہ امام ابن معین نے اسے ''ثقہ'' کہا ہے۔ امام ابوداود رحمہ اللہ نے کہا ہے: وہ ''ثقہ'' ہے، ''ضعیف'' کے مشابہ ہے۔ مجھے ابن معین رحمہ اللہ کا کلام پہنچا ہے کہ وہ اسے ''ثقہ'' کہتے تھے۔ ابن عدی رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے: وہ فی الاصل ''صدوق'' ہے، ''کتاب العقل'' کے علاوہ اس کی احادیث صالحہ ہیں۔[3]

---

[1] الانتقاء في فضائل الأئمة الفقهاء (ص: ٢٥٩)

[2] تأنیب (ص: ١٣٨) [3] تهذیب (٣/٢٠٠)

یہی وجہ ہے کہ علامہ کوثری کے نفسِ ناطقہ شیخ ابوغدہ نے اپنے شیخ سے اختلاف کا اشارہ کیا ہے اور ''الانتقاء'' کے حاشیے میں ''هو متروك عند الجمهور'' کہا ہے۔ بالاتفاق ''متروک'' ہونے کا اظہار نہیں کیا۔

ثانیاً: انھوں نے فرمایا ہے کہ امام صاحب کا یہ فرمودہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ ''مجھے اس بارے میں حدیث معلوم نہیں۔'' جب کہ ابومحمد حارثی کی مسند ابی حنیفہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت موجود ہے:

''من لم يكن له إزار فليلبس السراويل''

''جس کے پاس چادر نہ ہو وہ شلوار پہن لے۔''

سند کے ساتھ یہ حدیث اس قول کی تردید ہے کہ امام صاحب کو اس باب میں حدیث نہیں پہنچی۔[1]

مگر حقیقت یہاں بھی اس سے مختلف ہے۔ داود بن محبر کے بیان کیے ہوئے قول کی تردید میں جس روایت کا سہارا علامہ کوثری نے لیا وہ بیت عنکبوت سے زیادہ کمزور ہے، اس کے راوی داود بن محبر سے زیادہ ضعیف ہیں۔

اوّلاً: تو مسند الامام کا جامع ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب حارثی صاحبِ عجائب وغرائب اور ''متهم بوضع الحديث'' ہے۔[2]

ثانیاً: اس کا استاد ابوسعید اباء بن جعفر ہے جس نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نام پر تین سو سے زائد احادیث گھڑی ہیں۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے اسے کہا کہ اللہ سے ڈرو اور جھوٹ نہ بولو۔ مسند الامام میں ابومحمد الحارثی نے اسی کذاب کی متعدد احادیث نقل کی ہیں جس کی وضاحت ہم حارثی کی اسی مسند پر تبصرے کے ضمن میں کرچکے ہیں۔ علامہ حلبی نے بھی اسے وضاعین میں شمار کیا ہے۔[3]

---

[1] تأنیب (ص: ۱۳۸)　[2] میزان (۴۹۶/۲)، لسان (۳۴۸/۳)

[3] الكشف الحثيث (ص: ۳۵)، ميزان (۱۷/۱)، المجروحين (۱۸٤/۱)، لسان (۲۷/۱) وغيرها.

ثالثاً: اباء کا جو استاد ''احمد بن سعید ثقفی'' ظاہر کیا گیا ہے یہ دراصل احمد بن سعید بن عمر المطوعی ثقفی ہے جو مجہول ہے۔ حافظ ابو محمد حسن بن علی فرماتے ہیں: اباء بن جعفر ''وضاع'' اور ''کذاب'' ہے، اس نے ایک سو احادیث پر مشتمل نسخہ ایسے شیخ سے روایت کیا جو مجہول ہے اور اس کا نام احمد بن سعید بن عمر ثقفی مطوعی ہے۔[1]

علامہ خوارزمی کی بے خبری:

رابعاً: احمد بن سعید کا استاد ''مغیرہ بن عبداللہ'' جو امام ابوحنیفہ کا شاگرد ہے، وہ بھی مجہول ہے۔ کسی جگہ اس کا اتا پتا نظر نہیں آتا۔ علامہ خوارزمی نے بلا جواز اسے ''جامع المسانید''[2] کے آخر میں مغیرہ بن عبداللہ بن عقیل یشکری بنا دیا ہے حالانکہ وہ مغیرہ بن عبداللہ بن ابی عقیلی یشکری ہیں جو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ (المتوفی ۵۰ھ) اور حضرت بلال بن حارث (متوفی ۶۰ھ) سے روایت کرتے ہیں۔[3]

اب یہ مغیرہ بن عبداللہ، امام ابوحنیفہ (متوفی: ۱۵۰ھ) کے شاگرد کیونکر ہو سکتے ہیں؟ مغیرہ بن عبداللہ یشکری طبقہ رابعہ کے ہیں۔[4] جب کہ امام صاحب طبقہ سادسہ کے ہیں۔[5] اس لیے بلا دلیل اسے مغیرہ بن عبداللہ یشکری بنا دینا علامہ خوارزمی کا کمال ہے۔ علامہ معلّمی نے اسی لیے کہا ہے:

> ”ومن العجائب أن صاحب جامع المسانيد زعم أنه المغيرة بن عبد الله اليشكري الذي يروي عن المغيرة بن شعبة المتوفى سنة خمسين“[6]

''عجائبات میں سے ہے کہ ''جامع المسانید'' کے مصنف نے اسے مغیرہ

---

1. لسان (۲۷/۱)، سؤالات حمزہ (ص: ۱۶۷)
2. جامع المسانید (۵۵۹/۱۰)
3. تهذيب: ۲/ ۲۶۳
4. تقريب (ص: ۳۴۵)
5. تقريب (ص: ۳۵۸)
6. التنكيل (۲۵۰/۱)

بن عبداللہ یشکری خیال کیا ہے جو حضرت مغیرہ بن شعبہ (متوفی: ۵۰ھ)
سے روایت کرتے ہیں۔''

جب اس حدیث کی سند کا حال یہ ہے تو اس کے تناظر میں داود بن محبر کے بیان میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی اس باب میں حدیث سے بے خبری کی تردید میں کون سی معقولیت رہ جاتی ہے؟ حیرت ہے علامہ کوثری کے نزدیک داود بن محبر تو حقیقت کے برعکس بالاتفاق ''متروک'' قرار پاتے ہیں مگر ابا بن جعفر جس نے امام صاحب کے نام پر حدیث سازی کی ہے، وہ قابلِ اعتماد ٹھہرتا ہے۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون!

اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ داود بن محبر کی روایت میں امام صاحب رحمہ اللہ کا یہ قول بھی ہے:

''اللہ کی اس پر لعنت ہو جو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہی کی بدولت ہمیں تکریم بخشی ہے اور آپ ﷺ ہی کی بنا پر ہمیں نجات ملے گی۔''

علامہ کوثری نے داود بن محبر کے بیان کیے ہوئے امام صاحب رحمہ اللہ کے اس قول سے ''الانتقاء'' ہی کے حوالے سے تانیب میں دو مقامات پر استدلال کیا ہے۔[1]

اب انصاف شرط ہے کہ اگر داود بن محبر کا ذکر کیا ہوا امام صاحب کا پہلا قول اس کے متروک ہونے کی بنا پر مردود ہے تو اس کا بیان کیا ہوا دوسرا قول مقبول کیوں ہے؟ خود غرضی اور دجل و فریب کی بھی کوئی حد ہوتی ہے!

جہاں تک محرم کے لیے چادر نہ ہونے کی صورت میں شلوار پہننے کا مسئلہ ہے تو یہ ہمارا موضوع نہیں۔ ہمیں تو ابن ابی العوام کی ''فضائل'' اور ''الانتقاء'' میں داود بن محبر کے بیان کی قبولیت و عدمِ قبولیت کے حوالے سے کچھ معروضات عرض کرنا تھیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو: تأنیب (ص: ۱۱۴، ۱۲۶)

جنبی کے پیچھے نماز:

ابن ابی العوام نے امام ابوحنیفہ عن حماد سے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا یوں قول ذکر کیا ہے:

"عن إبراهيم في الجنب يصلي بالقوم قال: يعيد ويعيدون" [1]

''ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے اس جنبی (امام) کے بارے میں ہے جو لوگوں کو نماز پڑھائے، ابراہیم کہتے ہیں: وہ اور مقتدی نماز لوٹائیں۔''

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے اس قول کی سند کی تصحیح تو ابن ابی العوام کے معتقدین پر ہے، ہم یہاں یہ ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ شیخ لطیف الرحمان صاحب نے اس کی تائید کی بجائے مصنف عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ [2] سے بواسطہ مغیرہ ابراہیم کی سند سے نقل کیا ہے:

"يعيد ولا يعيدون"

''وہ جنبی امام تو اعادۂ نماز کرے، مقتدی اعادہ نہ کریں۔''

سند کے اعتبار سے یہی قول راجح ہے۔ ان کا یہی قول علامہ ابن منذر نے الأوسط [3] میں ذکر کیا ہے، نیز ملاحظہ ہو: السنن الكبرىٰ للبيهقي (۲/ ۴۰۱)۔

اب اس کا فیصلہ تو اہلِ علم ہی کریں گے کہ فضائل لابن ابی العوام میں منقول ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے قول کی پوزیشن کیا ہے؟ یادش بخیر! جامع المسانید میں بحوالہ ابن ابی العوام امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا یہ قول نظر نہیں آیا۔ اسی طرح کتاب الآثار امام محمد اور کتاب الآثار لابی یوسف میں بواسطہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ عن حماد،

---

[1] فضائل (ص: ۲۱۲، رقم: ٤٢٢)

[2] مصنف عبدالرزاق (رقم: ٣٦٥١)، ابن أبي شيبه (رقم: ٤٦٠٨)

[3] الأوسط (٤/ ٢٤٣)

ابراہیم النخعی کا قول منقول ہے:

"إذا فسدت صلاة الإمام فسدت صلاة من خلفه"

''جب امام کی نماز فاسد ہو جائے تو مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔''

یہ قول بھی جامع المسانید میں منقول نہیں، البتہ باقی آثار کا انھوں نے ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ: جامع المسانید[1] اور ان کے نقل میں ان سے جو تسامح ہوا ہے، اس کی تفصیل یہاں مناسب نہیں۔ مگر الآثار میں منقول اس قول کی سند بھی ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق کی سند کے مقابلے میں کمزور ہے۔ حتی کہ امام عبدالرحمان بن مہدی نے امام سفیان سے پوچھا کہ حماد کے علاوہ کوئی اور ابراہیم سے یہ قول نقل کرتا ہے تو انھوں نے فرمایا: نہیں۔[2] جس سے امام ابراہیم رحمہ اللہ کے اس اثر کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ اگر یہ قول سند صحیح سے منقول ہوتا تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ اس مسئلے میں امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں: "وإذا ليس فليس".

ابن ابی العوام نے محمد بن شجاع عن الحسن بن زیاد اللؤلؤی کی سند سے حماد بن ابی حنیفہ کا یہ قصہ بھی ذکر کیا ہے کہ انھوں نے شیخ داود بن نصیر ابوسلیمان طائی سے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کہتے ہیں: جب جنبی نماز پڑھائے تو وہ نماز کا اعادہ کرے، مقتدی اعادہ نہ کریں۔ شیخ داود نے فرمایا: ہاں، میں یہی کہتا ہوں۔ حماد نے کہا: میرے والد صاحب اور ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ امام اور مقتدی دونوں نماز کا اعادہ کریں۔ شیخ داود نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ امام اعادہ کرے، مقتدی نہ کریں۔ جب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے موافق ہوں تو روئے زمین پر کسی کی مخالفت کی مجھے کوئی پروا نہیں۔[3]

---

[1] جامع المسانيد (٤٣٦/١) [2] بيهقي (٤٠١/٢)

[3] فضائل (ص: ٢٥٥، رقم: ٥٤٧)

محمد بن شجاع اور حسن بن زیاد لؤلؤی کی حقیقت پہلے بیان ہو چکی ہے مگر علامہ کوثری اور ان کے ہم نوا اُن پر اعتماد کرتے ہیں۔ شیخ داود طائی جنھیں امام صاحب کا تلمیذ ظاہر کیا جاتا ہے اور علامہ قرشی نے بھی انھیں ''طبقات حنفیہ'' میں ذکر کیا ہے، ان کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے تلمذ کی نوعیت کیسی تھی۔ فاعتبروا یا أولي الأبصار!

یہاں یہ بات بھی فائدے سے خالی نہیں کہ شیخ داود طائی رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جس اثر کا ذکر فرمایا ہے اسے عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ شرکۃ دارالقبلۃ، السنن الکبریٰ للبیہقی، موطا امام مالک، المحلیٰ میں دیکھا جا سکتا ہے اور بعض روایات میں تصریح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو نماز دہرائی اور مقتدیوں نے نہیں دہرائی، بلکہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے مقتدیوں کو نماز دہرانے کا حکم نہیں دیا: ''وَأَمَرَهُمْ أَنْ لَّا يُعِيدُوا'' نیز دیکھیے الاستذکار۔ امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ نے اس سے اور دیگر آثار و روایات سے استدلال کیا ہے۔ ایسی صورت میں امام کو نماز دہرانی چاہیے اور مقتدی نماز نہ دہرائیں لیکن امام محمد رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہی اثر نقل کر کے فرمایا ہے: ہمارا بھی یہی موقف ہے اور ہمارا خیال ہے کہ جنھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی اور ان کی حالتِ جنابت کا انھیں علم ہو گیا، ان پر نماز کا اعادہ ضروری ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز کا اعادہ کیا تھا، کیونکہ جب امام کی نماز فاسد ہو جائے تو مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی۔[1]

غور فرمایئے! ایک ہی اثر سے امام مالک رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے استدلال میں کتنا فرق ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ایک اور تلمیذ شیخ داود طائی رحمہ اللہ نے بھی وہی بات کہی جو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔ بلکہ امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

[1] موطأ إمام محمد (ص: ۱۵۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "یعید ولا یعیدون" جس سے ایک طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے امام محمد رحمہ اللہ کے استدلال کی اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے اثر "یعید ولا یعیدون" کی پوزیشن واضح ہو جاتی ہے۔ مرسل کو حجت قرار دینے والے حضرات کے لیے اس سے انکار ممکن نہیں۔

امام صاحب کا طریقِ استدلال:

ابن ابی العوام نے ایک روایت میں ذکر کیا ہے کہ امام عبداللہ بن مبارک سے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے پوچھا: آپ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت لی ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، لی ہے۔ امام ثوری رحمہ اللہ نے تھوڑی دیر سر نیچے کیا، پھر دائیں بائیں دیکھا اور پھر کہا: ابوحنیفہ رحمہ اللہ علم حاصل کرنے میں بڑے سخت تھے۔ اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی اشیاء کو حلال بنانے سے روکتے تھے۔ وہ ان احادیث کو لیتے تھے جو ان کے نزدیک صحیح ہوتی تھیں اور ثقہ راوی اسے بیان کرتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو لیتے اور علمائے کوفہ کا جس پر عمل ہوتا (اسے لیتے تھے)۔ لوگوں نے ان پر بدگوئی شروع کر دی۔ ہم اللہ سے بخشش طلب کرتے ہیں، ہم اللہ سے بخشش طلب کرتے ہیں۔[1]

یہ قول علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے "الانتقاء"[2] میں بھی ذکر کیا ہے مگر اس میں وہ رنگ آمیزی نہیں جو فضائل میں ہے کہ "امام سفیان رحمہ اللہ نے سر نیچے کرلیا، پھر سر اُٹھایا دائیں بائیں دیکھا۔" گویا کوئی دیکھ سن تو نہیں رہا۔

امام صاحب کا یہ اصول مختلف اسانید سے مروی ہے کہ وہ اپنی فقہ واستنباط کا مرجع قرآنِ پاک کو، پھر سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیتے ہیں۔ اور اگر کتاب وسنت

---

[1] فضائل أبي حنيفة (ص: ٩٩، رقم: ١٤٤)

[2] "الانتقاء" (ص: ٢٦٢)

سے راہنمائی نہیں پاتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و فتاویٰ سے راہنمائی لیتے ہیں اور ان کے فتاویٰ سے خروج کم ہی کرتے تھے۔ ہم اس اصول کے بارے میں یہاں کوئی تبصرہ مناسب نہیں سمجھتے۔ صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ''فضائل'' اور ''الانتقاء'' کی مذکورہ بالا روایت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ امام صاحب ''ثقہ راویوں کی صحیح احادیث کو لیتے تھے'' حقیقتِ واقعی کے خلاف ہے، کیونکہ ''کتاب الآثار'' اور ان کی مسانید سے یہ بات نصف النہار کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ امام صاحب طریف بن شہاب، عبدالکریم بن ابی المخارق، ابان بن ابی عیاش، مسلم بن کیسان الاعور، ابراہیم بن یزید مکی، جراح بن منہال، اسماعیل بن مسلم مکی، محمد بن زبیر بصری، سعید بن مرزبان، جابر بن یزید جعفی، لیث بن ابی سلیم، مجالد بن سعید، محمد بن سائب کلبی، ایوب بن عتبہ جیسے ''کذاب''، ''متروک'' اور ''ضعیف'' راویوں سے بھی روایت لیتے اور ان کی مرویات سے استدلال کرتے ہیں۔ بلکہ امام صاحب ''أخبرنا شیخ، عن شیخ، عن رجل اور حدثنا شیخ لنا'' کہہ کر بھی روایت کرتے ہیں اور ان سے استدلال کرتے ہیں، مثلاً: امام محمد رحمہ اللہ نے ''کتاب الآثار'' میں فرمایا ہے:

''أخبرنا أبو حنيفة قال: حدثنا شيخ لنا يرفعه إلى النبي ﷺ أنه نهى عن تربيع القبور وتجصيصها. قال محمد: وبه نأخذ وهو قول أبي حنيفة رحمه الله''[1]

''امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: ہمارے شیخ نے ہمیں حدیث بیان کی، وہ اسے رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے تھے کہ آپ ﷺ نے قبر کو چوکور بنانے اور اسے چونا گچ کرنے سے منع فرمایا ہے۔''

اب شیخ مبہم و مجہول سے روایت کی ہوئی اس حدیث پر امام صاحب رحمہ اللہ اور

[1] کتاب الآثار (ص: ۵۲، رقم: ۲۵۷)

ان کے تلمیذِ رشید امام محمد رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے۔ اس کی کیا حیثیت ہے، اس کا اندازہ ''کتاب الآثار'' کے شارح شیخ ابوالوفاء الافغانی (رئيس لجنة إحياء المعارف النعمانية) کے الفاظ سے لگا لیجیے، لکھتے ہیں:

"لم يذكره الإمام أبو يوسف في آثاره، ولم أظفر بإسناده في كتب الحديث، وما رواه الإمام معلق" [1]

''اسے امام ابویوسف نے بھی اپنی ''کتاب الآثار'' میں ذکر نہیں کیا، کتبِ حدیث میں اس کی سند پانے میں، میں کامیاب نہیں ہوسکا اور امام نے جو روایت کیا ہے وہ معلق ہے۔''

ثقہ راویوں کی صحیح احادیث تو کیا یہاں تو اس روایت کی سند ہی ظاہر نہیں اور اس کا اتا پتا بھی کتبِ حدیث میں نہیں ملتا۔

اس کے علاوہ حنظلہ بن نباتہ، حارث بن زید، کدام بن عبدالرحمان، حکم بن زیاد، محمد بن عبیدہ، اسحاق بن ثابت اور اس کا باپ ثابت، عبدالرحمن بن زاذان، عبداللہ بن داود، ولید بن عثمان، ابوکباش، ابونصر سلمی، ابوعلی الصیقل، ابوغسان، ام ثور، ابوجبلہ جیسے مجہول ومستور راویوں سے بھی امام ابوحنیفہ روایت لاتے ہیں اور ان سے استدلال کرتے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا کہ وہ ثقہ راویوں کی صحیح احادیث سے استدلال کرتے ہیں، اسے زیادہ سے زیادہ اغلبی واکثری اعتبار سے تو کہا جاسکتا ہے، ان کے تمام فتاویٰ وعمل کو اس کا مصداق بنانا قطعی درست نہیں۔

"فضائل لابن أبي العوام" اور "الانتقاء" میں امام سفیان رحمہ اللہ کے اس بیان کے راوی محمد بن حماد بن مبارک ہاشمی ہیں جو دولابی کے استاد ہیں۔ ان کا ترجمہ وتوثیق تتبع کے باوجود نہیں ملی، اس لیے سنداً ومعناً یہ قول مخدوش ہے۔

---

[1] حاشية كتاب الآثار: ٢/ ٢٠١)

امام صاحب اور مسئلہ ارجاء:

محدثین امام ابوحنیفہ کو مرجئ کہتے ہیں کیونکہ وہ ایمان میں کمی وبیشی کو تسلیم نہیں کرتے اور نہ اعمال کو ایمان کا جزء قرار دیتے ہیں۔ ہمیں یہاں اس مسئلے کی تفصیل مطلوب نہیں بلکہ یہ عرض کرنا ہے کہ ابن ابی العوام نے ایک کہانی اسی تناظر میں ذکر کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بشار بن قیراط امام صاحب سے نقل کرتے ہیں کہ میں اور علقمہ بن مرثد حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کے ہاں گئے۔ ہم نے کہا: اے ابومحمد! ہمارے شہروں میں ایک قوم ہے جو ناپسند کرتی ہے کہ وہ کہیں: ''إنا مؤمنون''۔ امام عطاء نے کہا: وہ اس قول کو ناپسند کیوں کرتے ہیں؟ کہا کہ وہ کہتے ہیں: اگر ہم کہیں کہ ہم مومن ہیں تو ہم یہ بھی کہیں گے کہ ہم جنتی ہیں۔

عطاء رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ یہ کہیں کہ ہم مومن ہیں مگر یہ نہ کہیں کہ ہم جنتی ہیں، کوئی بھی مقرب فرشتہ نہیں اور نہ کوئی نبی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی اس پر حجت ہے، وہ چاہے اسے عذاب دے چاہے، معاف کر دے۔ پھر عطاء نے فرمایا: اے علقمہ! تیرے ساتھیوں کو اہلِ جماعت کہا جاتا تھا تا آنکہ نافع بن ازرق نے انھیں مرجئہ کہا۔[1]

اس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ امام عطاء اور علقمہ رحمہما اللہ بھی امام ابوحنیفہ کے ہمنوا تھے۔ وہ اور ان کے رفقاء اہلِ سنت والجماعت ہیں۔ نافع بن ازرق خارجی نے اپنے غلط عقیدے کے تناظر میں مرجئ کہا تھا۔

أولاً: اس سے یہ لازم تو نہیں آتا ہے کہ محدثین نے جس معنی میں امام صاحب رحمہ اللہ کو مرجئ کہا ہے اس کی اس قصے سے نفی ہوتی ہے۔ خارجی کبیرہ گناہ کے مرتکب کو جہنمی کہتے ہیں۔ محدثین کا یہ موقف قطعاً نہیں، نہ ہی یہ امام صاحب رحمہ اللہ کا موقف ہے۔ اس تناظر میں خارجی نے امام صاحب رحمہ اللہ کو مرجئ کہا ہے تو اس سے

---

[1] مناقب (ص: ۱۳۲، رقم: ۲۲۵)

محدثین کے قول کی نفی نہیں ہوتی۔

ثانیاً: اس قصے کا اعتبار تب ہے جب یہ صحیح ثابت ہو۔ ابن ابی العوام کی طرح اس کا استاد ابراہیم بن احمد بن سہل ترمذی بھی ''مجہول'' ہے، اس کا ترجمہ اور توثیق کہاں ہے؟ نیز اس کی سند میں موسیٰ بن سہل رازی ہے، حافظ ذہبی نے کہا ہے کہ اس نے اسحاق ازرق سے باطل حدیث بیان کی ہے۔[1]

مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ موسیٰ بن سہل الراسبی ہی ہے جس کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا ہے کہ وہ ''مجہول'' ہے اور باطل حدیث بیان کرتا ہے۔ اور اسی بنا پر ابن عراق نے اسے ''وضاعین'' میں شمار کیا ہے۔[2]

یہ دو راوی ایک ہی ہوں یا دونوں علیحدہ ہوں، دونوں باطل روایت بیان کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ موسیٰ کا استاد بشار بن قیراط ہے جسے امام ابوزرعہ رحمہ اللہ نے جھوٹا کہا ہے، نیز اسے ''منکر الحدیث'' بھی کہا ہے۔ امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے کہا ہے: قابل استدلال نہیں، ''مضطرب الحدیث'' ہے، اس کی حدیث لکھی جائے۔ ابن عدی رحمہ اللہ نے کہا ہے: غیر محفوظ احادیث روایت کرتا ہے، اس کی احادیث ''منکر'' ہیں، وہ ضعف کے زیادہ قریب ہے۔

حافظ خلیلی رحمہ اللہ نے کہا ہے: خراسان کے احناف اس پر راضی، مگر خراسان کے حفاظ اس پر متفق نہیں ہیں۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے کہا ہے: ''لا شيء'' ''وہ کچھ بھی نہیں۔'' امام حاکم رحمہ اللہ نے کہا ہے وہ ''صاحبِ مناکیر'' ہے۔ علامہ ابن عراق نے اسے ''وضاعین'' میں شمار کیا ہے۔[3]

---

[1] ميزان (٤/٢٠٦) [2] تنزيه الشريعة (١/١٢٠)

[3] تنزيه الشريعة (١/ ٤١)، ميزان (١/ ٣١١)، لسان (٢/١٧)، المجروحين (١/١٩١)، ضعفاء أبي زرعة (٢/٢٥٢)، سؤالات السلمي (رقم: ٧٤)، سؤالات مسعود (رقم: ٢٠٩)، الكامل (٢/٤٥٦) وغيره.

جب اس کہانی کی استنادی حیثیت یہ ہے تو اس کی بنیاد پر ارجاء کے الزام کو نافع خارجی کے قول کی بنا پر خارجی عقیدے کے تناظر میں سمجھنا کہاں کی شرافت ہے؟

علامہ کوثری کی دھاندلی:

علامہ کوثری نے یہی کہانی "تأنیب الخطیب"[1] میں نقل کی مگر اس میں پہلی دھاندلی یہ کی کہ ''موسی بن سہل رازی'' کا واسطہ ہی سند سے حذف کر دیا تا کہ اس کی حقیقت پر پردہ پڑا رہے۔

ثانیاً: حاشیے میں امام ابوزرعہ رحمہ اللہ کے بارے میں اپنے روایتی بغض کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ حافظ خلیلی رحمہ اللہ نے بشار بن قیراط کے بارے میں کہا ہے کہ خراسان کے حنفی اس پر راضی ہیں:

"وإن طال لسان أبي زرعة فيه لكونه أهل الرأي"

''اگرچہ اس کے حنفی ہونے کی وجہ سے ابوزرعہ نے اس پر زبان درازی کی ہے۔''

بشار بن قیراط کیسا حنفی ہے جس کے دفاع میں علامہ کوثری امام ابوزرعہ رحمہ اللہ کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ حال یہ ہے کہ طبقات حنفیہ میں کسی نے اسے ذکر نہیں کیا۔ علامہ خوارزمی نے "جامع المسانید"[2] کے آخر میں صرف اس کا نام لیا ہے کہ وہ امام صاحب کا شاگرد ہے۔ کیا ان کے تمام شاگرد حنفی تھے؟ وہ انھی کے کہنے پر حنفی ہے جنھوں نے اس پر کلام کیا ہے۔ امام ابوزرعہ کا قول ہے کہ وہ جھوٹا ہے۔ یہ قول ابن حبان، ابن الجوزی، ذہبی اور ابن حجر نے نقل کیا مگر کسی نے ان کی تغلیط نہیں کی بلکہ علامہ ابن عراق نے اسی بنا پر اسے ''وضاعین'' میں شمار کیا ہے۔ اس کی ایک حدیث علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ''الجامع الصغیر'' میں نقل کی ہے جس کے الفاظ ہیں:

---

[1] تأنيب الخطيب (ص: ٦٢)   [2] جامع المسانيد (٢/٤١٣)

"الآخذ بالشبهات يستحل الخمر....إلخ"

جسے انھوں نے ضعیف کہا، مگر علامہ مناوی نے کہا ہے:

"إن فيه بشار بن قيراط قال الذهبي: متهم أي بالوضع"[1]

"اس میں بشار بن قیراط ہے، ذہبی نے کہا ہے: وہ متہم ہے، یعنی حدیث وضع کرنے میں متہم ہے۔"

علامہ صنعانی نے بھی کہا ہے:

"فيه يسار (الصواب: بشار) بن قيراط، قال الذهبي: متهم بالوضع"[2]

علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔[3] امام ابن عدی اور حافظ ذہبی رحمہما اللہ نے اس کی ایک منکر حدیث ذکر کی ہے۔ اسی طرح المعجم الأوسط للطبراني[4] میں بھی ایک منکر حدیث منقول ہے۔ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے کہا ہے: بشار ضعیف ہے۔[5] جب کہ علامہ البانی نے اسے منکر قرار دیا ہے۔[6]

تو کیا علامہ کوثری یا ان کے ہم نوا اِن احادیث کو حسن یا صحیح قرار دیتے ہیں؟ کیونکہ خراسان کے حنفی اس سے خوش تھے۔ پھر ان کی خوشی حنفی عالم ہونے کے ناتے تھی یا راویِ حدیث ہونے کے لحاظ سے بھی وہ اس پر خوش تھے؟ کئی حنفی راویوں پر حنفی خوش ہیں مگر راویِ حدیث ہونے کے ناتے ناقابلِ اعتبار ہیں۔ علاوہ ازیں خراسان کے حنفی خوش تھے تو یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے اصبغ بن خلیل قرطبی مالکی پر اندلس میں مالکی خوش تھے۔ وہ ان کا فقیہ تھا اور مفتی تھا حتی کہ پچاس سال تک فتویٰ کا مدار اسی پر

[1] فيض القدير (٣/ ١٦٥)
[2] التنوير شرح الجامع الصغير (٤٧٤/٤)
[3] الضعيفة (رقم: ٢٣٧٢)
[4] المعجم الأوسط للطبراني (رقم: ٧١٤٦)
[5] مجمع (ص: ٢٠٦)
[6] الضعيفة (٦٥٦٤)

رہا: ”دارت عليه الفتيا خمسين عاما“[1]

بلکہ کہا گیا ہے:

”فقيها منسوبا إلى الصلاح والورع بصيرا بالشروط، من أهل العلم والفقه والورع والرياسة، فطناً بالمسائل والفقه“

”وہ فقیہ تھا۔ نیکی اور ورع سے اس کی نسبت کی جاتی ہے۔ شروط کو خوب سمجھنے والا۔ علم، فقہ اور ورع کا حامل اور صاحبِ اقتدار تھا۔“

یہ سب تعریف مالکی علماء نے کی ہے مگر انھوں نے اسے ”وضاع“ بھی قرار دیا ہے۔ ترکِ رفع الیدین کے بارے میں بھی اس نے حدیث وضع کی۔ بلکہ یہ وہ ذات شریف ہے جو کہتی تھی: میرے دامن میں خنزیر کا سر بہتر ہے مسند ابن ابی شیبہ سے۔[2]

اس لیے خراسان کے احناف کا اس پر راضی ہونا اس کی ثقاہت کی کوئی دلیل نہیں۔ تنہا امام ابوزرعہ رحمہ اللہ ہی نہیں دیگر ائمہ محدثین نے بھی اس پر جرح کی ہے۔ تعجب ہے کہ علامہ کوثری کو بشار کے حنفی ہونے کے ناتے دفاع کی فکر ہے مگر باقی راویوں کی کوئی فکر نہیں، حتی کہ موسیٰ بن سہل رازی کا تو واسطہ ہی ہاتھ کی صفائی سے حذف کر دیا جو باطل روایات بیان کرتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے امام سفیان رحمہ اللہ کے ایک قول کی سند کو متصل نقل کر دیا ہے، جیسا کہ آیندہ ”ایک عجیب کہانی“ کے عنوان کے تحت ہم ان شاء اللہ ذکر کریں گے۔

تدوینِ فقہ کی مجلس:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے فقہی فیصلوں کی ترجیح میں یہ بات عموماً کہی گئی ہے کہ

---

[1] ترتيب المدارك (٣/١٤٢)

[2] ترتيب المدارك، ميزان (١/ ٥٦٩)، لسان (٤٥٨/١)، ذيل اللآلي، (رقم: ٥٠٠) وغيره

مختلف مسائل چالیس حضرات کی مجلس میں پیش ہوتے، بحث وتمحیص کے بعد جو فیصلہ ہوتا اسے لکھ لیا جاتا۔ یوں ان فیصلوں کی تدوین تیس برس میں ہوتی ہے۔ امام صاحب کے سیرت نگاروں نے اور ان کے مناقب لکھنے والوں نے اسے بڑھا چڑھا کر لکھا، حتی کہ یہ بھی فرمایا گیا کہ باقی فقہائے کرام رحمہم اللہ کی فقہ شخصی نوعیت کی ہے جب کہ امام صاحب کی فقہ اجتماعی حیثیت رکھتی ہے۔ اس فقہی مجلس کا ذکر ابن ابی عوام نے بھی کیا ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اس کے متقدمین میں یہ حضرات شامل تھے:

''ابو یوسف، زفر، داود طائی، اسد بن عمرو، یوسف بن خالد سمتی، یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ۔''

اور یحییٰ بن زکریا کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

''وهو الذي كان يكتبها لهم ثلاثين سنة''[1]

''وہی تیس سال تک ان کے کاتب رہے۔''

ہم یہاں اس بحث میں الجھنا مناسب نہیں سمجھتے کہ یحییٰ بن زکریا اس فقہی مجلس کی زینت بنے بھی ہیں یا نہیں اور ان کا فقہی موقف کیا تھا۔ ہم یہاں صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ یحییٰ بن زکریا ۱۸۳ھ یا ۱۸۴ھ میں فوت ہوئے۔ جب کہ ان کی عمر ۶۳ سال تھی۔[2] تقریب (ص: ۱۰۵۴) میں بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں:

''مات سنة ثلاث أو أربع وثمانين ومائة وله ثلاث وستون سنة''

تقریب کے بعض نسخوں میں ''ستون'' کی بجائے ''تسعون'' ہے جو غلط ہے کیونکہ تہذیب وغیرہ میں ''ثلاثا وستين سنة'' ہے۔ شیخ ابوالاشبال صغیر احمد

---

[1] فضائل (ص: ٣٤٢، رقم: ٨٠٦)

[2] تهذيب (١١/٢٠٩)، تهذيب للمزي (٢٠/٨١) وغيره

شاغف حفظہ اللہ نے بھی تقریب کے بعض نسخوں میں اس غلطی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بلکہ یحییٰ بن زکریا کی تاریخ وفات خود ابن ابی العوام نے ۱۸۳ھ ذکر کی ہے اور کہا ہے کہ ان کی عمر ۶۳ سال تھی۔[1]

اس حساب سے یحییٰ بن زکریا کی پیدائش ۱۲۰ یا ۱۲۱ھ بنتی ہے۔ امام صاحب ۱۵۰ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوئے اور یہ فقہی کمیٹی بھی اپنے اختتام کو پہنچی۔ ۱۲۰ھ سے ۱۵۰ھ تک تیس سال کا عرصہ ہے۔ حماد بن ابی سلیمان رحمہ اللہ امام صاحب کے استاد ۱۲۰ھ میں فوت ہوئے۔ ان کے بعد ہی امام صاحب ان کے مسند نشین بنے، اس کمیٹی کا آغاز ۱۲۰ھ ہی سے تسلیم کیا جائے تو یہی سال یحییٰ بن زکریا کی پیدائش کا ہے۔ دو سال تو ان کے شیر خواری کے ہیں، پھر صغر سنی کا دور ہے، پھر تعلیم کا آغاز ہے۔ اہلِ کوفہ کے بارے میں معروف یہ ہے کہ وہ بیس سال ہونے پر اولاد کو طلبِ حدیث کی اجازت دیتے تھے۔[2]

مجالد بن سعید کوفی جو ۱۴۴ھ میں فوت ہوئے۔[3] وہ یحییٰ بن زکریا کے استاد ہیں۔ بلکہ لکھا ہے کہ یحییٰ کے والد زکریا اپنے بیٹے کو مجالد کی مجلس میں لے گئے اور کہا:

"يا بني! اِحفظ"[4] "بیٹے! ان سے علم یاد کرو۔"

یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ یحییٰ بن زکریا کم سے کم دس پندرہ سال کے ہونے کے بعد ہی طلبِ حدیث میں مشغول ہوئے ہوں گے اور وہ بھی مجالد کی مجلس میں، اس لیے یحییٰ بن زکریا کا طلبِ حدیث کے لیے گھر سے نکلنا دس سال کا بھی تسلیم کر لیا جائے تو حصولِ علم کے بعد وہ جب بھی امام صاحب کی مجلس میں پہنچے ہوں گے، تب سے تیس سال کے عرصہ تک "مجلس فقہاء" کے فتویٰ کو لکھنے کی بات نہایت مہمل اور

---

[1] فضائل (ص: ٣٤٦، رقم: ٨٢٤) [2] تدريب الراوي (٢/٥)

[3] تهذيب (١٠/٤٠) [4] تاريخ بغداد (١٤/١٧٧)

خلافِ حقیقت ہے۔ مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ امام صاحب کے مناقب میں قرناً بعد قرنٍ یہ بے بنیاد بات مسلسل لکھی جا رہی ہے بلکہ دوسرے ائمہ کے اقوال کے تقابل میں ترجیحی طور پر اسے بڑے فخر سے بیان کیا جاتا ہے۔ اور کوئی ''رجل رشید'' نہیں جو یہ سوچنے کی زحمت اٹھائے کہ یحییٰ بن زکریا تیس سال تک کیسے فقہی فتاویٰ کو درج کرتے رہے، جب کہ ان کی پیدائش ہی ۱۲۰ھ یا ۱۲۱ھ میں ہے؟!

گل دیگر شگفت:

اس سے بھی حیرت ناک بات یہ ہے کہ علامہ لکھنوی نے اسی فہرست میں امام محمد کا نام بھی لکھا ہے، چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:

"فكان في العشرة المتقدمين أبو يوسف وزفر ومحمد وداود الطائي .... إلخ"[1]

''عشرۂ متقدمین میں ابو یوسف، زفر، محمد، داود طائی ہیں۔''

جب کہ محمد بن حسن کی تاریخ پیدائش ابن عبدالبر نے الانتقاء[2] اور ابن خلکان نے ''وفیات الاعیان'' میں ۱۳۵ھ بتلائی ہے۔ جب کہ ابن سعد نے ۱۳۲ھ ذکر کی ہے اور یہی تاریخ ابن ابی العوام نے فضائل[3] میں اور حافظ ذہبی نے مناقب[4] میں نقل کی ہے۔ اس لیے ان کی پیدائش ۱۳۲ھ میں ہی تسلیم کی جائے تو امام صاحب رحمہ اللہ جو ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے۔ ان کی وفات پر امام محمد کی عمر ۱۸، ۱۹ سال بنتی ہے۔

بتلایئے وہ عشرۂ متقدمین میں اپنی ولادت سے پہلے کیسے شمار ہوئے؟ مگر جب عقیدت کا غلبہ ہو تو حقیقت پر پردہ کی دبیز تہ جم جاتی ہے۔ سوچنے اور غور و فکر کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ بالکل یہی صورتِ حال یہاں ہے۔

---

[1] الفوائد البهية (ص: ٢٢٤)
[2] الانتقاء (ص: ٣٣٧)
[3] فضائل (ص: ٣٦٨)
[4] المناقب (ص: ٥٠)

مجلس تدوینِ فقہ میں مزید کہاں کہاں گھپلا ہے اور کس قدر اس میں رنگ آمیزی کی گئی ہے، یہ سب ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ ہم نے تو صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ابن ابی العوام کا بیان کہاں تک صداقت پر مبنی ہے۔ وہ خود یحییٰ بن زکریا کی پیدائش ۱۲۰ھ بتاتے ہیں تو پھر عشرۂ متقدمین میں وہ کیسے شمار ہوئے؟ اور تیس سال تک علم کا ماہر ہونے کے ناتے کیسے مجلس فقہ کے کاتب بنے؟ فاعتبروا یا أولي الأبصار!

ایک عجیب کہانی:

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے مختلف صحیح اسانید سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ سے دو مرتبہ توبہ کروائی گئی: ''استیب أبو حنیفة مرتین''

اور اس بات کی بھی صراحت ہے کہ امام ابوحنیفہ قرآن کو مخلوق کہتے تھے۔ اسی مسئلے میں ان سے دو بار توبہ کروائی گئی اور بالآخر وہ اس بات کے قائل ہوگئے تھے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں۔ اس تفصیل کا یہ محل نہیں نہ ہی یہ ہمارا موضوع ہے۔ ہم یہاں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ابن ابی العوام نے اس حوالے سے جو کہانی قلم بند کی ہے وہ نہایت عجیب ہے۔

چنانچہ وہ ابوقطن عمرو بن ہیثم سے ذکر کرتے ہیں کہ میں نے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے کہا کہ آپ سے منقول ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کفر سے دو بار توبہ کروائی گئی ہے۔ کیا اس سے وہی کفر مراد ہے جو اسلام کے منافی ہے؟ امام سفیان رحمہ اللہ نے فرمایا: جب سے میں نے یہ بات کہی ہے مجھ سے تمھارے علاوہ اور کسی نے اس بارے میں نہیں پوچھا۔ پھر انھوں نے سر جھکایا پھر فرمایا: نہیں، یعنی کفر سے مراد ایسا کفر نہیں جو اسلام کے منافی ہے، بلکہ واصل الشاری جب کوفہ آیا تو ایک جماعت نے اس سے کہا کہ یہاں ایک آدمی ہے جو اہلِ معاصی کو کافر نہیں کہتا اور وہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہیں۔ اس نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو طلب کیا وہ تشریف لے گئے تو اس

نے کہا: اے شیخ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ اہلِ معاصی کو کافر نہیں کہتے؟ امام صاحب نے فرمایا: میرا یہی مذہب ہے کہ میں اہلِ معاصی کو کافر نہیں کہتا، واصل نے کہا: یہ کفر ہے اگر توبہ کرلو تو ہم توبہ قبول کریں گے اور توبہ نہ کرو تو ہم تمھیں قتل کر دیں گے۔ امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: میں کس بات سے توبہ کروں؟ اس نے کہا: اس (موقف) سے۔ امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: میں کفر سے توبہ کرتا ہوں۔

پھر اسے پتا چلا کہ امام صاحب رحمہ اللہ نے اس سے رجوع کر لیا ہے تو اس نے امام صاحب سے کہا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے اپنے قول سے رجوع کرلیا ہے اور تم اہلِ معاصی کو کافر نہیں کہتے۔ امام صاحب نے فرمایا: میرا یہی مذہب ہے۔ اس نے کہا ہمارے نزدیک یہ کفر ہے۔ اگر تم اس سے توبہ کر لو تو فبہا ورنہ ہم تمھیں قتل کر دیں گے۔ امام صاحب نے فرمایا: میں کس سے توبہ کروں؟ اس نے کہا: کفر سے توبہ کرو۔ امام صاحب نے فرمایا: میں کفر سے توبہ کرتا ہوں۔

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ وہ کفر ہے جس سے توبہ کروائی گئی تھی۔[1]

امام سفیان رحمہ اللہ سے مختلف اسانید سے جس توبہ کا ذکر کتاب السنۃ، تاریخ بغداد، التاریخ الکبیر للامام البخاری، المعرفۃ للفسوی، تاریخ ابی زرعۃ، الابانہ للامام الاشعری، المجروحین اور الانتقاء میں مذکور ہے، بلکہ ابن عبدالبر نے ذکر کیا ہے کہ امام زکریا بن یحییٰ الساجی نے علل الحدیث میں ایک باب اسی عنوان پر قائم کیا ہے:

"أنه استتيب من خلق القرآن فتاب"

اس کے برعکس ابن ابی العوام نے جو کہانی امام سفیان رحمہ اللہ کی زبانی نقل کی ہے وہ قابل التفات نہیں۔ اس لیے کہ اولاً ابن ابی العوام ہی کا قابلِ اعتبار ہونا ثابت نہیں جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔

---

[1] فضائل (ص: ٧٤، ٧٥، رقم: ٧٤)

ثانیاً: اس نے یہ کہانی حسن بن حماد سجادہ سے براہِ راست نہیں سنی بلکہ یہ کہا ہے: ”حدثت به عنه“ اب حسن بن حماد سجادہ سے ابن ابی العوام کو بیان کرنے والا کون ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ مبہم و مجہول ہے۔

علامہ کوثری کی کارستانی:

علامہ کوثری نے ابن ابی العوام سے یہی کہانی تانیب الخطیب[1] میں نقل کی ہے اور کہا ہے:

”وذلك ما حدثه ابن أبي العوام عن الحسن بن حماد سجادة“

پھر اس کہانی کے اختتام پر فرمایا ہے:

”وفي ذلك القول الفصل لأن أبا القاسم بن أبي العوام الحافظ صاحب النسائي وسجادة وأبو قطن كلهم من الثقات الأثبات“[2]

حالانکہ ابن ابی العوام کو ”الحافظ“ سے ملقب کرنا ایجادِ بندہ ہے۔ پھر محض کسی کا حافظ ہونا اس کی توثیق کو مستلزم نہیں، سلیمان شاذ کونی، محمد بن یونس کدیمی، احمد بن محمد ابوبشر مروزی مشہور حفاظ ہیں مگر کذاب و وضاع بھی ہیں۔

مزید یہ کہ ابن ابی العوام نے براہِ راست اس کا سماع الحسن بن حماد سجادۃ سے نہیں کیا جیسا کہ علامہ کوثری بڑی دلیری سے فرما رہے ہیں، بلکہ ان کے الفاظ ہیں:

”وجدت في كتابي من حديث الحسن بن حماد سجادة وقد حدثت به عنه“[3]

”میں نے اپنی کتاب میں حسن بن حماد سجادہ کی حدیث پائی جو مجھے ان سے بیان کی گئی۔“

---

[1] تانیب الخطیب (ص: ٩٧)

[2] تأنیب (ص: ٩٨)　[3] فضائل (ص: ٧٤)

غور فرمایئے! علامہ کوثری نے اسے متصل بنانے کے لیے ہاتھ کی صفائی کیسے دکھائی ہے۔ بلکہ علامہ معلّمی نے ذکر کیا ہے کہ ابن ابی العوام نے تو سجادہ کا زمانہ ہی نہیں پایا، کیونکہ سجادہ ۲۴۱ھ میں فوت ہوئے تھے اور امام نسائی رحمہ اللہ ان سے ایک واسطہ سے روایت کرتے ہیں۔[1]

حسن بن حماد جو ۲۴۱ھ میں فوت ہوئے اور امام نسائی، جو ابن ابی العوام کے استاد ہیں، ان سے ایک واسطے سے روایت کرتے ہیں۔[2] تو ان سے ابن ابی العوام جو ۳۳۵ھ میں فوت ہوئے براہِ راست روایت کیونکر سکتے ہیں؟ اس حقیقت کے برعکس اندازہ کیجیے علامہ کوثری نے اسے متصل بنانے میں کیسی ہوشیاری دکھلائی ہے۔

ایک اور ہوشیاری:

اسی ضمن میں یہ بھی دیکھیے کہ علامہ کوثری نے اسی بحث کے دوران میں لکھا ہے:

''ثم روى ابن عبد البر بسنده عن عبد الله بن داود الخريبي الحافظ تكذيب استابته مطلقا''[3]

''ابن عبدالبر نے اپنی سند سے حافظ عبداللہ بن داود الخریبی سے توبہ کروانے کی بات کی مطلقاً تکذیب کی ہے۔''

حالانکہ علامہ کوثری کو خوب معلوم ہے کہ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے الانتقاء[4] میں یہ قول محمد بن یونس کدیمی کے واسطے سے ذکر کیا ہے اور خود علامہ کوثری نے ایک قول پر نقد کرتے ہوئے کہا ہے:

''محمد بن يونس وهو الكديمى متكلم فيه، راجع ميزان الاعتدال''[5]

---

[1] التنكيل (۲۵۸/۱) [2] تهذيب (۲/ ۲۷۲)
[3] تأنيب (ص: ۹٦) [4] الانتقاء (ص: ۲۸۷) [5] تأنيب (ص: ۹۸)

''سند میں محمد بن یونس ہے اور وہ کدیمی ہے۔ جس میں کلام کیا گیا ہے، میزان الاعتدال کی مراجعت کیجیے۔''

ہم نے ان کے مشورہ پر میزان[1] میں اس کا ترجمہ دیکھا ہے، اسے امام ابوداود، موسیٰ بن ہارون، قاسم بن زکریا المطرز نے کذاب کہا ہے اور ابن عدی، ابن حبان اور دارقطنی رحمہ اللہ نے وضاع کہا ہے، حتی کہ ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس نے ایک ہزار سے زائد احادیث گھڑی ہیں۔ بعض نے اس کی توثیق بھی کی ہے مگر وہ اس قابل نہیں کہ اسے قابل اعتبار سمجھا جائے۔

کدیمی پر تفصیلی جرح ہمارا موضوع نہیں، ہم نے تو صرف یہ عرض کرنا ہے کہ جسے خود علامہ کوثری متکلم فیہ قرار دیتے ہیں اسی کے واسطے سے بیان کی ہوئی حکایت کو یہ کہہ کر عافیت سے گزر جاتے ہیں کہ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اسے اپنی سند سے بیان کیا ہے۔ مجال ہے کہ اس میں محمد بن یونس کدیمی نظر آئے، جس سے قارئین کرام ان کی بے اعتدالیوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

یہاں یہ لطیفہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ ابن ابی العوام نے اسی توبہ کے حوالے سے مزید حکایات بھی اس کی نفی کے بارے میں ذکر کی ہیں۔ جنھیں انھوں نے ''في التشنيع عليه وأذيته رحمه الله'' کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔ شیخ لطیف الرحمان فرماتے ہیں کہ علامہ ذہبی نے امام صاحب کے مناقب میں ''ابن ابی العوام کی روایات سے تعرض کیا ہے مگر اس فصل کی روایات ذکر نہیں کیں۔

قابلِ غور بات یہی ہے کہ ابن ابی العوام کی ان روایات سے علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے آخر تعرض کیوں نہیں کیا؟ جب کہ انھوں نے اس سے اور دیگر کتب سے محمد بن شجاع ثلجی، حسن بن زیاد لؤلؤی، ابوعصمۃ نوح الجامع، یحییٰ حمانی، اسماعیل بن حماد، احمد بن محمد

---

[1] المیزان (٤/ ٧٤)

بن مغلس، یوسف بن خالد سمتی وغیرہ جیسے کذابین ضعفاء اور مجاہیل کی روایات سے مناقب تو ذکر کیے ہیں مگر اس فصل کا کوئی قول ذکر کرنا ہی مناسب نہیں سمجھا، آخر کیوں؟

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کی رائے:

ابن ابی عوام نے ذکر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

"عجبا للناس يقولون إني أفتي بالرأي، ما أفتي الا بالأثر"[1]

"لوگوں پر تعجب ہے کہ وہ کہتے ہیں میں رائے پر فتویٰ دیتا ہوں، حالانکہ میں صرف "اثر" کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں۔"

بڑی اچھی بات تھی اگر یہ امام صاحب سے ثابت ہوتی۔ ابن ابی العوام کے علاوہ امام صاحب کے اس قول کا ناقل نعیم بن عمرو القُدیدی ہے جو مجہول ہے۔[2]

بلکہ یہ قول خود امام صاحب کے اس فرمان کے بھی خلاف ہے جو انھوں نے قاضی ابو یوسف سے فرمایا تھا:

"ويحك يا يعقوب لا تكتب كل ما تسمع مني، فإني قد أرى الرأي اليوم وأتركه غدا وأرى الرأي غدا، وأتركه بعد غد"[3]

"اے یعقوب! تم پر رحم ہو، ہر بات جو تم مجھ سے سنتے ہو نہ لکھا کرو، میں آج ایک رائے رکھتا ہوں اسے کل چھوڑ دیتا ہوں، ایک رائے کل اختیار کرتا ہوں تو اگلے روز اسے چھوڑ دیتا ہوں۔"

بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ، جن سے یہ نقل کیا جاتا ہے کہ لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے عیال ہیں، فرماتے ہیں:

---

[1] فضائل (ص: ١٨٩، رقم: ٣٥٦)

[2] میزان (٢٧٠/٤)، الجرح والتعديل (٤٦٣/٨)، المغني (٧٠١/٢)، دیوان (ص: ٣١٩) وغیرہ

[3] التاريخ يحيى بن معين (٢/ ٦٠٧، رقم النص: ٢٤٦١)

”أبو حنيفة يضع المسألة خطأ ثم يقيس الكتاب كله عليه“

”ابوحنیفہ ایک غلط مسئلے کو بنیاد بناتے ہیں پھر اس پر پوری کتاب (میں) قیاس کرتے ہیں۔“

اس کے جواب میں علامہ کوثری نے اعتراف کیا ہے:

”بل نعترف بأن المجتهد قد يخطيء في التفريع، ولأبي حنيفة بعض أبواب في الفقه من هذا القبيل ففي كتاب الوقف أخذ بقول شريح القاضي وجعله أصلا ففرع عليه المسائل فأصبحت فروع هذا الكتاب غير مقبولة حتى ردها صاحباه، هكذا فعل فى كتاب المزارعة حيث أخذ بقول إبراهيم النخعي وجعله أصلا ففرع عليه الفروع“[1]

”بلکہ ہم اعتراف کرتے ہیں کہ مجتہد مسئلے کی فروع میں غلطی کر جاتا ہے۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بعض فقہی ابواب اسی نوعیت کے ہیں، چنانچہ کتاب الوقف میں قاضی شریح رحمہ اللہ کے قول کو لیا اسے اصل بنایا پھر اس پر مسائل کے جزئیات کا فیصلہ کیا۔ یوں اس کتاب کی تفریعات غیر مقبول ٹھہریں، حتی کہ ان کے دونوں شاگردوں نے بھی اس کو ردّ کردیا۔ اسی طرح کتاب المزارعہ میں ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے قول کو اصل بنایا اس پر تفریعات کی بنیاد رکھی۔“

گویا علامہ کوثری نے اعتراف کیا ہے کہ کتاب الوقف اور کتاب المزارعہ سے متعلقہ امام ابوحنیفہ کے بیان کردہ مسائل درست نہیں ہیں۔ ”اثر“ کی اتباع کہاں ہے؟

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا وقف کے بارے میں موقف ہے کہ اسے فروخت کرنا جائز ہے۔ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے وقف کے

[1] تأنيب الخطيب (ص: ٢٠٣)

بارے میں پوچھا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہتے ہو اصل کو قبضے میں رکھو اور اس کی منفعت صدقہ کر دو، یا اصل کو ہی صدقہ کر دو:

"لا يباع ولا يوهب ولا يورث"[1]

"نہ اسے بیچا جائے نہ ہبہ کیا جائے نہ وراثت میں تقسیم کیا جائے۔"

قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کو جب اس حدیث کا علم ہوا تو انھوں نے فرمایا: ابن عون سے یہ حدیث کس نے سنی ہے؟ تو انھیں اسماعیل بن علیہ نے یہ روایت بیان کی۔ قاضی ابو یوسف نے کہا: کسی کو اس کی مخالفت کی گنجائش نہیں:

"ولو بلغ أبا حنيفة لقال به، فرجع عن بيع الوقف حتى صار كأنه لا خلاف فيه بين أحد"[2]

"اگر ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو یہ حدیث مل جاتی تو اس کے مطابق موقف اختیار کرتے اور بیع وقف سے رجوع کر لیتے یہاں تک کہ گویا اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔"

بلکہ ابن ابی العوام نے بھی امام طحاوی رحمہ اللہ سے یہی بات معمولی اختلافِ الفاظ سے فضائل[3] میں بیان کی ہے۔ غور فرمایئے کہ "اثر" پر فتویٰ کیا ہے؟

یہی نہیں علامہ سرخسی نے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقابلے میں قاضی ابو یوسف، امام محمد اور دیگر فقہاء کے استدلال کو ان الفاظ سے بیان کیا ہے:

"وحجتهم في ذلك الآثار المشهورة عن رسول الله ﷺ وعن الصحابة رضي الله عنهم عمر وعثمان وعلى وطلحة والزبير وعائشة وحفصة رضي الله عنهم فإنهم باشروا الوقف وهو باق إلى

---

[1] صحيح البخاري (رقم: ٢٧٦٤، ٢٧٧٢)

[2] فتح الباري (٥/٤٠٣) [3] (ص: ٣٢٧، رقم: ٧٥٥)

يومنا هذا وكذلك وقف إبراهيم الخليل عليه السلام باق إلى يومنا هذا، وقد أمرنا باتباعه إلخ"[1]

''اور ان کی اس بارے میں دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی مشہور آثار ہیں۔ ان صحابہ میں حضرت عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عائشہ، حفصہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ انھوں نے وقف چھوڑے جو آج ہمارے ایام تک باقی ہیں۔ اسی طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے اوقاف ہمارے ایام تک باقی ہیں اور ہمیں ان کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔''

یہ ''آثار مشہورہ'' تو امام صاحب کے خلاف ہیں۔ امام صاحب نے کس ''اثر'' پر فتویٰ دیا ہے؟

بلکہ امام محمد رحمہ اللہ کی اس بارے میں اپنے شیخ محترم سے خفگی علامہ سرخسی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

"وقد استبعد محمد رحمه الله قول أبي حنيفة في الكتاب لهذا وسماه تحكما على الناس من غير حجة، فقال: ما أخذ الناس بقول أبي حنيفة وأصحابه إلا بتركهم التحكم على الناس فإذا كانوا هم الذين يتحكمون على الناس بغير أثر ولا قياس لم يقلدوا هذه الاشياء ولو جاز التقليد كان من مضى من قبل أبي حنيفة مثل الحسن البصرى وإبراهيم النخعي رحمهما الله أحرى أن يقلدوا"[2]

''اور بے شک امام محمد رحمہ اللہ نے الکتاب میں اسی لیے امام ابوحنیفہ کا یہ قول بڑا بعید قرار دیا ہے اور اسے لوگوں پر دلیل کے بغیر تحکم قرار دیا ہے،

[1] المبسوط (۱۲/۲۸)
[2] المبسوط (۱۲/۲۸)

اور کہا ہے کہ لوگ ان کا اور ان کے اصحاب کا قول اس لیے لیتے ہیں کہ وہ تحکم نہیں کرتے، اگر بلا دلیل اور بغیر قیاس وہی تحکم کرنے لگیں تو ان باتوں میں کوئی بھی ان کی تقلید نہ کرتا۔ اگر تقلید جائز ہوتی تو امام ابوحنیفہ سے پہلے جو ہو گزرے ہیں مثلاً: امام حسن بصری اور ابراہیم نخعی رحمہما اللہ وہ زیادہ لائق ہیں کہ ان کی تقلید کی جائے۔''

یہاں تو اس مسئلے میں امام محمد رحمہ اللہ امام صاحب رحمہ اللہ کے موقف کو ''بلا اثر'' اور تحکم قرار دیتے ہیں۔ اس لیے ابن ابی العوام نے ایک مجہول سند سے امام صاحب کا جو قول نقل کیا ہے وہ امر واقع کے بھی خلاف ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ کا ''صاحب الرأی'' ہونا ایسی معلوم و معروف حقیقت ہے کہ علامہ سمعانی نے الانساب میں ''الرأي'' کی نسبت سے امام صاحب کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے:

''صاحب الرأي وإمام أصحاب الرأي وفقيه أهل العراق''[1]

''آپ صاحب رائے ہیں، اصحاب الرائے کے امام ہیں اور اہلِ عراق کے فقیہ ہیں۔''

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''أبو حنيفة صاحب الرأي''[2]

یہ اور اسی نوعیت کی متعدد نصوص اس بات کی دلیل ہیں کہ امام صاحب کو صاحب الرائے کہا جاتا تھا۔

بلکہ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کے لیے امام صاحب رحمہ اللہ کا اپنا فرمان ہی اس کے ثبوت کی دلیل ہے کہ آئے دن موقف میں تبدیلی رائے وقیاس کا نتیجہ ہے، ''اثر'' کا

[1] الإنساب (۳/۳۷)

[2] التاريخ برواية الدوري (۲/۶۰۷)

نہیں۔ اگر یہ تبدیلی ''اثر'' کی بنیاد پر ہوتی تھی تو اس کے لکھنے کی ممانعت میں کوئی معقولیت نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ابن ابی العوام نے یہ بھی ذکر کیا کہ انھوں نے فرمایا:

''هذا الذي نحن فيه رأي لا نجبر أحدا عليه ولا نقول يجب على أحد قبوله، فمن كان عنده أحسن منه فليأت به''[1]

''یہ ہماری رائے ہے، ہم اس کو منانے کے لیے کسی پر جبر نہیں کرتے اور نہ یہ کہتے ہیں کہ اسے قبول کرنا واجب ہے، جس کے پاس اس سے بہتر (رائے) ہو وہ اسے پیش کرے۔''

یہی قول معمولی اختلافِ الفاظ سے خطیب بغدادی نے تاریخ[2] میں اور علامہ ابن عبدالبر نے الانتقاء[3] میں ذکر کیا ہے۔ امام صاحب کا یہ قول بھی ان کی رائے کے حوالے ہی سے ہے، ''اثر'' کے تناظر میں نہیں، کیونکہ ''اثر'' سے بہتر اور کیا ہے جس کے پیش کرنے کا وہ حکم فرماتے ہیں۔ اس سے بھی ابن ابی العوام کے بیان کیے ہوئے مذکور الصدر قول کی حیثیت کو سمجھا جا سکتا ہے۔

امام صاحب کی بعض مسانید:

ابن ابی العوام کی یہ کتاب ''فضائل أبي حنيفة'' دراصل امام صاحب کے فضائل و مناقب پر مشتمل ہے، تاہم اس میں ان کی بعض مسانید بھی ہیں۔ علامہ خوارزمی نے ''جامع المسانید'' میں جن مسانید کو جمع کیا ہے ان کا ایک ماخذ ابن ابی العوام کی اس کتاب میں مروی امام صاحب کی روایات بھی ہیں۔ ہمارے تتبع کے مطابق یہ کل ۳۲ روایات ہیں جن میں کچھ بلاغاً اور باقی بالاسناد مروی ہیں۔

ابن ابی العوام نے ان کے علاوہ کچھ وہ روایات بھی مسنداً ذکر کی ہیں جو امام

---

[1] فضائل (ص: ۱۰۱، رقم: ۱۴۸)

[2] تاریخ بغداد (۱۳/ ۳۵۲) [3] الانتقاء (ص: ۲۵۷، ۲۵۸)

صاحب رحمہ اللہ کے واسطے سے مروی نہیں۔ ان کی تعداد تقریباً چھے ہے۔

کتاب کی تحقیق میں گو شیخ لطیف الرحمٰن صاحب نے حسبِ ذوق محنت کی ہے مگر روایات کی تخریج و تحقیق میں ان کی تحقیق علمی معیار پر پوری نہیں اترتی یا ممکن ہے کہ وہ اس میں کسی مصلحت کا شکار ہوں۔ ہم یہاں بعض روایات اور ان پر ان کی تعلیقات کا حال مختصراً ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں:

پہلی حدیث:

ابن ابی العوام نے امام صاحب رحمہ اللہ کی سند کے علاوہ ایک روایت قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کی سند سے بواسطہ محمد بن السائب عن ابی صالح عن ابن عباس ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بچے کے بارے میں پوچھا گیا جس کا ''قبل'' و ''ذکر'' ہے (یعنی اس کی شرم گاہ عورت و مرد دونوں کی طرح تھی)، اس کی وراثت کیسے ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((من حيث يبول)) اس کا حکم اس کے پیشاب نکلنے کی جگہ سے ہے۔ اگر ''قبل'' سے نکلتا ہے تو عورت، اگر ''ذکر'' سے نکلتا ہے تو مرد کے مشابہ شمار ہوگا۔[1]

شیخ لطیف الرحمان نے فرمایا ہے کہ اسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے السنن الکبری[2] میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ محمد بن سائب الکلبی ''لا يحتج به''

بلاشبہ یہاں امام بیہقی نے یہی فرمایا ہے مگر کیا شیخ لطیف الرحمان اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ محمد بن سائب کلبی متہم بالکذب ہے اور اس کا استاد باذام ابو صالح بھی ضعیف اور مدلس ہے، جیسا کہ تقریب[3] میں ہے، بلکہ خود کلبی کا کہنا ہے کہ مجھے ابو صالح نے کہا کہ جو میں تمھیں بیان کرتا ہوں جھوٹ ہوتا ہے۔

حافظ عبدالحق نے ''الاحکام'' میں اسے ضعیف کہا تو حافظ ابن القطان نے ان

---

1. فضائل (ص: ۲۳۲، رقم: ۴۹۰)
2. السنن الکبریٰ (۶/۲۶۱)
3. تقریب (ص: ۲۹۸، ۴۲)

پر تعاقب کیا کہ وہ متروک ہے۔ اور امام ابن حبان نے کہا ہے کہ اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا نہیں۔[1] بلکہ خود امام بیہقی رحمہ اللہ نے دونوں کو متروک اور کذاب کہا ہے۔[2] نیز کہا ہے: "متروك لا يحتج"[3]

اور کلبی کا یہ قول بھی ذکر کیا ہے کہ مجھے ابوصالح نے کہا کہ جو میں تمھیں حدیث بیان کرتا ہوں جھوٹ ہوتا ہے۔[4]

"المعرفة" میں امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فهذا مما لا يحل الاحتجاج به، والإجماع على ترك الاعتماد على رواية الكلبي والعزرمي"[5]

"اس سے استدلال حلال نہیں، کیونکہ کلبی اور عزرمی کی روایت پر بالاجماع ترکِ اعتماد ہے۔"

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"أبوصالح هذا والكلبي ومحمد بن مروان كلهم متروك عند أهل العلم بالحديث، لا يحتجون بشيء من رواياتهم لكثرة المناكير فيها وظهور الكذب منهم في رواياتهم"[6]

"یہ ابوصالح اور کلبی اور محمد بن مروان محدثین کے نزدیک متروک ہیں۔ وہ ان کی روایات میں کثرتِ مناکیر اور کذب ظاہر ہونے کی وجہ سے احتجاج نہیں کرتے۔"

اسی صفحے پر انھوں نے مزید جرح بھی ذکر کی ہے اور امام حبیب بن ابی ثابت

---

① تهذيب (١/٤١٧)

② ملاحظہ ہو: السنن الكبرىٰ (٨/١٢٣، ١٤٠)

③ السنن (٨/٣٠٤)

④ السنن الكبرىٰ (٨/١٢٣، ١٠/٢٩٠)

⑤ المعرفة (٧/٥٠٥)

⑥ الأسماء والصفات (٢/١٥٦)

سے نقل کیا ہے کہ ہم ابوصالح کا نام ''دروغ زن'' یعنی کذاب رکھتے تھے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''السنن'' میں تو صرف محمد بن سائب کلبی کے بارے میں ''لا یحتج به'' کہا ہے جب کہ المعرفة[1] میں کلبی اور ابوصالح دونوں کو ''لا یحتج به'' کہا ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ کے اس کلام سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ ''لا یحتج به'' کو جو عموماً پانچویں مرتبے کی جرح شمار کیا گیا ہے، امام بیہقی اس کا اطلاق متروک و کذاب پر بھی کرتے ہیں اور ان کے نزدیک یہ جرح تیسرے مرتبے کی ہے۔ ''لا یحتج'' کے ساتھ ''متروک'' کا ذکر کرنا اس کا واضح قرینہ ہے جیسا کہ السنن الکبریٰ[2] میں ہے۔

ہماری اس وضاحت سے شیخ لطیف الرحمان کی اس تعلیق کا ادھورا پن نمایاں ہوجاتا ہے۔ یہ روایت امام بیہقی نے المعرفة[3] اور امام ابن عدی نے الکامل[4] میں بھی ذکر کی ہے۔

علامہ کوثری کی عصبیت:

یادش بخیر! علامہ کوثری نے ایک جگہ بڑے دھڑلے سے فرمایا ہے کہ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ غیر ثقہ راوی سے روایت نہیں کرتے۔ ان کے الفاظ ہیں:

''ومن البعيد على مثل أبي يوسف في فقهه ودينه ويقظته وإمامته أن يروي عمن هو غير ثقة''[5]

''امام ابو یوسف جیسے کی فقاہت، تدین، ہوشیاری وامامت سے بعید ہے کہ وہ غیر ثقہ سے روایت کریں۔''

---

[1] المعرفة (٥/ ٧٧، رقم: ٣٨٩٤) [2] السنن الكبرىٰ (٣٠٤/٨)

[3] المعرفة (٧٧/٥) [4] الكامل (٢١٣١)

[5] النكت الطريفة (١٨٢)، في صدقة الخيل والرقيق

اہلِ علم جانتے ہیں علامہ کوثری رحمہ اللہ اپنے مخصوص نظریات کی تائید میں بڑے سے بڑا دعویٰ کرنے میں بڑے دلیر ہیں اور اپنے موقف کی مخالفت میں کسی بڑے سے بڑے محدث پر بلاوجہ کیچڑ اچھالنے پر یدطولیٰ رکھتے ہیں جس کی تفصیل کا نہ یہ محل ہے، نہ ہی یہ ہمارا موضوع ہے۔ یہاں بھی قاضی ابویوسف کے دفاع میں جو دعویٰ انھوں نے داغ دیا ہے ان کی عصبیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

قاضی ابویوسف رحمہ اللہ کے متروک اور ضعیف اساتذہ:

① ابن ابی العوام کی یہ ''فضائل ابی حنیفہ'' ان کے سامنے ہے اور ''تانیب'' میں جا بجا اس کے حوالے دیے ہیں۔ اسی کتاب میں قاضی ابویوسف کے استاد محمد بن سائب کلبی ہیں، قارئین کرام اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ قاضی صاحب اپنے تمام تر القابات کے باوصف کلبی سے روایت لیتے ہیں جو ان کے استاد ہیں۔ بتلایئے ان ''القابات'' کے سہارے یہ اصول کہاں تک درست ہے کہ وہ غیر ثقہ سے روایت نہیں لیتے؟

② بلکہ قاضی ابویوسف رحمہ اللہ کی کتاب الآثار بھی علامہ کوثری کے پیشِ نظر ہے جس میں وہ روح بن مسافر سے روایت کرتے ہیں۔[1]

اس کے بارے میں امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے "لایکتب حدیثه، لیس بثقة، ضعیف" کہا ہے۔ امام ابوداود، امام احمد اور جوزجانی رحمہم اللہ نے اسے متروک کہا ہے۔ ابوحاتم رحمہ اللہ نے "ضعیف، لا یکتب حدیثه" کہا۔ امام ابن مبارک نے اسے ترک کر دیا تھا۔ امام نسائی اور ساجی رحمہما اللہ نے "لیس بثقة ولا مأمون" کہا۔ امام حاکم رحمہ اللہ اور النقاش نے کہا ہے: وہ امام اعمش سے موضوعات روایت کرتا ہے۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا ہے: ثقہ راویوں کے نام سے موضوعات بیان کرتا

[1] الآثار (ص: ۱۹۳، رقم: ۸۷۵)

ہے، اس سے روایت لینا حلال نہیں۔ انھوں نے اس کی ایک موضوع حدیث کو بھی ذکر کیا ہے۔ جیسے علامہ ابن طاہر نے تذکرۃ الموضوعات [1] میں، علامہ ابن جوزی نے بھی الموضوعات [2] میں، علامہ سیوطی نے اللآلیء [3] میں اور علامہ ابن عراق رحمہ اللہ نے تنزیہ الشریعۃ [4] میں ذکر کیا ہے۔ مزید دیکھیے: میزان، لسان اور مجروحین وغیرہ۔ [5]

③ نصر بن طریف ابوجزء بھی قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کے استاد ہیں اور الآثار [6] میں قاضی صاحب نے اس سے روایت لی ہے۔ اسی نصر کے بارے میں امام ابن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ ثبت نہ تھا، انھوں نے اس کی حدیث ترک کردی تھی۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لا یکتب حدیثه" امام نسائی رحمہ اللہ، امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے اسے متروک کہا۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے "لیس بشيء ولا یکتب حدیثه" بھی کہا ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں: اس کے ضعف پر اجماع ہے۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے کہا کہ عدی بن فضل متروک ہے مگر نصر بن طریف کا حال اس سے بھی بُرا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: "سکتوا عنه"

یہ بیمار ہوا تو اس نے امام عبدالرحمان بن مہدی کو بلایا اور کہا کہ فلاں فلاں حدیث آپ نے مجھ سے کس طرح لکھی ہے؟ انھوں نے فرمایا: تم نے مجھے وہ قتادۃ سے بیان کی ہیں۔ کہنے لگا: انھیں بواسطہ سعید عن قتادۃ کر دیجیے۔ ابن مہدی فرماتے ہیں: یوں اس نے گیارہ احادیث لکھوائیں جو میں نے اس سے قتادہ سے لکھی تھیں جنھیں اب وہ اپنے اور قتادہ رحمہ اللہ کے درمیان ایک راوی کے واسطے سے بیان کر رہا تھا۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے، آپ نے بہت اچھا کیا (جو وضاحت

---

[1] تذکرة الموضوعات (رقم: ٢٦٧)
[2] الموضوعات (٢٢١/٣)
[3] اللآلیء (١٩٩/٢)
[4] تنزیة الشریعة (٢٢١/٢)
[5] میزان (٦١/٢)، لسان (٤٦٧/٢)، مجروحین (٢٩٩/١)
[6] الآثار (ص: ١٥١، رقم: ٦٩٧)

کر دی)۔ مگر جب صحت بحال ہوگئی تو پھر انہی روایات کو براہِ راست قتادہ سے روایت کرنے لگا۔ اس کے بعد امام عبدالرحمان بن مہدی رحمہ اللہ نے اسے چھوڑ دیا اور لوگوں کو اس واقعے سے مطلع کر دیا۔

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جھوٹ بولنے اور حدیث گھڑنے میں وہ معروف تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے: سب نے اسے ضعفاء میں شمار کیا ہے، مجھے معلوم نہیں کسی نے اس کی توثیق کی ہو۔[1]

مگر افسوس! کہ علامہ کوثری کے نزدیک قاضی ابو یوسف نے کسی ضعیف سے روایت نہیں کی! یہی نہیں بلکہ کتاب الآثار میں ابان بن ابی عیاش، عطاء بن عجلان، غالب بن عبید اللہ جزری، ابوبکر الہذلی جیسے متروکین اور منہال بن خلیفہ، اسماعیل بن مسلم، لیث بن ابی سلیم، سعید بن مرزبان، روح بن مسافر جیسے ضعفاء سے بھی قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں۔[2] یہ صرف کتاب الآثار کے ضعیف اور متروک راوی ہیں۔ باقی کتب کے راوی اس پر مستزاد ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ امام ابن عدی نے کہا ہے:

"إنه يروي عن الضعفاء الكثير مثل الحسن بن عمارة وغيره"[1]

''وہ حسن بن عمارہ وغیرہ جیسے بہت سے ضعفاء سے روایت کرتے ہیں۔''

اس کے برعکس نہ امام ابو یوسف نے فرمایا ہے کہ میں ثقات سے ہی روایت لوں گا نہ متقدمین میں سے کسی نے صراحت کی ہے وہ ثقات سے ہی روایت کرتے ہیں۔ ان حقائق کے برعکس یہ کیونکر باور کر لیا جائے کہ وہ ثقہ سے ہی روایت کرتے

---

[1] میزان (٤/٢٥١)، لسان (٦/١٥٣)

[2] ملاحظہ ہو: کتاب الآثار (ص: ٧٤، ٨٧، ١٣٦، ١٣٧، ١٣٥، ١٤١، ٩٢، ١٦٦، ١٩٣)

[3] لسان (٦/٣٠١)

ہیں۔ یہ خوش اعتقادی میں حنفی اصول تو ہو سکتا ہے، محدثین کا یہ اصول قطعاً نہیں۔

دوسری حدیث:

ابن ابی العوام نے اپنی سند سے امام ابوحنیفہ کی ایک روایت بواسطہ "الزهری عن سعيد بن المسيب عن أبي هريرة" بیان کی ہے جس کے الفاظ ہیں: "ما كلكم يجد ثوبين"[1]

شیخ لطیف الرحمان صاحب نے اس کی تحقیق میں فرمایا ہے کہ مسند حمیدی، مسند احمد، ابن ماجہ وغیرہ میں یہ بواسطہ سفیان بن عیینہ عن الزہری مروی ہے۔ مگر افسوس کہ نہ تو انھوں نے ابن ابی عوام کی سند کی کوئی حقیقت بیان کی نہ ہی یہ ذکر کیا کہ امام ابوحنیفہ سے یہ روایت کہاں ہے اور کیسی ہے؟

علامہ خوارزمی نے جامع المسانید[2] میں یہ روایت مسند قاضی ابوبکر محمد بن عبدالباقی، مسند حافظ طلحہ، مسند ابن خسرو، مسند الحارثی، مسند محمد بن مظفر کے حوالے سے نقل کی ہے مگر ابن ابی عوام کے حوالے سے یہ روایت ذکر نہیں کی۔ پھر اس کی سند میں محمد بن ولید بن بحر اور اس کا استاد عبداللہ بن محمد دونوں مجہول ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے:

"محمد بن وليد بن بحر المنكثي روى عن عبد الله بن محمد التباعي حديثا منكرا حدث به محمد بن سعيد القاضي، قال الدارقطني في كل منهم: مجهول والخبر لا يثبت"[3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہی بات عبداللہ بن محمد التباعی کے ترجمے میں نقل کی ہے اور اُس روایت کو بھی ذکر کیا ہے جو مؤذن کی فضیلت کے بارے میں ہے،[4] ترجمہ سوید

---

[1] فضائل (ص: ۱۹۱، رقم: ۳٦۲)

[2] جامع المسانید (۱/ ۳۵٤، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳٦۰)

[3] لسان (۵/٤۱۹)

[4] ملاحظہ ہو: لسان (۳/۳۵۲، ۱۳۰)

بن عبداللہ۔ آخر ابن ابی عوام کی سند سے شیخ لطیف الرحمان کا اغماض، چہ معنی دارد؟

پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اس روایت میں اختلاف ہے۔ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ اور یحییٰ بن نصر بن حاجب امام صاحب سے روایت کرتے ہیں۔ یحییٰ کی روایت مرسلاً ہے جب کہ ابو یوسف اسے امام صاحب سے بواسطہ ابوالعطوف جراح بن منہال عن الزہری متصلاً روایت کرتے ہیں۔[1]

بلکہ امام زفر رحمہ اللہ بھی امام صاحب سے بواسطہ جراح بن منہال روایت کرتے ہیں۔[2] جب کہ ابوقرۃ موسیٰ بن طارق، عبدالعزیز بن خالد، سعید بن صلت اور محمد بن مسروق اسے امام صاحب سے بغیر واسطۂ ابوالعطوف بیان کرتے ہیں۔ کتاب الآثار میں امام ابوحنیفہ کا واسطہ گرا ہوا ہے، جیسا کہ اس کی وضاحت مولانا ابوالوفاء نے حاشیے میں کر دی ہے۔ بلکہ ابو محمد عبداللہ حارثی نے کہا ہے:

"ربما أدخل بينه وبين الزهري رجلا آخر وربما ذكر الجراح بن منهال"[3]

''بسا اوقات امام صاحب رحمہ اللہ اپنے اور امام زہری رحمہ اللہ کے درمیان ایک اور راوی کا اضافہ کرتے ہیں اور کبھی جراح بن منہال کا ذکر کرتے ہیں۔''

بلکہ ابو قرۃ موسیٰ بن طارق جب اسے روایت کرتے تھے تو کہتے تھے: "سمعت أبا حنيفة يذكر عن الزهري" ''میں نے ابوحنیفہ سے سنا وہ اسے زہری سے ذکر کرتے تھے۔''[4]

---

1. کتاب الآثار (رقم: ١٦٢)، جامع المسانيد (١/٣٥٤، ٣٦٠)
2. ملاحظہ ہو: مسند الإمام لأبي نعيم (رقم: ٢٣، ٧١، ص: ١٨٨، ٢٣٠)
3. جامع المسانيد (١/٣٥٩)، مسند الحارثي (١/٢٢٦)
4. مسند الحارثي (١/٢٢٩)، فضائل ابن أبي عوام (ص: ١٩١)، مسند الإمام لأبي نعيم (١٩١، ١٨٨، ٢١، ٢٦)، مسند ابن خسرو (٢/٨١٨)، جامع المسانيد (١/٣٥٩)

اور یہ صورت اتصال کی نہیں انقطاع کی ہوتی ہے۔ بلکہ امام ابونعیم نے کہا ہے: "ویختلف في لقائه مع الزهري" "امام صاحب رحمہ اللہ کی امام زہری رحمہ اللہ سے ملاقات میں اختلاف ہے۔"[1]

ممکن ہے کہ امام صاحب کی امام زہری رحمہ اللہ سے اس روایت میں اختلاف کے تناظر میں امام ابونعیم نے دونوں کے مابین ملاقات کو مختلف فیہ قرار دیا ہو۔ واللہ اعلم

اس کے علاوہ مسند حارثی میں محمد بن مسروق کی روایت میں امام صاحب نے اسے موقوف بیان کیا ہے۔ "ولم یرفعه" کے صاف لفظ ہیں۔ مگر ابن خسرو نے اسے بواسطہ محمد بن مسروق عن ابی حنیفہ مرفوعاً بیان کیا ہے۔ بلاشبہہ امام زہری رحمہ اللہ سے یہ روایت موقوفاً بھی حضرت ابو ہریرہ سے موطا وغیرہ میں ہے مگر اس کے یہ الفاظ قطعاً نہیں۔ امام صاحب کی روایت میں اس اختلاف سے شیخ لطیف الرحمان صاحب کا صرف نظر بھی ان کی غفلت اور اصل بحث سے گریز کا نتیجہ ہے۔

تیسری حدیث:

ابن ابی العوام نے امام صاحب رحمہ اللہ سے بواسطہ "علقمة بن مرثد عن سليمان بن بريدة عن أبيه" ایک مرفوع حدیث ذکر کی ہے جس کے الفاظ ہیں:

«الدال على الخير كفاعله»[2]

قارئینِ کرام! یہ معلوم کر کے حیران ہوں گے کہ شیخ لطیف الرحمان صاحب نے اس سند کے بارے میں تو بالکل چپ سادھ لی مگر شواہد کے طور پر اس روایت کا حضرت ابومسعود انصاری، انس، سہل بن سعد اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے ذکر کرنے میں بڑی طول بیانی کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ بتلایئے کتاب کی تحقیق کا یہی تقاضا ہوتا ہے؟

حالانکہ مسند امام حارثی، جو "فضائل" سے ایک سال پہلے شائع ہوئی، اس میں

---

[1] مسند الإمام لأبي نعيم (ص:١٩١)
[2] فضائل (ص: ٢٠٧، رقم: ٤٠٢)

یہ روایت موجود ہے اور اس کی تخریج بھی مسند امام احمد وغیرہ سے کی گئی ہے اور مسند امام احمد[1] سے نقل کیا ہے کہ امام عبداللہ بن احمد نے فرمایا کہ امام احمد نے "أخبرنا أبو فلانة" کہا ہے اور فرمایا:

"كذا قال أبي، لم يسمه على عمد وحدثنا غيره فسماه يعني أبا حنيفة"

"میرے والد نے قصداً نام نہیں لیا، "أبو فلانة" کہا۔ ان کے علاوہ دوسروں نے ہمیں یہ حدیث بیان کی تو انھوں نے اس کا نام ابوحنیفہ لیا۔"

بلکہ ساتھ علامہ ہیثمی سے یہ بھی نقل کیا:

"رواه أحمد وفيه ضعف ومع ضعفه لم يسم"[2]

"اسے امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا اور اس میں ضعف ہے۔ اس کے ضعف کے ساتھ اس کا نام نہیں لیا۔"

ہمیں معلوم ہے کہ شیخ لطیف الرحمان پر امام صاحب کے بارے میں علامہ ہیثمی کا تبصرہ گراں گزرتا ہے۔ مگر مسند حارثی کے محولہ بالا حوالے میں ان کی خاموشی معنی خیز ہے، کیونکہ حضرت موصوف علامہ ہیثمی کے بارے میں دیگر مقامات پر فرماتے ہیں:

"أسلوبه يدل على أنه يقصد به الإمام أبا حنيفة، فلو كان هذا فهو مما يطعن به"

"علامہ ہیثمی کا اسلوب بتلاتا ہے کہ وہ اس سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مراد لیتے ہیں۔ اگر یہ اسی طرح ہے تو وہ خود اس وجہ سے قابلِ طعن ہیں۔"[3]

مگر اوپر مسند امام احمد کی روایت پر علامہ ہیثمی رحمہ اللہ کے تبصرے پر خاموشی اس بات کی غماز ہے کہ اگر یہ قابلِ طعن ہے تو امام احمد رحمہ اللہ کا نام نہ لینا چہ معنی دارد؟

---

[1] مسند أحمد (٥/ ٣٥٧) [2] حاشية مسند الحارثي (٢/ ٦١٦)

[3] ملاحظہ ہو: مسند الحارثي (١/ ١٨٢)، فضائل (ص: ٢٢١)

شاید اسی مصلحت کی بنا پر وہ یہاں علامہ ہیثمی رحمہ اللہ کے تبصرے پر خاموش ہیں۔

چوتھی حدیث:

ابن ابی عوام نے اپنی سند سے امام صاحب رحمہ اللہ کی ایک حدیث: ''علي بن الأقمر عن أبيه'' سے ذکر کی ہے جس کے الفاظ ہیں:

''إن الله تبارك وتعالى لم يترك داء إلا أنزل له شفاء فعليكم بألبان البقر''[1]

شیخ لطیف الرحمان صاحب اس روایت کے بارے میں بالکل خاموش ہیں۔ یہ روایت امام صاحب کی مسانید میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے بلکہ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کتبِ احادیث میں موجود ہے۔ مگر جس سند سے ابن ابی عوام نے یہ روایت ذکر کی ہے اس کی نوعیت کیا ہے؟ ملاحظہ فرمایئے:

یہ روایت امام صاحب سے عبدالعظیم بن حبیب الفہری بیان کرتے ہیں جو قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔ یہی وہ ''بزرگ'' ہیں جنھوں نے ایک اور حدیث امام صاحب سے اسی سند سے بیان کی ہے:

''المطعون شهيد والنفساء شهيد والغريب شهيد ومن مات يشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله فهو شهيد''

اس روایت کو حافظ ذہبی نے اس کی ''بلایا'' میں سے شمار کیا ہے۔ اسی بنا پر علامہ حلبی نے اسے وضاعین میں شمار کیا ہے اور ''الكشف الحثيث عمن رمي بوضع الحديث'' (رقم: ٤٤٩) میں ذکر کیا ہے۔ شیخ ابوغدہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ''بلایا'' کا اطلاق موضوعات واکاذیب پر ہوتا ہے۔[2]

---

[1] فضائل (ص: ٢٤١، رقم: ٥٠٤)
[2] حاشية الرفع والتكميل (ص: ١٧١)

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں ''لیس بثقة'' کہا ہے، ان کا مکمل کلام یوں ہے: ''لیس بثقة کثیر الغلط''[1]

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ''لم یکن بالقوي'' بھی کہا ہے۔ ابن حبان نے گو ثقات میں ذکر کیا ہے مگر ساتھ ''ربما خالف'' بھی کہا ہے،[2] بلکہ امام ابن شاہین رحمہ اللہ نے ''الاقمر'' کا صحابی ہونا ہی مشکوک قرار دیا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''إن صحح أنه صحابي وإلا فالحديث مرسل''[3]

''اگر صحیح ہے کہ وہ صحابی ہیں (تو فبہا) ورنہ یہ حدیث مرسل ہے۔''

خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے متروک کہا ہے۔[4]

علامہ ذہبی نے الاقمر کے ترجمے میں فرمایا ہے:

''یروی حدیث واہ عن علي بن الأقمر عن أبیه''[5]

''ایک واہی حدیث علی بن اقمر عن ابیہ سے بیان کی جاتی ہے۔''

جس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ عبدالعظیم متروک اور اس کی حدیث نا قابلِ اعتبار ہے۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اگرچہ اسے ثقات میں ذکر کیا ہے مگر اس سے عبدالعظیم کی توثیق ثابت نہیں ہو جاتی۔ انھوں نے تو عمرو بن زیاد الباہلی، حامد بن آدم مروزی، عبدالوہاب بن ہشام، حجاج بن تمیم اور حجاج بن فروخ جیسے کذابین وضعفاء کو بھی ثقات میں ذکر کر دیا ہے تو کیا انھیں بھی قابلِ اعتبار سمجھ لیا جائے؟

شیخ لطیف الرحمان صاحب اس حقیقت سے بے خبر نہیں، انھوں نے عبدالعظیم کے ترجمے کے لیے ''الثقات'' اور ''اللسان'' کی طرف اشارہ تو کر دیا ہے مگر اس کی نوعیت بیان کرنے کے بجائے خاموشی ہی میں عافیت سمجھی ہے۔

---

[1] العلل للدارقطني (٩/٢٤١)

[2] میزان (٢/٦٣٩)، المغني (٢/٤٠٠)، لسان (٤/٤٠) [3] الإصابة (١/٢١٤)

[4] تبصیر المنتبة (٢/٦٠٨) [5] تجرید أسماء الصحابة (ص: ٢٦)

پانچویں حدیث:

ابن ابی العوام نے امام صاحب رحمہ اللہ کی ایک حدیث ''الزہری عن انس'' سے ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے متعہ سے منع فرمایا ہے۔[1]

شیخ لطیف الرحمان صاحب نے اس کے بارے میں بھی خاموشی میں عافیت سمجھی ہے، البتہ یہ ذکر فرمایا ہے کہ طحاوی وغیرہ میں یہ زہری عن سالم عن ابن عمر سے روایت ہے اور فلاں فلاں صحابی سے اس کے شواہد ہیں۔

جب کہ ابن ابی العوام کی روایت میں امام صاحب رحمہ اللہ سے روایت کرنے والے صباح بن محارب ہیں۔ اور صباح کی روایت جامع المسانید[2] میں ابو محمد البخاری الاستاد، حافظ طلحہ بن محمد کی مسانید کے حوالے سے منقول ہے بلکہ المسند لابن خسرو[3] میں اور المسند لابی نعیم[4] میں بھی موجود ہے۔ اور امام ابونعیم نے کہا ہے:

''تفرد به الصباح عن أبي حنيفة وأخطأ فيه''

صباح بلاشبہ ثقہ وصدوق ہیں مگر امام ابونعیم کا غالباً اشارہ یہ ہے کہ صباح نے جو امام صاحب سے اسے بواسطہ زہری حضرت انس سے روایت کیا ہے اس میں صباح سے خطا ہوئی ہے۔ کیونکہ امام صاحب سے یہ روایت بواسطہ الزہری عن محمد بن عبید اللہ عن سبرہ ہے، جیسا کہ محمد بن حسن، حسن بن زیاد، زیاد بن حسن، قاسم بن الحکم، ایوب بن ہانی، اسحاق اور صلت بن الحجاج امام صاحب رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں۔ اکیلے صباح ان سے بواسطہ ''زہری عن انس'' بیان کرتے ہیں۔

اور جامع المسانید[5] میں جو اسی روایت میں محمد بن حسن کو صباح بن محارب کا

---

[1] فضائل (ص: ۲٤۱، رقم: ۵۰۳) [2] جامع المسانید (۸۷/۲)

[3] المسند لابن خسرو (رقم: ۱۰۷۲، ۱۰۷٤)

[4] المسند لابی نعیم (رقم: ۳۰) [5] جامع المسانید (۲/ ۸۷)

متابع ظاہر کیا گیا ہے وہ سنداً قطعاً قابلِ اعتبار نہیں۔ محمد بن حسن کی روایت میں یہ امام صاحب سے بواسطہ محمد بن عبید اللہ ہے، جیسا کہ کتاب الآثار[1] وغیرہ میں ہے۔ ''جامع المسانید'' میں قاضی محمد بن عبدالباقی کی مسند سے جو سند ہے اس میں احمد بن عبداللہ اللجلاج سخت ضعیف ہے۔ جامع المسانید میں ''أحمد بن عبد الله بن الثلاج عن علي بن معبد عن محمد بن الحسن عن أبي حنيفة'' ہے مگر صحیح احمد بن عبداللہ اللجلاج ہے۔ اسی کے ترجمے میں اسی سند سے ''أبو حنيفة عن الهيثم الصيرفي عن عكرمة عن ابن عباس'' ایک حدیث ثمن کلب الصید کے بارے میں ہے جو مسند حارثی اور مسند ابن خسرو وغیرہ کے حوالے سے جامع المسانید[2] کی بھی زینت ہے۔

امام عبدالحق نے کہا ہے: یہ حدیث باطل ہے۔ ابن عدی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ وہ باطل روایات امام ابوحنیفہ سے روایت کرتا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے کہا: ''له مناكير بواطيل'' امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی ضعیف کہا ہے۔[3]

امام ابوزرعہ رحمہ اللہ نے اس کی بُری تعریف کی۔[4] علامہ زیلعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''وقال ابن القطان: اللجلاج لم تثبت عدالته، وقد حدث بأحاديث كثيرة لأبي حنيفة كلها مناكير لا تعرف''[5]

''اور ابن قطان نے کہا ہے: لجلاج کی عدالت ثابت نہیں، اس نے ابوحنیفہ کی بہت سی احادیث بیان کی ہیں جو سب کی سب منکر غیر معروف ہیں۔''

حافظ ابن قطان رحمہ اللہ کا مفصل کلام بیان الوهم والإيهام[6] میں دیکھا

---

[1] كتاب الآثار (ص: ٩٣) [2] جامع المسانيد (٢/ ١٠، ١١)

[3] ميزان (١/ ١٠٠)، لسان (١/ ١٩٩)، الكامل (١/ ١٩٧)

[4] الضعفاء لأبي زرعة (٢/ ٧٢٢) [5] نصب الراية (٤/ ٥٤)

[6] بيان الوهم والإيهام (٣/ ٥١٤، رقم: ١٢٨٩)

جاسکتا ہے۔ علامہ ابن عراق رحمہ اللہ نے تنزیہ الشریعہ [1] میں اسے کذابین ووضاعین میں شمار کیا ہے۔ بتلایئے ایسے کذاب اور باطل وموضوع روایات روایت کرنے والی کی روایت متابعت وشواہد میں پیش ہوسکتی ہے؟

کتاب میں اس قسم کی روایات سے خاموشی شیخ لطیف الرحمان کی ''خدمت'' ہے یا پردہ داری کا نتیجہ ہے۔ اکثر وبیشتر نہ تو امام صاحب کی مرویات کی پہلی مذکورہ اسانید سے تعرض کرتے ہیں اور نہ اس مسند سے مروی روایت پر توجہ دیتے ہیں، البتہ اس کے شواہد ذکر کرنے میں تغافل نہیں برتتے۔ ہم انہی چند روایات کے بارے میں بحث وتبصرہ پر اکتفا کرتے ہیں، ورنہ یہ سلسلہ وسیع الذیل ہے۔ مگر تمام کا استیعاب مقصود نہیں۔

ہماری ان گزارشات سے ابن ابی العوام کی اس کتاب کی اور اس کے محقق کی خدمت گزاری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ناسپاسی ہوگی اگر میں فضیلۃ الشیخ الاخ العلامہ محمد عزیر شمس حفظہ اللہ کا شکریہ ادا نہ کروں جنھوں نے یہ کتاب بھجوائی اور اس سے استفادے کی سبیل پیدا فرمائی۔ جزاہ اللہ أحسن الجزاء. بلکہ کتاب ارسال کرتے ہوئے ساتھ ''برائے تبصرہ'' بھی لکھ دیا۔ ان کے حکم کی تکمیل سے بحمد اللہ آج یہ ہیچ مداں فارغ ہوا ہے۔

یہ تبصرہ کیسا ہے اور جو رائے ہم نے اس کتاب اور اس کے محقق کے حوالے سے ذکر کی ہے وہ کس حد تک درست ہے یا اس میں کیا کوتاہی ہے اس کا فیصلہ قارئین پر ہے۔ انسان خطا کا پتلا ہے۔ اگر اس میں خطا ہے تو یہ میری طرف سے ہے اور اگر یہ صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی خطائیں معاف فرمائے۔ آمین



[1] تنزیہ الشریعہ (ص: ۲۸)

کیا ''کتاب الآثار'' پہلی صحیح کتاب ہے؟

امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ کی تصانیف میں ایک مشہور کتاب ''کتاب الآثار ہے۔ حاجی خلیفہ لکھتے ہیں:

''كتاب الآثار للإمام محمد بن الحسن وهو مختصر على ترتيب الفقه ذكر فيه ما روي عن أبي حنيفة من الآثار'' [1]

''کتاب الآثار امام محمد بن حسن رحمہ اللہ کی تصنیف ہے اور فقہی ترتیب پر مختصر کتاب ہے، جس میں انھوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی آثار کو ذکر کیا ہے۔''

یہی بات اسماعیل پاشا نے ہدیۃ العارفین [2] میں کہی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ محدث دہلوی نے کتاب الآثار کے اطراف کا سماع شیخ تاج الدین حنفی رحمہ اللہ مفتی مکہ مکرمہ سے کیا ہے، فرماتے ہیں:

''واطراف.... کتاب الآثار امام محمد وموطا اواز وے سماع نبود۔'' [3]

اسی طرح حضرت موصوف اپنی ایک اور تصنیف میں فرماتے ہیں:

''أما الأحاديث والآثار التي عليها بناء مذهب أبي حنيفة فقد رويتها مسلسلا بالفقهاء الحنفيين في ضمن كتاب الآثار للإمام محمد بن الحسن'' [4]

---

[1] كشف الظنون (١٣٨٤/٢) [2] هدية العارفين (٨/٢)

[3] انسان العين (١٦) [4] اتحاف النبية (١٢١)

''وہ احادیث و آثار جن پر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کا دارو مدار ہے، انھیں میں نے امام محمد رحمہ اللہ بن حسن کی کتاب الآثار کے ضمن میں مسلسل فقہائے حنفیہ کی سند سے روایت کیا ہے۔''

اس کے بعد انھوں نے اپنی سند ذکر کی ہے اور آخر میں لکھا:

''قالا أخبرنا به مؤلفه الإمام محمد بن الحسن عن أبي حنيفة وغيره من المشايخ''

''ان دونوں (اسماعیل بن توبہ قزوینی اور ابو حفص احمد بن حفص) نے ہمیں خبر دی ہے اس کتاب کی اس کے مؤلف امام محمد رحمہ اللہ بن حسن سے، وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور دوسرے مشائخ سے روایت کرتے ہیں۔''

اسی طرح شیخ محمد سعید سنبلی رحمہ اللہ المتوفی ۱۱۷۵ھ نے بھی ''الأوائل السنبلية''[1] میں کتاب الآثار کو امام محمد رحمہ اللہ ہی کی تصنیف قرار دیا ہے۔ یہ کتاب شیخ ابو غدہ رحمہ اللہ کی تحقیق سے شائع ہوئی ہے۔

علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے الاعلان بالتوبیخ[2] میں بھی کتاب الآثار کو امام محمد رحمہ اللہ ہی کی تصنیف قرار دیا ہے۔ یہی بات حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری،[3] الدرایہ[4] اور تعجيل المنفعة[5] میں اور علامہ الزیلعی رحمہ اللہ نے نصب الراية[6] میں، مولانا عبدالحی رحمہ اللہ نے مقدمہ التعليق الممجد[7] میں، علامہ الکوثری نے بلوغ الامانی فی سیرۃ الامام محمد بن الحسن الشیبانی[8] میں کہی ہے۔

کتاب الآثار میں چونکہ اکثر و بیشتر روایات امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ہیں اس

---

(1) الأوائل (ص: ٥٨)
(2) الإعلان بالتوبيخ (٢٣٤)
(3) فتح الباري (٢٥٠/٩)
(4) الدراية (٣٠٠/٢)
(5) تعجيل المنفعة (٩، ٢٤)
(6) نصب الراية (١٢٨/٤)
(7) التعليق الممجد (١٤٩/١)
(8) بلوغ الأماني (ص: ٢٠٠)

لیے بعض حضرات نے اس کتاب کا انتساب ہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف کر دیا ہے۔ حتی کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے ایک کلام سے بھی بعض کو دھوکا لگا اور کہا گیا کہ وہ بھی اس کا انتساب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف کرتے ہیں۔

علامہ الحسینی رحمہ اللہ نے ائمۂ اربعہ کی مرویات کے رجال کو جمع کیا تو انھوں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مرویات کے حوالے سے ''مسند ابی حنیفہ'' کا نام لیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس بات پر نقد وتبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''كذلك مسند أبي حنيفة، توهم أنه جمع أبي حنيفة، وليس كذلك والموجود من حديث أبي حنيفة مفرداً إنما هو كتاب الآثار التي رواها محمد بن الحسن عنه''[1]

''اسی طرح ''مسند ابی حنیفہ'' کا نام، جس سے وہم ہوتا ہے کہ اسے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے جمع کیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں بلکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی حدیث میں موجود ''کتاب الآثار'' ہے جسے محمد بن حسن ان سے روایت کرتے ہیں۔''

ظاہر ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مسند ابی حنیفہ کے بارے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے کہ وہ امام صاحب کی کتاب نہیں۔ پھر ان کی مرویات کی نشان دہی کی ہے کہ وہ ''کتاب الآثار'' میں ہیں جنھیں امام محمد رحمہ اللہ ان سے روایت کرتے ہیں۔ اسی طرح ''المجمع المؤسس للمعجم المفهرس''[2] میں بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے امام محمد رحمہ اللہ کی تصنیف ہی قرار دیا ہے۔ اسی ''کتاب الآثار'' کے رجال حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''الإيثار بمعرفة رواة الآثار'' کے نام پر علیحدہ طور پر مرتب کیے ہیں، جس میں وہ رقم طراز ہیں:

---

[1] تعجيل المنفعة (٥) [2] المجمع المؤسس للمعجم المفهرس (٣٩٠)

"فإن بعض الإخوان التمس مني الكلام على رواة كتاب الآثار للإمام أبي عبد الله محمد بن الحسن الشيباني التي رواها عن الإمام أبي حنيفة"[1]

"بعض بھائیوں نے مجھ سے امام ابو عبداللہ محمد بن حسن شیبانی کی کتاب الآثار کے راویوں پر کلام کا تقاضا کیا، جسے وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں۔"

ظاہر ہے کہ یہ "کتاب الآثار" اگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہی کی تھی تو صاف "للإمام أبي حنيفة" کہنے میں کیا انقباض تھا اور "التي رواها عنه" کے تکلف کی ضرورت ہی کیا تھی۔ حافظ قاسم قطلوبغا رحمہ اللہ نے بھی امام محمد رحمہ اللہ کی "کتاب الآثار" کے رجال پر مستقل کتاب لکھی ہے۔[2]

کتاب الآثار اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ:

ہماری اس وضاحت سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ "کتاب الآثار" امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی نہیں بلکہ امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ کی کتاب ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ نے تقریباً چھبیس مقامات پر امام صاحب رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر مشائخ سے روایات بیان کی ہیں۔ یہی پوزیشن کتاب الآثار لابی یوسف رحمہ اللہ کی ہے۔ مگر کچھ عرصے سے بعض حضرات اس کوشش میں ہیں کہ کتاب الآثار کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کتاب باور کرایا جائے۔ بلکہ اسے تدوینِ حدیث کے سلسلے کی سب سے پہلی تصنیف قرار دیا جائے، حتی کہ اسے صحیح احادیث پر مشتمل پہلی کتاب قرار دیا جائے۔

غالباً برصغیر میں اس فکر کے سرخیل ماضی قریب میں مولانا عبد الرشید نعمانی مرحوم تھے۔ سب سے پہلے انھوں نے ہی "ما تمس إليه الحاجة لمن يطالع

---

[1] الإيثار (١)　[2] الإعلان بالتوبيخ (٢٣٤)، فهرس الفهارس (٩٧٢/٢)

سنن ابن ماجه" جو بعد میں "الإمام ابن ماجه وكتابه السنن" کے نام سے شائع ہوئی، اور اس کے اردو ایڈیشن "ابن ماجہ اور علمِ حدیث" میں اپنے ان افکار کا تذکرہ کیا۔ اس کے علاوہ یہی کچھ انھوں نے شیخ مسعود بن شیبہ سندھی کی کتاب "مقدمہ کتاب التعلیم" کے حواشی اور "ذب ذبابات الدراسات" للشیخ عبد اللطیف سندھی کے حواشی میں بہ تکرار کہا۔

ایک دلچسپ بات کہ امام صاحب رحمہ اللہ نے حدیث کی کوئی کتاب نہیں لکھی:

یہاں یہ بات بھی یقیناً دلچسپی سے خالی نہیں کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی "کتاب الآثار" جس میں وہ اکثر و بیشتر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں، پہلی بار ۱۳۵۵ھ میں، حضرت مولانا ابو الوفاء افغانی رحمہ اللہ رئیس لجنۃ المعارف النعمانیہ حیدر آباد دکن کی تحقیق و حواشی سے مصر میں طبع ہوئی تھی۔ جس کے مقدمہ میں حضرت موصوف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تصانیف کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"ولم يصنف الإمام الأعظم رحمه الله كتاباً في الأخبار والآثار كما صنف الإمام مالك رحمه الله الموطأ، وإنما كان يملي فروع الفقه على تلاميذه، فإذا احتاج إلى دليل مسألة حدثهم عن شيوخه من الأحاديث المرفوعة والموقوفة وآثار التابعين، بالسند المتصل تارة وأخرى بلاغاً وتعليقاً أو انقطاعاً، ولم يجلس للتحديث كعادة المحدثين ولهذا قلت روايته في الحديث الخ"[1]

"امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے احادیث و آثار پر مشتمل کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی جس طرح امام مالک رحمہ اللہ نے الموطا لکھی ہے۔ امام صاحب

[1] مقدمة كتاب الآثار

اپنے تلانذہ کو فقہی فروعات و مسائل لکھواتے تھے اور جب کسی مسئلے میں دلیل کی ضرورت محسوس کرتے تو اپنے شیوخ سے مرفوع، موقوف اور آثارِ تابعین کبھی متصل سند سے، کبھی بلاغاً اور تعلیقاً یا منقطع روایت بیان فرما دیتے۔ حدیث کی تعلیم و تدریس کے لیے محدثین کی طرح انھوں نے مجلس قائم نہیں کی، اسی لیے حدیث میں ان کی روایات کم ہیں۔''

اس کے بعد انھوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ البتہ ان کے تلانذہ نے ان سے جو آثار سنے تھے انھیں فقہی ابواب کی ترتیب پر مرتب کیا ہے، جیسا کہ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کی کتاب الآثار اور ''مسند ابی یوسف'' ہے جسے ''نسخة أبي يوسف'' بھی کہا گیا ہے۔ اور امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ نے دو کتابیں لکھیں، ایک میں آثارِ مرفوعہ ہیں جو ''مسند'' ہے اور دوسری ''کتاب الآثار'' ہے جس میں مرفوع اور موقوف روایات ہیں۔ اور امام حسن بن زیاد لؤلؤی رحمہ اللہ نے بھی مسند لکھی جسے ''مسند الحسن'' یا ''نسخة الحسن'' کہا گیا ہے۔ (ایضاً)

عرض ہے کہ حسن لؤلؤی کی اسی مسند کی سند علامہ خوارزمی نے اپنی سند سے محمد بن ابراہیم ابن حبیش [1] عن محمد بن شجاع الثلجي [2] عن حسن لؤلؤی تک نقل کی ہے اور اس کی روایات کو بعض نے ''الآثار'' سے تعبیر کیا ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لسان المیزان [3] میں محمد بن ابراہیم بن حبیش کے ترجمہ کے تحت ذکر کیا ہے۔ لیکن لسان میں ''الحسن بن زیاد اللؤلؤی عن محمد بن الحسن عن ابی حنیفہ

---

[1] جامع المسانید میں خمیس ہے جبکہ صحیح حبیش ہے۔ لسان (۳۱/۵) میں ''حسن'' بھی غلط ہے۔ البتہ لسان (۲۵/۵) میں درست ہے۔

[2] جامع المسانید اور لسان میں البلخی ہے۔ جامع المسانید کا نسخہ بہت اغلاط اور تصحیفات سے بھرا ہوا ہے۔

[3] لسان (۳۱/۵) میں بھی حبیش کی جگہ ''حسن'' اور ابن شجاع الثلجی کی بجائے نجیح البلخی غلط طبع ہوا ہے۔ البتہ (۲۵/۵) میں حبیش ہے۔

کتاب الآثار'' ہے۔ مگر اس میں ''محمد بن الحسن'' کا واسطہ غلط ہے جیسا کہ المؤتلف للدارقطنی [1] اور جامع المسانید سے عیاں ہوتا ہے۔ ان میں یہ واسطہ نہیں۔

مولانا ابوالوفاء افغانی رحمہ اللہ نے کتاب الآثار کی تحقیق و تنقیح ضرور کی مگر انھوں نے اسے حدیث کی پہلی صحیح کتاب قرار نہیں دیا۔ عرصہ بعد مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ نے ''ما تمس إليه الحاجة'' اور پھر ''ابن ماجہ اور علمِ حدیث'' لکھی جس میں انھوں نے کتاب الآثار کے بارے میں حدیث کی پہلی صحیح کتاب ہونے کا دعویٰ کیا۔ اول الذکر کتاب انھوں نے ۱۳۷۳ھ اور ثانی الذکر ۱۳۷۶ھ میں تحریر کی جیسا کہ دونوں کے اختتام پر خود انھوں نے ذکر کیا۔ مولانا نعمانی کے اس انکشاف کے بعد اور تو کیا مولانا ابوالوفاء افغانی بھی نعمانی صاحب کی فکر کا شکار ہو گئے۔

چنانچہ کتاب الآثار امام محمد رحمہ اللہ کے جب انھوں نے حواشی لکھے اور اس پر طویل مقدمہ تحریر کیا تو اس میں انھوں نے بھی یہی فرمایا کہ علمِ حدیث میں سب سے پہلی کتاب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ''كتاب الآثار'' ہے اور امام محمد، قاضی ابو یوسف، امام زفر اور ابن زیاد لؤلؤی رحمہ اللہ کی کتاب الآثار اس کے مختلف نسخے ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے موطا میں امام صاحب کی متابعت کی ہے۔ [2]

قارئین کرام! انصاف فرمائیں کہ حضرت موصوف نے ''مقدمة كتاب الآثار لأبي يوسف'' میں جو کچھ فرمایا اور جن مقدمات کے تحت فرمایا کیا اس کے برعکس اب ثابت ہو گیا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے محدثین کی طرح درسِ حدیث کی مجلس سجائی تھی؟ اور کتاب الآثار امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ہے؟ مولانا نعمانی کی کورانہ اتباع میں جو کچھ فرمایا وہ بس ''مقدمة كتاب الآثار لأبي يوسف'' کی الٹی

---

[1] المؤتلف للدار قطني (٢/٦٨٩)

[2] مقدمه، كتاب الآثار (١-٥)

صورت ہے۔ پہلے انہی مسلمات کے باوجود امام صاحب کی حدیث کے بارے میں کتاب کی نفی، پھر وہی مسلمات ہیں جو کتاب الآثار کے مختلف نسخے ثابت کرنے میں پیش کیے جاتے ہیں۔

اس کی اصل بنیاد:

دراصل یہ حضرات مدینہ طیبہ کے بجائے کوفہ کو مرکزِ علم باور کرانے کے درپے ہیں۔ اسی لیے کتاب الآثار کو پہلی مدونہ کتاب بلکہ صحیح احادیث پر مشتمل پہلا مجموعہ قرار دینے کی سعیِ بلیغ کر رہے ہیں۔ مولانا نعمانی ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

"كتاب الآثار وهو أم الأم رغم إعراض من أعرض عنه"[1]

یعنی جو اس حقیقت کو نہیں مانتا اس کے انکار کے علی الرغم "کتاب الآثار" موطا کی اصل اور ماں ہے۔ یہی بات انھوں نے ایک اور جگہ ذرا تفصیل سے فرمائی ہے۔[2] کتاب الآثار کے مقدمہ[3] میں بھی لکھتے ہیں: "کتاب الآثار صحیحین کی اُم الام ہے۔" نیز لکھتے ہیں: "آج امت کے پاس احادیثِ صحیحہ کی سب سے قدیم ترین کتاب یہی "کتاب الآثار" ہے۔"[4]

> "کتاب الآثار میں جو احادیث ہیں وہ موطا کی روایات سے قوت وصحت میں کم نہیں .... موطا کو کتاب الآثار سے وہی نسبت ہے جو صحیح مسلم کو صحیح بخاری سے ہے۔"[5]

> "غرض کتاب الآثار، قرآن پاک کے بعد کتب خانہ اسلام کی دوسری کتاب ہے جو ابواب پر مرتب و مدون ہوئی اور جس میں صرف ان ہی

[1] الإمام ابن ماجه (١٨٣)
[2] الإمام ابن ماجه (ص: ٧٩)
[3] مقدمة كتاب الآثار (ص: ٢١)
[4] ابن ماجہ اور علم حدیث (ص: ١٥٩)
[5] أيضا (ص: ١٦٢، ١٦٣)

احادیث اور آثار و فتاوے نے جگہ پائی کہ جن کی روایت ثقات اور اتقیائے امت میں برابر چلی آتی ہے۔'' [1]

ہم یہاں اس بحث میں پڑنا مناسب نہیں سمجھتے کہ حدیث کا مدونِ اول کون ہے؟ اور کیا ''کتاب الآثار'' واقعی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کتاب ہے؟ بلکہ ہم یہاں اس دعوے کا جائزہ قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں کہ کیا واقعی کتاب الآثار ''ام الام'' ہے؟ کیا یہ صحیح احادیث کا اولین مجموعہ ہے؟ اور اس کی موطا امام مالک سے وہی نسبت ہے جو مسلم کو صحیح بخاری سے ہے؟

ہم یہاں اس بحث میں بھی جانا مناسب نہیں سمجھتے کہ کتاب الآثار کے جامع امام محمد بن حسن شیبانی کا روایتِ حدیث میں کیا مرتبہ ہے۔ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ جو ان کے استاد بھائی اور استاد بھی ہیں ان کی رائے امام شیبانی رحمہ اللہ کے بارے میں کیا ہے؟ امام یحییٰ بن معین، جنھیں حنفی باور کرایا جاتا ہے، ان کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ میزانِ جرح و تعدیل میں ان کا کیا مرتبہ ہے؟ اسی طرح امام شیبانی رحمہ اللہ کے استاد امام ابوحنیفہ جنھیں کتاب الآثار کا اصل مدون قرار دیا جا رہا ہے، ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک ان کی رواۃ کی کیا پوزیشن ہے؟ یہ مباحث جہاں تطویل کا باعث ہیں، وہاں ان کے بارے میں آرا مختلف قرار دے کر ان سے اغماض کیا جائے گا۔ اس لیے ہم اس کے بجائے اُن نکات کے حوالے سے بحث کرنا چاہتے ہیں جن میں اس نوعیت کے شک و ریب کی گنجائش نہیں۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ صحیح بخاری و مسلم کے مقابلے میں کتاب الآثار کی پوزیشن کے علاوہ ہم خوب جانتے ہیں کہ صحیحین کے حوالے سے ان کے تاثرات کیا ہیں۔ ان کی اسی سعی نامشکور کا شکوہ انہی کے حلقہ کے مولانا سعید احمد اکبر آبادی رحمہ اللہ

[1] ابن ماجہ اور علمِ حدیث (ص: ۱۶۵)

نے کیا[1] اور معروف علمی ماہنامے معارف کے تبصرہ نگار نے بھی فرمایا کہ ''ان کا قلم جادۂ اعتدال سے متجاوز ہو گیا ہے۔''[2]

مولانا نعمانی رحمہ اللہ کے افکار سے منکرینِ حدیث نے بھی خوب فائدہ اٹھایا، جس کی وضاحت ہم ''احادیث صحیح بخاری و مسلم میں پرویزی تشکیک کا علمی محاسبہ'' میں کر چکے ہیں۔ مولانا نعمانی رحمہ اللہ دراصل اس حوالے سے اپنے استاد مولانا حیدر حسن ٹونکی سے متاثر تھے، جن کے تصلب اور مخالفین پر ان کے تشدد کا شکوہ مولانا سید عبدالحی لکھنوی نے نزہۃ الخواطر میں کیا ہے۔[3] پھر علامہ کوثری کے ''انکشافات'' نے انھیں دو آتشہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی خطائیں معاف فرمائے۔

سب سے پہلی صحیح کتاب:

چنانچہ عرض ہے کہ امام ابن الصلاح رحمہ اللہ نے اپنے مقدمۂ علوم الحدیث میں فرمایا تھا کہ سب سے پہلے جس نے صحیح احادیث کو جمع کیا وہ امام بخاری رحمہ اللہ ہیں۔ مگر معروف حنفی محدث علامہ علاء الدین مغلطائی رحمہ اللہ نے اس پر مواخذہ کیا ہے اور اپنی کتاب ''اصلاح کتاب ابن الصلاح'' میں اس پر نقد و تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"قوله أول من صنف الصحيح البخاري وتلاه مسلم، غير جيد، ... وإن كان قد قاله قبله غيره... لأن مالكاً رحمه الله بلا خلاف بين المحدثين صنف الصحيح قبله... الخ"[4]

''ابن الصلاح کا کہنا کہ سب سے پہلے "الصحیح" پر تصنیف امام بخاری رحمہ اللہ کی ہے اور ان کے پیچھے امام مسلم رحمہ اللہ ہیں، صحیح نہیں، اگرچہ

---

[1] ماہنامہ ''برہان'' دہلی (فروری ۱۹۵۶ء)

[2] معارف جنوری ۱۹۶۱ء [3] نزهة الخواطر (۱۲۸/۸)

[4] اصلاح (۶۶/۲)

یہ بات ان سے پہلے بھی دوسرے حضرات نے کہی ہے .... اس میں محدثین کے ہاں کوئی اختلاف نہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ نے ان سے پہلے "الصحیح" تصنیف کی ہے۔"

علامہ مغلطائی رحمہ اللہ کے کلام میں کیا گھپلا ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے النکت[1] میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ مگر ہمارا یہ موضوع نہیں ۔ ہم قارئین کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ علامہ مغلطائی رحمہ اللہ حنفی ہونے کے باوصف حافظ ابن الصلاح وغیرہ کی تردید میں صحیح بخاری کے بجائے موطا کو پہلی صحیح کتاب قرار دیتے ہیں۔ مگر "کتاب الآثار" کا نام آخر کیوں نہیں لیتے ؟

موطا کو پہلی صحیح کتاب قرار دینے والے امام شافعی رحمہ اللہ رہے ہیں۔ جیسا کہ التذکرہ[2] وغیرہ کتب میں ہے کہ کتاب اللہ کے بعد امام مالک رحمہ اللہ کی کتاب سے بڑھ کر کوئی صحیح کتاب نہیں۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ امام محمد رحمہ اللہ کے شاگرد اور مداح تھے، نے بھی صحیح احادیث کا اولین مجموعہ قرار دیا ہے تو موطا کو، کتاب الآثار کو نہیں۔

غرض یہ کہ صحیح بخاری سے پہلے معروف قول کے مطابق موطا کو اولین صحیح کتاب تو قرار دیا گیا ہے مگر "کتاب الآثار" کو اولین صحیح کتاب کہنا چودھویں صدی کی بدترین "بدعت" ہے۔ اس سے پہلے اس دعوے کی نظیر قطعاً نہیں ملتی۔

بلکہ نہ امام صاحب نے یہ دعویٰ کیا نہ ہی ان کے تلامذہ نے کہ "کتاب الآثار" کی مرویات صحیح ہیں۔ اس لیے اسے پہلی صحیح کتاب قرار دینا مدعی سست گواہ چست کا مصداق ہے۔

---

[1] النکت (۱/۲۷۷، ۲۸۰)

[2] التذکرۃ (۱/۲۹۸)، النکت (۱/۲۷۹)

علامہ خوارزمی کا ایک دعویٰ کہ مدونِ اول امام صاحب ہیں:

مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ نے بہ تکرار لکھا ہے کہ:

''حافظ سیوطی رحمہ اللہ ''تبیض الصحیفة في مناقب الإمام أبي حنیفة'' میں تحریر فرماتے ہیں:

ام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ان خصوصی مناقب میں سے، جن میں وہ متفرد ہیں، ایک یہ بھی ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں جنھوں نے علمِ شریعت کو مدون کیا اور اس کو ابواب پر مرتب کیا، پھر امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے موطا کی ترتیب میں انھی کی پیروی کی اور اس بارے میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں۔''[1]

یہی بات انھوں نے مقدمہ کتاب الآثار[2] اور ''الإمام ابن ماجه و کتابه السنن''[3] میں اور دیگر اپنی تعلیقات میں نقل کی ہے۔ مقام شکر ہے کہ الامام ابن ماجہ میں انھوں نے یہ بھی نقل کر دیا کہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

''قال بعض من جمع مسند أبي حنیفة''

گویا یہ بات مسند ابی حنیفہ کے کسی جامع نے فرمائی ہے۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے نہیں۔ جیسا کہ ''ابن ماجہ اور علمِ حدیث'' وغیرہ سے تاثر نکلتا ہے۔ بلکہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے تاریخ الخلفاء میں ۱۴۳ھ کے حوادثات اور واقعات میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ:

''کوفہ میں سفیان ثوری رحمہ اللہ نے کتابیں لکھیں، ابن اسحاق رحمہ اللہ نے مغازی مرتب کیے اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فقہ اور اجتہادی مسائل کو مدون کیا۔''[4]

---

[1] ابن ماجہ اور علمِ حدیث (ص: ۱۶۰، ۱۶۱)
[2] مقدمة کتاب الآثار (۱۸)
[3] الإمام ابن ماجه وکتابه السنن (۵۹)
[4] تاریخ الخلفاء (۲۵۱)

نیز علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے تو فرمایا ہے کہ:

''قرنِ اول کے اختتام پر تدوینِ حدیث کا آغاز حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے حکم سے سب سے پہلے حضرت امام زہری رحمہ اللہ نے کیا۔ اور قرنِ ثانی میں مکہ مکرمہ میں امام ابن جریج نے، امام ابن اسحاق یا امام مالک رحمہ اللہ نے مدینہ طیبہ میں، امام ربیع بن صبیح یا امام سعید بن ابی عروبہ یا حماد بن سلمہ رحمہم اللہ نے بصرہ میں، امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے کوفہ میں، امام اوزاعی رحمہ اللہ نے شام میں، امام ہشیم رحمہ اللہ نے واسط میں، امام معمر رحمہ اللہ نے یمن میں، امام جریر بن عبدالحمید رحمہ اللہ نے رے میں، امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے خراسان میں سب سے پہلے احادیث کو مدون کیا۔ علامہ عراقی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ سبھی معاصر ہیں معلوم نہیں ان میں سے پہل کس نے کی ہے۔''[1]

غور فرمایا آپ نے کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ کے حوالے سے مولانا نعمانی رحمہ اللہ نے جو بظاہر تاثر دینے کی کوشش کی ہے خود علامہ سیوطی کی دوسری تصانیف میں ان کا اپنا موقف کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مقدمہ فتح الباری میں ذکر کیا ہے کہ عصرِ تابعین کے اواخر میں ابواب پر سب سے پہلے ربیع بن صبیح اور سعید بن ابی عروبہ نے احادیث جمع کی ہیں۔ اور تیسرے طبقے میں امام مالک، امام ابن جریج اور امام اوزاعی رحمہم اللہ وغیرہ نے احادیث کو مرتب و مدون کیا ہے۔[2]

ان سے قبل امام رامہرمزی رحمہ اللہ ''المحدث الفاصل بين الراوي والواعي''، جسے اصولِ حدیث میں پہلی مرتب کتاب قرار دیا گیا ہے، میں لکھتے ہیں:

''أول من صنف وبوب فيما أعلم الربيع بن صبيح

---

[1] تدریب الراوي (۸۹/۱)　[2] مقدمه (٦)

بالبصرة، ثم سعيد بن أبي عروبة الخ"[1]

''میرے علم کے مطابق بصرہ میں سب سے پہلے مصنف اور ابواب پر مرتب احادیث جمع کرنے والے ربیع بن صبیح (المتوفی: ۱۶۰ھ) ہیں پھر سعید بن ابی عروبہ ہیں۔''

یہ اور اسی نوعیت کی دیگر تصریحات سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ دوسری صدی ہجری میں تبویب پر احادیث جمع کرنے کی اولیت بصرہ میں ربیع بن صبیح وغیرہ کو ہے۔ البتہ ایک ایک باب کی احادیث کو علیحدہ طور پر جمع کرنے میں امام عامر شعبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۰۳ھ) کو تقدم حاصل ہے۔[2] چنانچہ انھوں نے فرمایا ہے کہ "هذا باب من الطلاق جسيم" یہ طلاق کا بڑا باب ہے۔'' پھر اس سے متعلق احادیث ذکر کی ہیں۔[3]

اسی طرح ''الفرائض والجراحات'' کا ذکر بھی خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد[4] میں کیا۔ بلکہ امام شعبی رحمہ اللہ سے بھی پہلے امام عروہ بن زبیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۳ھ) ہیں جن کی سیرتِ نبوی پر مشتمل کتاب معروف ہے۔ وہ اپنے تلامذہ کو احادیث املا کرواتے بلکہ اپنے بیٹے ہشام اور ان کے بھائی کو بلا کر علیحدہ علیحدہ ابواب پر مشتمل روایات بیان کرتے۔ ہشام کا بیان ہے:

"وكان يحدثنا ويأخذ فى الطلاق ثم الخلع ثم الحج ثم الهدي هكذا"[5]

اور ہشام کے پاس تو ان کی مرویات کا ایک ''دفتر'' تھا اور وہ فرماتے ہیں:

---

(1) المحدث الفاصل (٦١١) (2) تدریب (١/٨٩)

(3) الجامع للخطيب (١/١٨٩)، المحدث الفاصل

(4) تاريخ بغداد (١٢/٢٣٢) (5) المعرفة والتاريخ للفسوي (٢/١٧٨)

"في هذا أحاديث أبي صحيحة"[1]

''کہ اس میں میرے والد کی صحیح احادیث ہیں۔''

جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ابواب پر علیحدہ طور پر احادیث بیان کرنے اور جمع کرنے کا تصور امام شعبی رحمہ اللہ سے بھی پہلے پایا جاتا تھا۔ اس لیے ایک باب کی احادیث جمع کرنا ہوں، جسے بعد میں ''جزء'' سے تعبیر کیا گیا ہے، یا ابواب پر مشتمل احادیث ہوں، ان میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو قطعاً اولیت حاصل نہیں۔

معروف ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے موطا کی ترتیب و تصنیف خلیفہ منصور کے کہنے پر کی۔ منصور ابو جعفر اپنے بھائی ابو العباس سفاح کی وفات (۱۳۶ھ) کے بعد خلیفہ بنا اور ۱۵۸ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے تو فرمایا ہے:

"إن الموطأ ألفه مالك رحمه الله بعد موت يحيى بن سعيد الأنصاري بلا شك"[2]

''بلاشبہ امام مالک رحمہ اللہ ہی نے موطا کی تالیف امام یحییٰ بن سعید انصاری رحمہ اللہ کی وفات کے بعد کی ہے۔''

امام یحییٰ بن سعید انصاری رحمہ اللہ ۱۴۳ھ میں فوت ہوئے، ظاہر ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے موطا کی تدوین ۱۴۳ھ کے بعد ہی کی ہے۔ بلکہ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اور ان کے حوالے سے علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے تو یہ بھی نقل کیا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجھے مہدی نے کتاب لکھنے کا کہا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ ۱۵۸ھ تک موطا کی تکمیل نہیں کر پائے تھے۔ بلکہ خلیفہ مہدی کے ابتدائی دور میں ۱۵۸ھ کے بعد انھوں نے موطا کی تکمیل کی۔ اور قاضی عیاض وغیرہ نے تو صراحت کی ہے:

---

[1] المعرفة (۲۶۳/۳) [2] الإحكام (۱۳۶/۲)

"فلم يفرغ حتى مات أبو جعفر"[1]

"موطا کی تکمیل سے پہلے ابوجعفر فوت ہو گئے۔" واللہ اعلم

مگر موطا سے پہلے امام محمد بن عبدالرحمٰن بن مغیرۃ ابن ابی ذئب (المتوفی: ۱۵۸ھ) نے فقہی ابواب پر مرتب کتاب لکھی۔ الندیم نے اس کا نام "کتاب السنن" ذکر کیا ہے اور لکھا ہے:

"يحتوي على كتب الفقه مثل صلاة وطهارة وصيام وزكاة ومناسك وغير ذلك"[2]

ان کی کتاب موطا بھی معروف ہے اور خطیب بغدادی کی الجامع سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی یہ کتاب امام مالک رحمہ اللہ کے موطا سے پہلے مرتب ہوئی تھی۔[3] ان کی یہ کتاب امام مالک رحمہ اللہ کی کتاب سے بڑی تھی اور امام مالک رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ آپ کی کتاب کا کیا فائدہ؟ تو انھوں نے فرمایا: "ما كان لله بقي"[4]

اس بات کی تنقیح نہیں ہو سکی کہ موطا وہی ہے جسے الندیم "السنن" کہتے ہیں، یا یہ اس کے علاوہ ہے۔ تاہم اس سے یہ بات تو مترشح ہوتی ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کی کتاب سے پہلے امام ابن ابی ذئب کی فقہی ترتیب پر کتاب موجود تھی۔

امام ابن ابی ذئب کے علاوہ امام عبدالعزیز بن عبد اللہ الماجشون (المتوفی: ۱۶۴ھ) کی کتاب الموطا بھی مشہور ہے، بلکہ انھوں نے بھی یہ کتاب امام مالک رحمہ اللہ سے پہلے لکھی تھی اور امام مالک رحمہ اللہ کے سامنے جب اسے پیش کیا گیا تو انھوں نے اس کی تحسین تو کی، مگر ابواب میں آثار ذکر نہ کرنے پر اعتراض کیا اور فرمایا: میں اپنی کتاب میں صحیح احادیث اور آثار جمع کروں گا۔[5]

---

[1] ترتيب المدارك (١٦٢/١)، شرح الزرقاني (٧/١)

[2] الفهرست (٣٧٣)

[3] دراسات في الحديث النبوي (٣٠٦/١)

[4] تدريب الراوي (٨٩/١)

[5] ترتيب المدارك (١٩٥/١)، تنوير الحوالك (٦/١)

اسی طرح امام ابن جریج رحمہ اللہ کے بارے میں، جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے معاصر تھے، دونوں ۸۰ھ میں پیدا ہوئے ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے، الندیم نے ذکر کیا ہے کہ انھوں نے کتاب السنن لکھی جو کتبِ سنن کی طرح روایات و اخبار پر مشتمل تھی۔ اس کے علاوہ کتاب المناسک، کتاب الجامع، کتاب التفسیر بھی لکھی اور یہ کتابیں عرصہ تک اہلِ علم کے ہاتھوں میں رہیں، جس کی تفصیل دکتور محمد مصطفیٰ اعظمی نے دراسات فی الحدیث النبوی[1] میں بیان کی ہے، بلکہ امام عبد الرزاق رحمہ اللہ نے تو فرمایا ہے کہ سب سے پہلے ابن جریج رحمہ اللہ نے کتابیں لکھیں۔[2] خود ان کا بیان ہے:

"ما دون العلم تدويني أحد"[3]

''کسی نے میری طرح علم کو مدون نہیں کیا۔''

اور خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ ربیع بن صبیح، حماد، معمر اور سفیان ثوری رحمہم اللہ وغیرہ نے انھی کی پیروی کی ہے۔ امام ابن ابی ذئب، امام ماجشون اور امام ابن جریج، امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کے معاصر ہیں۔ اب اس کی واضح دلیل تو علامہ خوارزمی اور ان کے ہمنواؤں کے ذمے ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ''کتاب الآثار'' ان حضرات کی کتابوں سے بھی پہلے تھی۔ اگر اس پر کوئی یقینی دلیل نہیں تو ان کی کتاب کو ابواب پر مرتب پہلی کتاب کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے؟

علاوہ ازیں یہاں دو باتیں مزید غور طلب ہیں۔ علامہ خوارزمی کا دعویٰ ہے کہ:

"إنه أول من دون علم الشريعة ورتبه أبوابا"[4]

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے علمِ شریعت کو مدون کیا اور اسے ابواب پر مرتب کیا۔''

---

[1] دراسات في الحديث النبوي (۲۸٦/۱، ۲۸۹)

[2] الجامع للخطيب (۲۸۱/۱)

[3] أيضاً

[4] الجامع المسانيد (۳٤/۱)

بالکل یہ اور اس سے بعد کی باتیں موفق المکی نے مناقب الامام[1] میں قاضی عتیق بن داود الیمانی صاحب ''فضل ابی حنیفہ'' (المتوفی: ۴۶۰ھ) کے حوالے سے نقل کی ہیں۔ غالباً یہ سب تاثر دراصل قاضی الیمانی اور مناقب الامام للموفق سے ماخوذ ہے۔

گویا یہ حضرات احادیث جمع کرنے اور انھیں ابواب پر مرتب کرنے میں اولیت کا شرف امام صاحب کو دیتے ہیں۔ یہ اگر ثابت ہو تو بلا شبہہ یہ ان کا بہت بڑا اعزاز ہے، مگر قابلِ غور بات یہ ہے کہ علامہ خوارزمی رحمہ اللہ انھیں مکمل علمِ شریعت کا مدون و مرتبِ اول تحت الابواب باور کرا رہے ہیں۔ یوں نہیں کہ وہ انھیں محض احادیث تحت الابواب کا مدون اول قرار دیتے ہیں جیسا کہ عموماً سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ انھوں نے اس کے ساتھ یہ وضاحت خود کی ہے کہ:

> ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینِ عظام رحمہم اللہ نے نہ علمِ شریعت کی تبویب کی اور نہ ہی کتابوں میں مرتب کیا۔ وہ حفظ پر اعتماد کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے جب دیکھا کہ علم منتشر ہو رہا ہے تو انھوں نے بُرے اخلاف کے خوف سے کہ وہ اس علم کو ضائع ہی نہ کریں، اسے ابواب پر مدون کیا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینِ عظام رحمہم اللہ کے حوالے سے مطلقاً تدوین کا انکار اور امام صاحب کے بارے میں ابواب پر تدوین کا اظہار بجائے خود اس بات کا مشعر ہے کہ علامہ خوارزمی انھیں مکمل طور پر علمِ شریعت کا مدونِ اول قرار دیتے ہیں اور یہ بات بداہتاً خلافِ واقع ہے۔ تاریخِ تدوینِ حدیث سے ادنیٰ شغل رکھنے والا طالب علم بھی اس کی کمزوری کو خوب سمجھتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ علامہ الخوارزمی وغیرہ نے فرمایا ہے کہ امام صاحب نے کتاب کا آغاز طہارت سے کیا، پھر نماز، روزہ اور دیگر عبادات اور معاملات کو بیان فرمایا:

---

[1] مناقب الإمام (۱۳۶/۲)

''ثم ختم الكتاب بالمواريث''، پھر کتاب کا اختتام کتاب المواریث پر کیا۔[1]

اب اٹھایئے کتاب الآثار اور ملاحظہ فرمایئے کہ واقعی ''کتاب المواریث'' پر اس کا اختتام ہے؟ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کتاب الآثار للامام محمد رحمہ اللہ میں، جسے امام صاحب کی ''کتاب الآثار'' کا نسخہ باور کرایا جا رہا ہے، اس میں کتاب الارث کے بعد کتاب الایمان، کتاب البیوع، کتاب الحظر والاباحۃ ہے اور کتاب الآثار قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ میں، جسے امام صاحب کی کتاب کا نسخہ کہا جاتا ہے، پہلے کتاب الایمان، پھر کتاب العلم، پھر کتاب الآداب، کتاب الفتن، کتاب شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آخری کتاب، کتاب المناقب ہے۔

علامہ خوارزمی وغیرہ نے فقیہانہ فکر کی مناسبت سے بڑے طمطراق سے فرمایا کہ ابتدا طہارت و نماز سے ہے، اس لیے کہ یہ تمام عبادات میں اہم ہیں اور اختتام ''مواریث'' پر ہے، اس لیے کہ یہ انسانوں کا آخری مسئلہ ہے۔ بات بڑی خوب صورت ہے مگر واقعاتی حقائق اس کے برعکس ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح ان کا پہلا دعویٰ مبنی برحقیقت نہیں۔ البتہ خود ان کی جمع کی ہوئی ''جامع المسانید'' میں یہی ترتیب ہے۔ اسی ترتیب کو کتاب الآثار کی ترتیب کہنا بہر نوع غلط ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کا کتب ابی حنیفہ رحمہ اللہ سے استفادہ کا بے بنیاد دعویٰ:

اسی طرح علامہ خوارزمی رحمہ اللہ وغیرہ کا یہ دعویٰ بھی بلا دلیل ہے: ''ثم تابعه مالك بن أنس في ترتيب الموطأ''، ''پھر امام مالک رحمہ اللہ نے موطا کی ترتیب میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی کتاب الآثار کی اتباع کی۔'' بلاشبہہ امام مالک رحمہ اللہ نے موطا کی تکمیل امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے انتقال کے عرصہ بعد کی، لیکن اس سے یہ کیونکر ثابت ہوتا ہے کہ کتاب الآثار، امام مالک رحمہ اللہ کے پیشِ نگاہ تھی۔ علامہ کوثری رحمہ اللہ

---

[1] جامع المسانید (۱/۳٤)

نے اور ان کی اتباع میں مولانا نعمانی رحمہ اللہ نے لکھا کہ قاضی ابو العباس احمد بن عبداللہ بن ابی العوام نے اپنے دادا کی کتاب اخبار أبي حنيفة[1] میں جو اضافے کیے ہیں، ان میں انھوں نے بسندِ متصل عبدالعزیز الدراوردی سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

"كان مالك بن أنس ينظر في كتب أبي حنيفة وينتفع بها"[2]

''امام مالک، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کتابوں کو دیکھتے اور ان سے استفادہ کرتے تھے۔''

حالانکہ یہ ابو العباس، احمد بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن احمد ابن ابی العوام مصر میں بنو عبید، جو معروف باطنی اور رافضی تھا، کی طرف سے مصر کا قاضی تھا۔ کوئی قابلِ اعتبار جملہ بھی اس کی توثیق کا منقول نہیں۔ وہی اپنے دادا کی کتاب "أخبار أبي حنيفة" اپنے باپ کے واسطے سے روایت کرتا ہے اور اس کے دادا عبداللہ بن محمد کا بھی اتا پتا معلوم نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں قاضی ابوالعباس احمد نے جس سند سے یہ قول ذکر کیا ہے اس کا راوی محمد بن حازم الفقیہ بھی بحث طلب ہے۔ تتبع بسیار کے باوجود اس کا ترجمہ نہیں ملا۔ لہٰذا جب یہ قول سنداً ہی صحیح نہیں تو اس سے کتب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے امام مالک رحمہ اللہ کے استفادہ کی کہانی لغو اور بے اصل ثابت ہوتی ہے۔

اقوم المسالک میں اس حوالے سے علامہ کوثری رحمہ اللہ نے ابو عبد اللہ الحسین الصمیری کی "أخبار أبي حنيفة وأصحابه" کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ

---

[1] مولانا نعمانی رحمہ اللہ نے ابنِ ماجہ اور علمِ حدیث (ص: ۱۶۱) اور مقدمہ کتاب الآثار (ص: ۱۹) میں اسے قاضی ابو العباس کی کتاب قرار دیا ہے۔ جب کہ علامہ کوثری نے اسے ابو العباس کے دادا کی کتاب قرار دیا ہے اور اس پر قاضی ابو العباس کے زیادات ہیں۔ ان کے الفاظ ہیں: "وقال أبو العباس فيما زاد على كتاب جده في أخبار أبي حنيفة" یہ کتاب "فضائل أبي حنيفة وأخباره و مناقبه" کے عنوان سے شائع ہو چکی ہے۔

[2] أقوم المسالك للكوثري (ص: ۹۹) ابن أبي العوام (۲۳۵)

ابن الدراوردی نے فرمایا: ''میں نے امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد مبارک میں عشاء کی نماز کے بعد دیکھا، وہ دونوں باہم صبح کی نماز تک مذاکرہ کرتے رہے اور جب دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے قول وعمل سے آگاہی حاصل کر لیتا تو اسے غلط نہ کہتا۔''

یہ قول علامہ الصیمری رحمہ اللہ کی کتاب اخبار ابی حنیفہ[1] میں بالاسناد مذکور ہے اور یہی قصہ ابن ابی العوام نے فضائل ابی حنیفہ[2] میں ذکر کیا ہے، مگر اس کی سند بھی درست نہیں۔ اس کا ایک راوی جبرون بن عیسیٰ بن یزید مجہول ہے۔ یہ امام طبرانی رحمہ اللہ کا بھی استاد ہے اور علامہ الہیثمی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: ''لم أعرفه''[3] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہی نے کہا ہے کہ وہ ''واہی الحدیث'' ہے اور علامہ المنذری نے فرمایا ہے:

''لم أقف فيه على جرح ولا تعديل''[4]

''میں اس کے بارے میں جرح وتعدیل پر واقف نہیں۔''

ابن ابی العوام کی الفضائل میں یہ جبرون بن سعید بن یزید ہے، مگر صحیح ابن عیسیٰ بن یزید معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

جبرون کا استاد ایوب بن عبدالرحمان العراقی ابو ہشام کا ترجمہ راقم کو کوشش بسیار کے باوجود نہیں مل سکا اور یہی پوزیشن اس کے استاد محمد بن رشید صاحب عبدالرحمان بن القاسم کی ہے۔ لہٰذا دونوں بزرگوں کے مابین مذکراہ کی یہ روایت بھی درست نہیں۔

علامہ کوثری نے اخبار ابی حنیفہ[5] کے حوالے سے کادح بن زحمہ سے نقل کیا

---

[1] أخبار أبي حنيفة (٧٣، ٧٤)
[2] فضائل أبي حنيفة (١٠٣)
[3] مجمع الزوائد (٢١١/٥، ٢٤٩/١٠)
[4] تراجم شيوخ الطبراني (٢٣٢)
[5] أخبار أبي حنيفة (٧٤)

ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ ایک آدمی کے پاس دو کپڑے ہیں ایک پاک اور دوسرا ناپاک، نماز کا وقت ہو جائے تو وہ کیا کرے۔ انھوں نے فرمایا: جو قابلِ استعمال ہے اسے استعمال کرے۔ کادح کہتے ہیں: میں نے اس بارے میں انھیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول بتلایا کہ وہ ان دونوں میں سے کسی ایک میں ایک بار نماز پڑھے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے یہ سن کر سائل کو طلب کیا اور اسے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق فتویٰ دیا۔

علامہ کوثری ہے نے یہ کہانی لکھنے کے بعد فرمایا ہے کہ اس کا راوی سلیمان اور کادح "متکلم فیهما" دونوں میں کلام ہے۔ اور ساتھ اس بات کی طرف اشارہ بھی ضروری سمجھا کہ کادح کو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ کا شاگرد قرار دیا ہے۔

مگر عرض ہے کہ وہ "متکلم فیهما" ہی نہیں بلکہ کادح بن زحمہ کو امام ازدی وغیرہ نے کذاب کہا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کے ترجمہ میں اس کی موضوع اور بے اصل روایات کا تذکرہ کیا ہے۔[1]

اس کا شاگرد سلیمان بن ربیع ہے۔ کادح کے ترجمہ میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے متروک قرار دیا ہے۔ اور میزان[2] میں ہے: "ترکه الدارقطني" اور فرمایا کہ وہ اپنے اساتذہ کے نام تبدیل کر دیا کرتا تھا۔[3]

لہٰذا جب اس کے راوی کذاب اور متروک ہیں تو صرف متکلم فیہ کہہ کر اور کادح کو امام مالک رحمہ اللہ کا تلمیذ ثابت کرنے سے اس قصے کا اثبات علامہ کوثری کے علم کی "معراج" ہے۔ اس نوعیت کے بعض دیگر اقوال سے علامہ کوثری رحمہ اللہ نے

---

1. میزان (۳/۳۹۹)، اللسان (۵/۴۸۵)، المجروحين (۲/۲۹۹)، الضعفاء لأبي نعيم (۱۳٤) وغیرہ
2. میزان (۲/۲۰۷)
3. اللسان (۳/۹۱)، الديوان (۱۷۲)، المغني (۱/۲۷۹)، الضعفاء ابن الجوزي (۲/۱۹)

ثابت کرنے کی پوری کوشش کی ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے فتاویٰ کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور ان کی کتابوں سے استفادہ کرتے تھے، مگر یہ تمام کوششیں مجہول اور ناقابلِ اعتبار اقوال پر مبنی ہیں۔

دونوں بزرگ باہم معاصر تھے اگر صحیح اسانید سے ثابت ہو جائے کہ امام مالک رحمہ اللہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے استفادہ کرتے یا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ کے علم سے استفادہ کرتے تھے تو یہ ان دونوں کی عظمت کی دلیل ہے۔ دونوں بزرگوں کا ایک دوسرے سے استفادہ کوئی عار کا باعث نہیں۔ محدثین کے ہاں تو یہ بات ہے کہ کوئی اس وقت تک صحیح محدث نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے سے اعلیٰ، ہم عصر اور اپنے سے کم تر تینوں طبقوں سے روایت نہ کرے۔[1]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا امام مالک رحمہ اللہ سے استفادہ:

افسوس اس بات کا ہے کہ علامہ کوثری رحمہ اللہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے امام ابوحنیفہ سے استفادہ کا ذکر تو خوب تفصیل سے کرتے ہیں، مگر امام مالک رحمہ اللہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے استفادہ سے حتی الوسع صرف نظر کر جاتے ہیں یا مقدور بھر اس کی تغلیط اور اس کی بے ثبوتی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ اندازہ کیجیے کہ امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے تقدمۃ الجرح والتعدیل میں ذکر کیا ہے:

"حدثنا أبو بكر الجارودي محمد بن النضر النيسابوري قال: سمعت أحمد بن حفص يقول: سمعت أبي يقول: سمعت إبراهيم بن طهمان يقول: أتيت المدينة فكتبت بها ثم قدمت الكوفة فأتيت أبا حنيفة في بيته فسلمت عليه فقال لى: عمن كتبت هناك؟ فسميت له فقال: هل

---

[1] مقدمة ابن الصلاح

كتبت عن مالك بن أنس شيئا؟ فقلت: نعم، فقال جئني بما كتبت عنه، فأتيته به فدعا بقرطاس ودواة فجعلت أملي عليه وهو يكتب''[1]

''ابراہیم بن طہمان فرماتے ہیں: میں مدینہ طیبہ آیا تو میں نے وہاں سے احادیث لکھیں، پھر میں کوفہ گیا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ان کے گھر میں ملا، انھیں سلام کہا۔ تو انھوں نے فرمایا: تم نے وہاں مدینہ طیبہ میں کس کس سے احادیث لکھی ہیں؟ میں نے ان کا نام لیا، تو انھوں نے فرمایا: کیا تم نے مالک بن انس سے بھی کچھ لکھا ہے؟ میں نے عرض کی: جی ہاں، انھوں نے فرمایا: مالک رحمہ اللہ سے جو کچھ تم نے لکھا ہے وہ میرے پاس لاؤ، میں وہ ان کے پاس لے گیا تو انھوں نے کاغذ اور سیاہی طلب کی، پھر میں انھیں وہ احادیث لکھواتا جاتا اور وہ لکھتے جاتے۔''

امام ابراہیم بن طہمان ثقہ محدثین میں شمار ہوتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے تلمیذ ہونے کے ناتے مولانا عبد الرشید نعمانی رحمہ اللہ نے ابنِ ماجہ اور علم الحدیث[2] میں ان کا خوب تعارف کروایا ہے۔

امام ابراہیم رحمہ اللہ کا اسی ناتے سے ذکر اگر علامہ قرشی نے الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ میں کیا تو قاضی عیاض رحمہ اللہ نے بھی ترتیب المدارک[3] میں انھیں امام مالک رحمہ اللہ کا تلمیذ رشید قرار دیا ہے۔ امام ابراہیم کے اس بیان کی سند بھی ثقہ وصدوق راویوں پر مشتمل ہے۔[4]

---

[1] تقدمة (٣،٤) [2] ابن ماجہ اور علم الحدیث (ص: ١٠٣، ١٠٤)

[3] ترتيب المدارك (٢٥٢/١)

[4] امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ ہی نے سند صحیح سے ذکر کیا ہے کہ امام عبد الرحمان بن مہدی سے کہا گیا: آپ یہ کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ''اعلم'' ہیں؟ انھوں نے فرمایا: ←

علامہ کوثری کی تلبیس

یہی وجہ ہے کہ علامہ کوثری اس کی سند پر تو کوئی کلام نہ کر سکے لیکن اس کے انکار کی جو سبیل انھوں نے نکالی وہ انھی کے الفاظ میں پڑھیے، لکھتے ہیں:

➜ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ امام مالک رحمہ اللہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے استاد حماد بن ابی سلیمان رحمہ اللہ سے بھی ''اعلم'' ہیں۔ (تقدمة الجرح والتعديل: ١١) یہی قول ابن عبدالبر نے الانتقاء (٦٢) میں بھی نقل کیا ہے۔ اور ابن ابی حاتم نے اسے ایک اور سند سے بھی نقل کیا ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ علامہ عبد القادر قرشی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حماد بن ابی سلیمان نے فرمایا: کوفہ والو! تمھیں مبارک ہو تمھارے بچے کیا، بچوں کے بچے بھی عطاء رحمہ اللہ، طاؤس رحمہ اللہ اور مجاہد رحمہ اللہ سے زیادہ فقیہ ہیں۔ (الجواهر المضية: ٢٢٦/١) علامہ القرشی رحمہ اللہ نے یہ قول امام مغیرہ بن مقسم رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے مگر افسوس کہ اسے مکمل نقل نہیں کیا۔ امام مغیرہ رحمہ اللہ حماد بن ابی سلیمان رحمہ اللہ کا یہی قول نقل کر کے مزید فرماتے ہیں: "فرأينا ذلك بغيا منه'' کہ ہم ان کا یہ قول بغاوت سمجھتے تھے۔'' (میزان: ٥٩٦/١، سير اعلام النبلاء: ٢٣٥/٥)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے یہ قول امام العقیلی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے اور الضعفاء للعقيلي (٣٠٢/١) میں اس کے بعد مزید یہ الفاظ بھی ہیں: "قال جرير قال مغيرة: كذب حماد'' کہ ''مغیرہ'' نے فرمایا: ''حماد رحمہ اللہ نے غلط کہا ہے۔'' امام حماد رحمہ اللہ بن ابی سلیمان کی یہ ''جسارت'' امام محمد بن الحسن شیبانی رحمہ اللہ کے بیان کے بھی خلاف ہے۔ چنانچہ جب ان سے امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں قرآن پاک کو زیادہ جاننے والے ہمارے استاد امام مالک رحمہ اللہ ہیں یا آپ کے استاد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ؟ تو امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا: امام مالک رحمہ اللہ۔ پھر امام شافعی رحمہ اللہ نے پوچھا: سنت کو زیادہ جاننے والے ہمارے استاد ہیں یا آپ کے؟ تو انھوں نے فرمایا: آپ کے استاد یعنی امام مالک رحمہ اللہ۔ پھر امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور متقدمین کے اقوال کو زیادہ جاننے والے ہمارے استاد ہیں یا آپ کے؟ تو انھوں نے فرمایا: امام مالک رحمہ اللہ۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: اب قیاس رہ گیا تو قیاس انھی سے مستنبط ہوتا ہے۔ جو اصول نہ جانتا ہوں وہ قیاس کس سے کرے گا؟ (تقدمة الجرح ١٢، ١٣) فقہ الحدیث تو کتاب و سنت سے یا اقوال صحابہ سے ماخوذ ہے اور اس میں امام مالک رحمہ اللہ کو برتری حاصل ہے۔ رہی فقہ اہل الرأی تو ایں چیزے دیگر است۔

”وأما ما ذكره ابن أبي حاتم في تقدمة الجرح والتعديل من أن أبا حنيفة كان يطلع على كتب مالك فيخدش فيه أن مالكا لم يؤلف شيئا قبل الموطأ وكان تأليفه للموطأ في أواخر عهد المنصور العباسي بعد وفاة أبي حنيفة“[1]

یہی بات علامہ کوثری نے علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ کی کتاب ”الانتقاء في فضائل الأئمة الثلاثة الفقهاء“ کے حواشی میں کہی اور جب یہی کتاب شیخ ابو غدہ رحمہ اللہ کی تحقیق و مراجعت سے شائع ہوئی تو انھوں نے بھی حاشیہ[2] میں حقِ تلمذ ادا کرتے ہوئے اسے علامہ کوثری رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کر دیا۔ إنا لله وإنا إليه راجعون.

مگر آپ دیکھ رہے ہیں کہ امام ابراہیم رحمہ اللہ کے مذکورۃ الصدر بیان میں موطا امام مالک کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ حدیث کا درس موطا کی تالیف سے پہلے بھی دیتے تھے اور تلامذہ ان سے مستفید ہوتے تھے۔ بلکہ وہ سترہ سال کے تھے جب وہ مسند نشیں ہوئے جیسا کہ آئندہ اس کا با حوالہ ذکر ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

امام ابراہیم رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ کی مرویات کو قلم بند کیا، کوفہ تشریف لے گئے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے دیگر شیوخِ مدینہ کے بجائے امام مالک رحمہ اللہ کی مرویات کے بارے میں اشتیاق کا اظہار کیا۔ امام ابراہیم رحمہ اللہ نے وہ روایات لکھوائیں اور انھوں نے لکھ لیں۔ اس سے آپ اندازہ کیجیے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں امام مالک رحمہ اللہ کی کیا قدر و منزلت تھی۔ وہ خود پوچھتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ سے بھی کچھ لکھا؟ جب بتلایا گیا کہ جی ہاں، تو بڑے اشتیاق سے انھیں قلم بند کیا۔ مگر دیکھا آپ نے کہ اس کی تغلیط و تردید کے لیے علامہ کوثری نے ایسی کہانی بنائی جس کا

---

[1] أقوم المسالك [2] حاشية (٤٤)

اصل کہانی میں کوئی اشارہ تک نہیں۔

اسی طرح علامہ ذہبی نے التذکرہ میں اشہب بن عبدالعزیز کا یہ بیان نقل کیا ہے:

"رأيت أبا حنيفة بين يدي مالك كالصبي بين يدى أبيه"[1]

"میں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو امام مالک رحمہ اللہ کے سامنے اس طرح دیکھا جس طرح بچہ اپنے باپ کے سامنے ہو۔"

یہ واقعہ علامہ شبلی رحمہ اللہ نے سیرۃ النعمان میں اور علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ حیات امام مالک رحمہ اللہ میں بھی ذکر کیا ہے۔

علامہ کوثری نے "أقوم المسالك" میں اس کے بارے میں فرمایا:

"اشہب کا سنِ ولادت حسبِ بیان ابن یونس ۱۴۵ھ ہے اور اس عمر کے بچے کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ مصر سے مدینہ طیبہ جائے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو امام مالک رحمہ اللہ کے یہاں دیکھ سکے۔"

یہی بات علامہ کوثری کے حوالے سے مولانا نعمانی نے ابنِ ماجہ اور علمِ حدیث[2] میں کہی ہے۔

اشہب کا سن پیدائش:

حالانکہ اشہب بن عبدالعزیز کا سنِ ولادت ۱۴۰ھ ہے ۱۴۵ھ نہیں۔ جیسا کہ الثقات لابن حبان[3] میں ہے۔ یہی بات علامہ ابن عبدالبر نے الانتقاء[4] میں کہی ہے:

"ولد سنة أربعين ومائة" اشہب ۱۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور یہی کچھ انھوں نے ترتیب المدارک[5] میں فرمایا ہے۔

---

[1] التذكرة (۲۰۹/۱)
[2] ابن ماجہ اور علمِ حدیث (۱۶۲)
[3] الثقات لابن حبان (۱۳۶/۸)
[4] الانتقاء (۹۷)
[5] ترتيب المدارك (۴۵۲/۱)

بلکہ علامہ ابن خلکان نے وفیات الاعیان[1] میں ابن یونس ہی سے ان کی پیدائش ۱۴۰ھ میں نقل کی ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ وغیرہ نے اسی پر اعتماد کیا ہے۔[2]

دراصل تہذیب التہذیب[3] میں ہندسوں میں ان کی پیدائش ۱۴۵ھ لکھی ہوئی ہے جس سے انھیں غلطی لگی۔ مگر قابلِ غور بات تو یہ ہے کہ تہذیب کے علاوہ الانتقاء اور ترتیب المدارک تو ان کے سامنے تھیں۔ دوسرے مراجع سے بھی وہ غافل نہ تھے، مگر چونکہ بات کی تغلیط کرنا تھی اس لیے تہذیب کا سہارا ناگزیر تھا۔ تقریب التہذیب سے بھی، جو تہذیب ہی کا اختصار ہے، یہ غلط فہمی دور ہو سکتی تھی جس میں لکھا: ”مات سنة أربع وهو ابن أربع وستين“ وہ ۲۰۴ھ میں فوت ہوئے جب کہ ان کی عمر ۶۴ سال تھی۔ نتیجہ واضح ہے کہ یوں ان کا سنِ پیدائش ۱۴۰ھ ہی بنتا ہے۔

علاوہ ازیں اس بات سے بھی وہ غالبًا بے خبر نہیں کہ تہذیب کے نسخے میں اس قسم کی طباعتی و دیگر اغلاط بھی پائی جاتی ہیں۔ بقیہ بن ولید کی پیدائش ۱۱۵ھ میں لکھی ہوئی ہے جب کہ صحیح ۱۱۰ھ ہے۔ حارث بن مسکین کی پیدائش ۲۲۵ھ میں لکھی ہوئی ہے۔ حالانکہ وہ ۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ بالکل اسی طرح اشہب کے ترجمہ میں بھی ۱۴۰ھ کے بجائے ۱۴۵ھ غلط طبع ہوا ہے۔

لہٰذا جب اشہب ۱۴۰ھ میں پیدا ہوئے، ۵۔۶ سال کی عمر میں مدینہ طیبہ آئے ہوں تو اس میں کوئی امر مستبعد نہیں۔ محدثین کرام کے ہاں تو سنِ شعور میں بچے کا سماع صحیح ہے گو وہ پانچ سال سے کم عمر کا ہی کیوں نہ ہو۔ امام ابو محمد اصبہانی پانچ سال کے

---

[1] وفيات الأعيان (٢٤٩/١، ٢٥٠)

[2] العبر (٣٤٥/١)، تاريخ الإسلام (٦٢/١٢)، سير الأعلام النبلاء (٥٠١/٩)، شذرات الذهب (١٢/٢)، حسن المحاضرة (١٢٢/١)، التهذيب للمزي (٢٩٤/٢) إكمال تهذيب الكمال (٢٤٦/١)، خلاصة تهذيب الكمال (١١٧/١)

[3] تهذيب التهذيب (٣٦٠/١)

تھے کہ انھوں نے قرآن مجید یاد کر لیا تھا اور چار سال کے تھے جب وہ ابو بکر المقریٔ کے ہاں سماعِ حدیث کے لیے حاضر ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ جیسے ناقدِ رجال نے بھی اس کی تردید نہیں، بلکہ تصدیق و تائید کی ہے، ان کے الفاظ ہیں:

”فهذا يدل على حسن أدب أبي حنيفة وتواضعه مع كونه أسن من مالك بثلاث عشر سنة“[1]

”یہ واقعہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے حسنِ ادب اور ان کی تواضع پر دلالت کرتا ہے۔ حالانکہ وہ عمر میں امام مالک رحمہ اللہ سے ۱۳ سال بڑے تھے۔“

مگر غور فرمائیے علامہ کوثری نے ایک غلط حوالے کے سہارے اس قصے کی تاریخی اعتبار سے تردید کر دی۔

یہاں یہ بات بھی یقیناً دلچسپی کا باعث ہو گی کہ علامہ عبدالرحمان المعلمی نے التذکرہ کے حاشیہ میں فرمایا ہے: ”یہ واقعہ درست نہیں کیونکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی وفات کے وقت اشہب کی عمر پانچ سال تھی۔ صحیح یہ ہے کہ میں نے محمد بن حسن صاحب ابی حنیفہ کو امام مالک رحمہ اللہ کے پاس دیکھا۔“ بلکہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اشہب کی پیدائش ۱۴۵ھ ہی لکھی ہے۔[2]

لیکن یہاں علامہ المعلمی رحمہ اللہ اور علامہ البانی رحمہ اللہ کو بھی تہذیب میں اشہب کے سنِ پیدائش ۱۴۵ھ سے غلطی لگی تبھی تو وہ امام صاحب کی وفات پر ان کی عمر پانچ سال بتلا رہے ہیں۔ حالانکہ یہ بات ہی بجائے خود غلط ہے کہ اشہب ۱۴۵ھ میں پیدا ہوئے جیسا کہ ابھی ہم باحوالہ ذکر کر آئے ہیں۔ یہاں علامہ ابو غدہ رحمہ اللہ کی ہوشیاری بھی دیکھیے کہ وہ الانتقاء کے حواشی میں علامہ المعلمی کے حوالے سے اشہب کے سنِ پیدائش کے بارے میں تو نقل کرتے ہیں مگر یہی بات پہلے علامہ کوثری نے کہی مگر ان کا وہ

---

[1] التذكرة [2] هامش التنكيل (١٨٥)

نام لینا گوارا نہیں کرتے، آخر کیوں؟ کیا وہ علامہ کوثری کے اس موقف سے بے خبر تھے؟ ہرگز نہیں۔

البتہ علامہ کوثری نے الانتقاء کے حواشی میں کہا ہے کہ ''اشہب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی وفات کے وقت دس سال کے تھے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اپنے آخری ایام میں امام مالک رحمہ اللہ سے نہیں ملے۔ ان کی ملاقات ۱۴۶ھ سے پہلے ہوئی۔ جب امام مالک رحمہ اللہ بلند مرتبے کو نہیں پہنچے تھے اور امام مالک رحمہ اللہ مودب الاطفال نہ تھے۔''[1]

قابلِ غور بات ہے کہ جب شیخ ابو غدہ کے نزدیک بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی وفات کے وقت اشہب کی عمر دس سال تھی تو پھر علامہ معلّمی سے اشہب کی پیدائش ۱۴۵ھ میں نقل کرنا چہ معنی دارد؟ وہ یہی بات اپنے شیخ علامہ کوثری سے بھی نقل کیوں نہیں کرتے؟ محض اس لیے کہ اس کی اگر تردید ہو تو علامہ کوثری پر اس حوالے سے تنقید نہ ہو۔

امام مالک رحمہ اللہ کی بلندیِ مرتبت بلاشبہ ان کے دورِ ابتلا سے پہلے بھی تھی، بعد میں مزید اجاگر ہوتی چلی گئی۔ یہ ابتلائی دور ۱۴۶ھ میں آیا، اس سے پہلے امام مالک رحمہ اللہ کی قدر و منزلت کیا تھی، ان کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ ۹۳ھ میں پیدا ہوئے اور اپنے استاد نافع رحمہ اللہ کی زندگی میں مسندِ افتا پر سرفراز ہوئے۔ امام نافع ۱۱۷ھ میں فوت ہوئے۔ ایوب سختیانی کا بیان ہے کہ میں امام نافع رحمہ اللہ کی زندگی میں مدینہ طیبہ گیا تب امام مالک رحمہ اللہ کا اپنا حلقۂ درس تھا۔ بلکہ مصعب تو فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ مولیٰ کا حلقہ درس امام نافع رحمہ اللہ سے بڑا تھا۔ امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ سترہ سال کے تھے کہ مسندِ درس پر مسند نشین ہوئے۔ اور خود امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب مجھے ستر

[1] حاشیہ الانتقاء (۴۳، ۴۴)

شیوخ نے فرمایا کہ آپ درس وافتا کے اہل ہیں تب میں نے درس دینا شروع کیا۔ [1]

خود علامہ ابو غدہ نے نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے علمائے مدینہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''الغلام الأبيض المحمر، يريد مالكا'' سرخ وسفید رنگ کا ''غلام'' اس سے ان کی مراد امام مالک رحمہ اللہ تھے۔ [2]

اس لیے یہ کہنا کہ امام مالک رحمہ اللہ کو شہرت ہی ان کے دورِ ابتلاء کے بعد حاصل ہوئی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ان سے ملاقات امام مالک رحمہ اللہ کے علوِ مرتبت ''قبل أن يأخذ شأنه'' سے پہلے تھی، درست نہیں۔ ۱۴۶ھ سے پہلے دونوں بزرگوں کی ملاقات ایک حقیقت ہے، مگر یہ کہنا کہ امام مالک رحمہ اللہ کی شہرت اور بلندیِ مرتبت ۱۴۶ھ کے بعد ہوئی بہرنوع غلط ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ امام مالک رحمہ اللہ مؤدبِ اطفال نہ تھے محض دل کی تسلی کا سامان ہے۔ یہ کیا ضروری ہے کہ اشہب نے صغرسنی میں جب دونوں کا اجتماع دیکھا تو وہ بھی امام مالک رحمہ اللہ کے سامنے دوزانو بیٹھے تھے اور درس کی سماعت کر رہے تھے؟

ہماری ان گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ علامہ کوثری اور ان کی معنوی ذریت بے بنیاد اقوال کی بنیاد پر امام مالک رحمہ اللہ کے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مستفید ہونے کا تاثر تو بڑے شد ومد سے بیان کرتے ہیں، لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں وہ یہ گوارا نہیں کرتے کہ ان کا بھی امام مالک رحمہ اللہ سے مستفید ہونا تسلیم کیا جائے اور ان کے علم وفضل کا اعتراف کیا جائے۔

آگے بڑھنے سے پہلے ہم اشہب کے بیان کے حوالے سے مزید یہ عرض کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ مولانا نعمانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے پچپن (۵۵)

---

(1) ترتيب المدارك (۱/۱۲۵، ۱۲٦)

(2) حاشية الانتقاء (٤٣)، ترتيب المدارك (۱/۱۲۹)

حج کیے تھے۔[1] بلاشبہہ یہ بہت بڑا اعزاز ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندے کو عطا فرمایا ہے۔ امام ابن عیینہ نے ستر (۷۰) حج کیے تھے[2] اور یہ بات بھی نعمانی صاحب رحمہ اللہ کے ہاں مسلم ہے کہ امام صاحب نے پہلا حج ۹۶ھ میں کیا تھا۔[3]

قابلِ غور بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے پہلا حج ۹۶ھ میں کیا جب کہ ان کی عمر سولہ سال تھی تو اس کے بعد ہر سال آپ حج پر گئے ہوں تو پھر بھی ۵۵ کی تعداد پوری نہیں ہوتی۔ شعبان ۱۵۰ھ میں ان کا انتقال ہوتا ہے، اس اعتبار سے ان کے حج کی تعداد میں ۵۴ ہیں ۵۵ نہیں۔ ممکن ہے تغلیباً راوی نے ۵۵ کہا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں ۵۴ یا ۵۵ مرتبہ حج کی سعادت بخشی۔ راوی کا اگر یہ بیان صحیح ہے تو یقیناً یہ بڑی سعادت ہے، مگر ہمارا سوال یہ ہے کہ جب ان کی یہ فضیلت ثابت ہے تو کیا ۱۴۶ھ کے پس و پیش حج کے ساتھ مدینہ طیبہ بھی جاتے تھے یا نہیں؟ حج بیت اللہ کے لیے جائیں اور مدینہ طیبہ نہ جائیں تو یہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ''جفا'' کے زمرے میں تو نہیں آتا؟ کیا فرماتے ہیں علمائے احناف اس مسئلے میں؟ مدینہ طیبہ بھی گئے ہیں تو امام مالک رحمہ اللہ سے ملاقات کا انکار محض مجادلہ ہے اور پھر ان آخری سالوں میں اشہب کی مدینۂ طیبہ میں موجودگی پر اعتراض میں کون سی معقولیت رہ جاتی ہے؟

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی امام مالک رحمہ اللہ سے روایت:

قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ نے ہی ترتیب المدارک[4] میں نہیں بلکہ موفق حنفی اور الکردری حنفی نے بھی جنھوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مناقب پر کتابیں لکھی ہیں، تسلیم کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ سے روایت لی ہے۔[5]

---

(1) ابن ماجہ اور علمِ حدیث (۱۶)

(2) السیر وغیرہ

(3) حاشیہ مقدمہ کتاب التعلیم (۳۶) وغیرہ

(4) ترتیب المدارك (۱/۱۴۳، ۲۵۷)

(5) المناقب للموفق (۱/۵۰)، وللكردري (۱/۸۶)

علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے الانتقاء[1] میں، علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے السیر[2] میں، علامہ ابن فرحون رحمہ اللہ نے الدیباج المذہب[3] میں، علامہ عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری[4] میں امام صاحب کو امام مالک رحمہ اللہ کا تلمیذ بتلایا ہے۔ علامہ کشمیری فرماتے ہیں:

"عندی ثلاثة أحاديث رواها أبو حنيفة عن مالك، وقال علاء الدين مغلطائي الحنفي روى أبو حنيفة عن مالك بلا ريب"[5]

"کہ میرے نزدیک تین احادیث ہیں جنھیں امام صاحب امام مالک رحمہ اللہ ہی سے روایت کرتے ہیں اور علامہ مغلطائی حنفی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ بلاریب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں۔"

امام صاحب رحمہ اللہ کا امام ابراہیم بن طہمان رحمہ اللہ سے امام مالک رحمہ اللہ کی روایت کا نقل کرنا پہلے ذکر ہوا مگر آپ پڑھ آئے ہیں یہ علامہ کوثری کو قطعاً گوارا نہیں۔ اسی طرح امام صاحب کا امام مالک رحمہ اللہ سے روایت لینا بھی ان کے ہاں قابلِ برداشت نہیں۔ اس کے لیے انھوں نے مستقل رسالہ "أقوم المسالك في بحث رواية مالك عن أبي حنيفة ورواية أبي حنيفة عن مالك" لکھا جو ان کے رسالہ احقاق الحق کے آخر میں مطبوع ہے۔

علامہ ابن الصلاح رحمہ اللہ نے اپنے المقدمہ میں ذکر فرمایا تھا کہ سب سے اجل سند "شافعی عن مالك عن نافع عن ابن عمر" ہے۔ جس پر علامہ مغلطائی حنفی رحمہ اللہ نے اعتراض کیا کہ جلالتِ شان کے اعتبار سے یہ بات درست ہے مگر اس

---

[1] الانتقاء (٤١)
[2] السير (٥٢/٨)
[3] الديباج المذهب (٣٠)
[4] عمدة القاري (٣٧/١)
[5] العرف الشذي (٣٨٩)

پر بھی اعتراض ہے کہ اجل سند "أبو حنيفة عن مالك" ہے جیسا کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔[1]

علامہ عراقی نے تو اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ یہ اعتراض درست نہیں، امام دارقطنی رحمہ اللہ نے یہ روایت کتاب المدبج میں ذکر کی ہے لیکن وہ "مالك عن نافع عن ابن عمر" کی سند سے نہیں بلکہ ایک اور سند سے ہے جب کہ بحث "مالك عن نافع عن ابن عمر" کی سند سے روایت میں ہے۔[2]

غور فرمایئے! یہ دونوں حضرات "أبو حنيفه عن مالك" کی روایت کو تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ علامہ مغلطائی رحمہ اللہ اسے "اجل الاسانید" قرار دیتے ہیں اور علامہ عراقی رحمہ اللہ صاف فرماتے ہیں کہ جس روایت کی بنیاد پر یہ کہا گیا وہ مالک عن نافع کی سند سے نہیں، اس لیے یہ اجل الاسانید نہیں جیسا کہ علامہ مغلطائی رحمہ اللہ کا خیال ہے۔ گویا علامہ عراقی نے "ابو حنیفہ عن مالک" کا انکار نہیں کیا بلکہ "ابو حنیفہ عن مالک عن نافع" کی سند کا انکار کیا ہے۔

مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ اور ان کے بعد خطیب بغدادی نے دو مختلف اسناد سے دو روایتیں ذکر کی ہیں اور ان دونوں کی صحت میں کلام ہے۔ دارقطنی رحمہ اللہ اور خطیب رحمہ اللہ نے ان کتابوں میں صحت کا التزام نہیں کیا۔ اگر ان کا ثبوت تسلیم بھی کیا جائے تو بھی مغلطائی رحمہ اللہ کا اعتراض درست نہیں، کیونکہ جو مذاکرہ کی صورت میں ایک دو احادیث روایت کرتا ہے اسے اس راوی پر کیوں کر فضیلت ہو سکتی ہے جس نے ہزاروں روایتیں بیان کی ہوں۔[3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام دارقطنی رحمہ اللہ اور خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی بیان کی

---

[1] إصلاح كتاب ابن الصلاح (۵۲/۲)

[2] التقييد والايضاح (۲۳) [3] النكت (۲۶۳/۱)

ہوئی روایت کو ضعیف قرار دے کر فرمایا ہے کہ اگر اس کا ثبوت ہے تو یہ بطورِ مذاکرہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ سے سنی ہیں۔ باقاعدہ مجلسِ سماع میں نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ سے باقاعدہ سماع کیا ہے اور ہزاروں روایات ان سے سنی ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ:

"عمران بن عبد الرحيم الأصفهاني حدثنا بكار بن الحسن حدثنا إسماعيل بن حماد بن أبي حنيفة عن أبيه عن أبي حنيفة عن مالك عن عبد الله بن الفضل عن نافع بن جبير عن ابن عباس"

کی سند سے ہے، جس کے الفاظ ہیں: "الأيم أحق بنفسها من وليها، الحديث" یہ روایت اسی سند سے مسند ابی حنیفہ لابی نعیم[1] اور تاریخ بغداد میں[2] مذکور ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے، بعض نے اسے "إسماعيل بن حماد بن أبي حنيفه عن أبي حنيفه عن مالك" اور بعض نے "حماد بن أبي حنيفة عن مالك" بیان کیا ہے۔ جیسا کہ الخوارزمی نے اشارہ کیا ہے۔ اور علامہ کوثری نے بھی اقوم المسالک میں اس کی تفصیل دی ہے۔

مگر انھوں نے الانتقاء کے حاشیہ[3] میں اسے "حماد بن أبي حنيفة ثنا مالك" کی سند سے نقل کرنے میں جو گھپلا کیا ہے اس کی دلچسپ وضاحت التنکیل کے حاشیہ[4] میں علامہ البانی رحمہ اللہ نے بیان کر دی ہے، مگر یہ تفصیل یہاں غیر ضروری ہے۔ علامہ کوثری کو اصرار ہے کہ یہ روایت "حماد عن مالك" کی سند سے ہے۔

---

[1] مسند أبي حنيفة لأبي نعيم (٤٣٣)، جامع المسانيد (١١٩/٢)، سير أعلام النبلاء (١٢٤/٨)

[2] تاريخ بغداد (٣٧٦/٥) [3] حاشيه الانتقاء (٤٢) [4] حاشيه (١٨٦/١)

"أبو حنيفه عن مالك" کی سند سے نہیں۔ اس میں جو غرض ہے اس کی نقاب کشائی علامہ المعلمی نے التنکیل[1] میں کر دی ہے۔ شائقین التنکیل ملاحظہ فرمائیں۔

اس روایت کا دار و مدار عمران بن عبد الرحیم الاصبہانی پر ہے۔ وہ بواسطہ ابو حنیفہ عن مالک ہو یا حماد عن مالک ہو، عمران وضاع ہے۔ اور علامہ کوثری نے بھی تسلیم کیا ہے۔ "اتهمه غير أحد بوضع هذا السند" کہ بہت سے اہلِ علم نے اس سند کو وضع کرنے میں عمران کو متہم قرار دیا ہے۔[2] حافظ ذہبی رحمہ اللہ ہی کے الفاظ ہیں: "هو الذي وضع حديث أبي حنيفة عن مالك"[3]

سیدھی سی بات ہے کہ اگر "أبو حنيفه عن مالك" کی روایت ہی نہیں تو علامہ مغلطائی کا "أبو حنيفه عن مالك" کی سند کو "اجل الاسانید" کہنا کس "بنیاد" پر ہے؟ آپ تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ بنیاد بیتِ عنکبوت سے کمزور تر ہے مگر سرے سے اس کے انکار میں کوئی معقولیت نہیں۔

یہی عمران ہے جو کبھی "حماد عن مالک" کہتا ہے، کبھی "إسماعيل بن حماد بن أبي حنيفه عن أبي حنيفة عن مالك" کہتا ہے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ جامع المسانید[4] کی ایک سند میں سرے سے عمران کا واسطہ ہی ساقط ہے اور یہ واسطہ مسند الامام لابن خسرو میں بھی ساقط ہے۔[5] دوسری دو اسانید میں اسے عمران بن عبدالرحمٰن لکھا گیا ہے۔ جامع المسانید میں اس نوعیت کی طباعتی اغلاط بہت ہیں اسی طرح مسند ابی حنیفہ لابی نعیم میں:[6] "أنبأ أبو محمد بن

---

[1] التنكيل (١/١٨٦) [2] أقوم المسالك (ص: ١٠٠)

[3] میزان (٣/٢٣٨)، نیز دیکھیے: لسان (٤/٣٤٧)

[4] جامع المسانيد (٢/١١٩) [5] مسند الإمام لابن خسرو (٢/٨١٣)

[6] مسند أبي حنيفة لأبي نعيم (٤٣٣، رقم: ٣٣٦)

الضحاك بن عمرو بن أبي عاصم" بھی درست نہیں، صحیح "أنبا أبو علی محمد بن الضحاك بن عمرو" ہے۔

اس تفصیل کا مقصد یہ تھا کہ "ابو حنیفہ عن مالک" کی سند سے بھی روایت موجود ہے۔ مگر علامہ کوثری رحمہ اللہ کے لیے یہ بات بڑی ناگوار تھی۔ انھوں نے تمام مباحث سے صرف نظر کر کے بات ہی یہ بنائی کہ یہ سند ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ "حماد عن مالک" ہے۔ چلیے یہی تسلیم کرتے ہیں مگر اس کا راوی بھی تو وہی عمران بن عبد الرحیم ہے جو متہم ہے۔ پھر آپ کیوں کہتے ہیں کہ حماد، امام مالک رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نہیں۔

اس کے علاوہ بھی علامہ کوثری رحمہ اللہ نے تین روایات ذکر کی ہیں اور ان پر کلام کیا ہے۔ ان کے علاوہ امام ابو نعیم رحمہ اللہ نے مسند ابی حنیفہ میں ایک اور سند سے "ابو حنیفہ عن مالک" کے واسطے سے روایت کی ہے، مگر اس کی سند بھی محلِ نظر ہے۔ علامہ بدرالدین الزرکشی نے النکت علی ابن الصلاح میں تو کہا ہے کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ کا ایک مستقل جزء "ابو حنیفہ عن مالک" کی مرویات پر مشتمل ہے۔ اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے کہا ہے: "أسأل الله أن يمن علي بالوقوف على مؤلف الدارقطني في ذلك" میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے امام دارقطنی رحمہ اللہ کے رسالے پر مطلع فرما کر میرے اوپر احسان فرمائیں۔[1] بلکہ جامع المسانید[2] سے ایک روایت اسی حوالے سے نقل کر کے فرماتے ہیں: "فهذا ثابت وقد سررت بوجوده كثيرا" یہ ثابت ہے اور اسے دیکھ کر میں بہت خوش ہوا۔[3]

گویا علامہ سیوطی رحمہ اللہ امام صاحب کی امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کے قائل

---

(1) تزيين الممالك (2) جامع المسانيد (۱/٤٤٠)

(3) تزيين الممالك

ہیں۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ علامہ کوثری رحمہ اللہ نے عمران کی روایات کے ضمن میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی یہ بات تو تنویر الحوالک[1] کے حوالے سے نقل کر دی کہ: ''قيل إنه رواه عن أبي حنيفة ولا يصح''[2] مگر تزیین الممالک میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا جو موقف ہے اسے نظر انداز کر دیا۔

ہمیں یہاں صرف یہ عرض کرنا تھا کہ علامہ کوثری رحمہ اللہ اور ان سے متاثرین کا پیمانہ انصاف پر مبنی نہیں۔ ''ابو حنیفہ عن مالک'' کے حوالے سے تنقید کا ہر حربہ اختیار کرتے ہیں، مگر ''مالك عن أبي حنيفة'' کے حوالے سے انھیں اصرار ہے کہ یہ صحیح ہے اور امام مالک رحمہ اللہ، امام صاحب کی کتابوں سے مستفید ہوتے تھے۔ موطا کی ترتیب میں انھوں نے کتاب الآثار کو پیشِ نظر رکھا تھا۔ حالانکہ یہ دعویٰ بھی عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا۔

کیا کتاب الآثار پہلی صحیح کتاب ہے؟

پہلے مولانا نعمانی رحمہ اللہ کے حوالے سے ذکر ہو چکا ہے کہ ''کتاب الآثار''، ''ام الام'' ہے اور ''امت کے پاس احادیثِ صحیحہ کی سب سے قدیم ترین کتاب یہی ہے۔'' مقدمہ کتاب الآثار[3] میں بھی ان کے الفاظ ہیں: ''اس میں تبویب کے ساتھ ساتھ صحیح روایات کے درج کرنے کا التزام تھا۔'' بڑے طمطراق سے انھوں نے یہ بھی فرمایا ہے: ''کتاب الآثار میں جو احادیث ہیں وہ موطا کی روایات سے قوت وصحت میں کم نہیں۔ ہم نے خود اس کے ایک ایک راوی کو جانچا اور ایک ایک روایت کو پرکھا ہے۔''[4]

اسی طرح انھوں نے ''ما تمس إليه الحاجة'' میں بھی لکھا ہے۔

---

[1] تنویر الحوالك (٦٢/٢)

[2] أقوم المسالك [3] كتاب الآثار (٢٢)

[4] ابن ماجہ اور علم حدیث (ص: ١٦٢)، امام ابن ماجه و كتابه السنن (٥٨)

"كتاب الآثار هو أول مصنف في الصحيح"

حالانکہ کتاب الآثار میں منقطع، مراسیل روایات باکثرت ہیں۔ ہمارے تتبع کے مطابق کتاب الآثار میں کل مرفوع روایات تقریباً ۱۰۰ ہیں، جن میں ۵۳ مرسل و منقطع ہیں۔ اسانید میں مدلس و مختلط، مجہول وضعیف بلکہ متروک راوی پائے جاتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود نعمانی صاحب کو یہ سب صحیح معلوم ہوتی ہیں اور کتاب الآثار پہلی صحیح کتاب قرار پاتی ہے۔

کیا عبد الکریم بن ابی المخارق، طریف بن شہاب، ابان بن ابی عیاش، مسلم بن کیسان الاعور، ابراہیم بن یزید المکی، جراح بن منہال، اسماعیل بن مسلم مکی، مجالد بن سعید، لیث بن ابی سلیم، محمد بن زبیر بصری، سعید بن مرزبان وغیرہ جیسے کذاب، متروک اور ضعیف راوی بھی نعمانی صاحب کے ہاں ثقہ اور ان کی احادیث صحیح ہیں؟

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ أخبرنا شيخ، عن شيخ، عن رجل، حدثنا شيخ لنا کہہ کر روایت کرتے ہیں۔ کیا یہ سب شیوخ ثقہ قرار دیے جائیں گے؟ حارث بن زیاد، حنظلہ بن بنانہ، کدام بن عبد الرحمان، محمد بن عبیدۃ، ابو کباش، ابو سوار ولید بن عثمان، اسحاق بن ثابت، اس کا باپ ثابت، عبداللہ بن داود، ابو علی الصیقل، ابونصر سلیمی، ابوغسان، ام ثور، ابو جبلہ، عبدالرحمان بن زاذان ایسے راوی ہیں جو مجہول اور مستور ہیں۔ کیا ان سب کی روایات ''صحیح'' ہیں؟

کتاب الآثار میں تقریباً ستر فیصد روایات حماد بن ابی سلیمان سے ہیں۔ جبکہ حماد مختلط ہیں اور امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حماد سے شعبہ، سفیان، ہشام الدستوائی کی روایات تو درست ہیں، ان کے علاوہ متاخرین کی روایات میں عجائبات ہیں۔[1]

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے مجمع الزوائد[2] میں فرمایا ہے: "لا يقبل من حديث

---

[1] الجرح والتعديل (۱۴۷/۳)، التهذيب وغيره [2] مجمع الزوائد (۱۱۹/۱، ۱۲۰)

حماد إلا ما روى عنه القدماء: شعبة وسفيان الثوري وهشام الدستوائي، ومن عدا هؤلاء روا عنه بعد الاختلاط" امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان کے قدماء تلامذہ میں شمار نہیں ہوتے، اس لیے کتاب الآثار کی ۷۰ فیصد روایات غیر معتبر ہیں۔ الا یہ کہ ثابت کیا جائے کہ امام صاحب ان کے قدماء تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ إذ لیس فلیس یہ تو محض ایک سرسری جائزہ ہے۔ اب آیئے ذرا اس کی ضروری تفصیل بھی ملاحظہ فرمایئے اور مولانا نعمانی کا دعویٰ بھی دیکھیے کہ ہم نے خود اس کے ایک ایک راوی کو دیکھا اور ایک ایک روایت کو پرکھا ہے، اس میں صحیح روایات کا التزام ہے!!

پہلی روایت:

کتاب الآثار میں حدیث نمبر۴ اور کتاب الآثار قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کی پہلی حدیث میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے استاد ''ابوسفیان'' ہیں۔ جن کا نام طریف بن شہاب ہے۔ امام احمد، ابن معین، ابو حاتم، بخاری، ابوداود، نسائی، دارقطنی، ابن حبان رحمہم اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں: "أجمعوا على أنه ضعيف الحديث" ''تمام محدثین کا اجماع ہے کہ وہ ضعیف ہے۔'' بلکہ امام احمد رحمہ اللہ، امام ابو داود نے فرمایا ہے: "ليس بشيء" اور امام نسائی رحمہ اللہ نے متروک، ليس بثقة کہہ کر سخت جرح کی ہے۔[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ضعیف کہا ہے۔[2] حافظ عبدالحق نے فرمایا ہے کہ اس کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے۔[3] علامہ ابن الترکمانی اس پر جرح نقل کر کے بالآخر لکھتے ہیں: "لا يصح أن يستشهد به" کہ یہ اس لائق نہیں کہ اس سے استشہاد کیا جائے۔[4]

مولانا الوفاء افغانی جنھوں نے کتاب الآثار از امام محمد رحمہ اللہ اور کتاب الآثار

---

[1] تهذيب (۵/۱۱، ۱۲)　[2] تقريب (۱۵۷)

[3] نصب الراية (۱/۳۶۳)　[4] الجوهر النقي (۱/۲۵۸)

از قاضی یوسف رحمہ اللہ پر حواشی لکھے ہیں، وہ بھی ایک کلمۂ توثیق اس کے بارے میں نہیں لکھ سکے۔ صرف اس قدر تعارف پیش کر سکے: ''فلاں فلاں سے اس نے روایت کی ہے اور فلاں فلاں اس سے روایت کرتے ہیں، ترمذی اور ابن ماجہ کے راوی ہیں۔''

خلاصۂ کلام یہ کہ امام صاحب کے استاد ابو سفیان طریف بن شہاب ضعیف اور اس کی بنا پر یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ مگر نعمانی صاحب نے تو ایک ایک راوی اور ایک ایک حدیث کا جائزہ لے کر حکم صادر فرمایا ہے کہ اس کی تمام احادیث صحیح اور یہ پہلی صحیح کتاب ہے۔ وہ تو اس دنیائے فانی سے چلے گئے اور سب ہی نے جانا ہے، اللہ تعالیٰ ایمان سے لے جائے، زندہ ہوتے تو ان سے دریافت کرتے: حضرت! طریف کو کس نے ثقہ کہا ہے؟ اور اس حدیث کو کس نے صحیح قرار دیا ہے؟ مگر ان کے فیض یافتگان تو موجود ہیں اور ان کے اس موقف کے علمبردار بھی زندہ ہیں، کم سے کم وہ ہی اس کی وضاحت فرما دیں۔

قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کے ''نسخہ'' کے مطابق یہ پہلی روایت ہے۔ خشتِ اول ہی جس کی ضعیف اور کمزور ہو اس کی باقی عمارت کا اندازہ مشکل نہیں رہتا۔

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوارِ کج

کتاب الآثار میں ابو سفیان طریف سے اور روایات بھی ہیں۔[1] یہاں یہ بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ امام صاحب نے ابو سفیان طریف سے روایت ہی نہیں لی بلکہ اس کی روایت کے مطابق فتویٰ بھی دیا جیسا کہ امام محمد نے وضاحت کی ہے۔ طریف بن شہاب کے حوالے سے مزید دلچسپ تفصیل شائقین راقم الحروف کی کتاب ''إعلاء السنن في المیزان''[2] میں ملاحظہ فرمائیں۔

---

[1] الآثار (رقم: ۹۹، ۸۱)
[2] إعلاء السنن في المیزان (۱۰۹۔ ۱۱۶)

دوسری روایت:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ایک روایت ”عبد الرحمان بن زاذان عن أبي سعيد الخدري“ کی سند سے بیان کی ہے، جسے امام محمد نے کتاب الآثار[1] میں ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ”الإيثار بمعرفة رواة الآثار“ میں فرمایا ہے: ”لم أقف له على ترجمة“ میں نے اس کا کہیں ترجمہ نہیں پایا۔[2]

اس سند کے بارے میں اختلاف ہے۔ قاضی ابو یوسف نے اسے امام صاحب سے ”داود بن عبد الرحمان عن شرحبيل عن أبي سعيد“ کی سند سے بیان کیا ہے۔[3] بعض نے تو داود بن عبدالرحمان کے بجائے عبدالرحمان بن داود روایت کیا ہے، جس کی تفصیل جامع المسانید[4] میں دیکھی جاسکتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے التعجیل[5] میں داود بن عبدالرحمان کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے:

”روى عن شرحبيل عن أبي سعيد، وعنه أبو حنيفة، ليس بالمشهور“

لہٰذا راوی داود بن عبدالرحمان ہو یا عبدالرحمان بن زاذان ہو، دونوں مجہول ہیں۔ امام ابونعیم نے مسند الامام ابی حنیفہ[6] میں یہی روایت ذکر کی تو عبدالرحمان بن رواد مدنی (یا عبدالرحمان بن رزاذ یا رداد) کہا، مگر عبدالرحمان بن رواد یا رزاذ یا رداد کا ترجمہ بھی نہیں ملتا۔ البتہ امام ابونعیم نے داود بن عبدالرحمان کو العطار کہا ہے۔ (واللہ اعلم)

ابن خسرو نے عبدالرحمان بن ابی الزناد یا عبدالرحمان بن الرداد کہا ہے۔[7]

---

[1] كتاب الآثار (رقم: ١٧)
[2] الإيثار (١٧، رقم: ١٤٦)
[3] الآثار (رقم: ٤٥)
[4] جامع المسانيد (١/٢٥٠، ٢٥٤)
[5] التعجيل (١/٥٠٥)
[6] مسند الإمام أبي حنيفة (رقم: ٢٧٥)
[7] المسند لابن خسرو (٢/٦٨١)

اور داود بن عبد الرحمان بھی۔[1] بلکہ انھوں نے اسے ابوحنیفہ عن شرحبیل بن سعد عن ابی سعید بھی روایت کیا ہے۔[2]

مولانا ابوالوفا افغانی رحمہ اللہ نے تکلفاً فرمایا ہے کہ کوئی بعید نہیں یہ داود بن یزید بن عبدالرحمان الاودی ہو۔[3] چلیے داود بن یزید الاودی سہی مگر وہ بھی ضعیف ہے۔[4] اس کا استاد شرحبیل بن سعد صدوق ہے، مگر مختلط ہے اور معلوم نہیں ان کے ''تلمیذ رشید'' نے اختلاط سے پہلے سماع کیا ہے یا بعد میں۔ اس لیے یہ روایت بھی ضعیف اور ناقابلِ اعتبار ہے۔ امام صاحب کے استاد کی تعیین بجائے خود ایسا معمہ ہے جو نہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا مصداق ہے، پھر اس کی توثیق بجائے خود ایک مسئلہ ہے۔

تیسری حدیث:

امام محمد نے کتاب الآثار[5] میں اپنے استاد "أيوب بن عتبة قاضي اليمامة عن يحيى بن أبي كثير عن أبي سلمة بن عبد الرحمن" کی سند سے روایت کی ہے۔ جب کہ ایوب کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا فیصلہ یہی ہے کہ وہ ضعیف ہے۔[6] بلکہ امام احمد رحمہ اللہ نے یحییٰ بن ابی کثیر سے روایات کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کی یحییٰ اور غیر یحییٰ سے روایات میں اضطراب ہے۔ حتی کہ امام ابوداود رحمہ اللہ نے منکر الحدیث اور ابن جنید رحمہ اللہ نے "شبه المتروك" کہا ہے، علاوہ ازیں اکثر ائمہ نے بھی اس پر کلام کیا ہے۔ تہذیب[7] میں اس کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔

---

1. أيضاً (١/٤٢٥)
2. مسند ابن خسرو (١/٤٨٠، ٤٨١)
3. حاشية الآثار لأبي يوسف (٩)
4. تقريب (٩٧)
5. كتاب الآثار (رقم: ٥٠)
6. تقريب (٤١)
7. تهذيب (١/٤٠٨، ٤٠٩)

① تنبیہ:

یہاں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ جامع المسانید[1] میں یہی روایت ابن مظفر اور ابن خسرو کی مسانید سے بواسطہ امام محمد ''عن ابی حنیفہ عن ایوب بن عتبہ'' منقول ہے۔[2] اس کے بعد علامہ الخوارزمی نے الآثار لمحمد سے جو سند نقل کی ہے اس میں امام ابوحنیفہ عن رجل عن أبي سلمة بن عبد الرحمن سے روایت کرتے ہیں مگر یہ سند کتاب الآثار کے نسخہ میں تتبع کے باوجود نہیں ملی۔ دونوں اسانید میں فرق ظاہر ہے۔

② تنبیہ:

کتاب الآثار میں ایوب بن عتبہ اسے یحییٰ بن ابی کثیر عن ابی سلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ ایوب راوی کیسا ہے، اس کی مختصراً پوزیشن آپ اوپر پڑھ چکے ہیں، اس کے ساتھ یہ بھی تو دیکھیے کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمان کا ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے سماع ہی صحیح نہیں۔[3] مزید یہ کہ یحییٰ سے یہی روایت ہشام الدستوائی، ابان اور معمر بیان کرتے ہیں اور وہ ''ام حبیبہ بنت جحش'' کا نام لیتے ہیں۔[4] بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت صحیح مسلم، ابوداود اور نسائی وغیرہ میں معروف ہے، اس میں بھی سائلہ کا نام ام حبیبہ بنت جحش ہے۔ اس لیے یہاں اس کی بجائے ام حبیبہ بنت ابی سفیان کا نام بھی منکر ہے اور ثقات کے مقابلے میں ثبوت کا محتاج ہے۔

چوتھی حدیث:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اپنے شیخ ''ابان عن ابی نضرۃ'' سے روایت کرتے ہیں۔[5]

---

① جامع المسانید (۲۶۷/۱)
② مسند ابن خسرو (۱۷۹/۱)
③ تهذيب (۱۱۷/۱۲)
④ بيهقي (۳۵۱/۱)، العلل للدارقطني (۳۸٤/۱۵)
⑤ كتاب الآثار (رقم: ۷۱)

یہ ابان، ابن ابی عیاش ہے جیسا کہ الایثار[1] میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے اور تقریب[2] میں کہا ہے کہ وہ متروک ہے، کیونکہ امام احمد، الفلاس، ابن معین، نسائی، دار قطنی اور ابن سعد رحمہم اللہ نے اسے متروک کہا ہے۔ بلکہ امام احمد رحمہ اللہ نے تو فرمایا ہے: ”ترك لناس حديثه منذ دهر“ لوگوں نے ایک زمانے سے اس کی حدیث ترک کر دی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے دیکھا کہ امام یحییٰ بن معین ”عبد الرزاق عن معمر عن ابان“ کی سند سے نسخہ لکھ رہے ہیں تو انھوں نے امام یحییٰ رحمہ اللہ سے فرمایا: آپ یہ لکھ رہے ہیں حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ ابان کذاب ہے۔ امام یحییٰ رحمہ اللہ نے فرمایا: اے ابو عبداللہ! میں یہ اس لیے لکھ رہا ہوں کہ اگر کوئی کذاب اسے معمر عن ثابت عن انس سے روایت کرے تو میں کہوں گا: تم جھوٹے ہو، یہ ابان سے ہے، معمر سے نہیں۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ شعبہ، ابو عوانہ، یحییٰ اور عبد الرحمٰن بن مهدی رحمہم اللہ نے اسے ترک کر دیا، وہ منکر الحدیث ہے۔[3] حیرانی ہوتی ہے مولانا ابو الوفاء افغانی پر، جنھوں نے اپنے علم وفضل کے باوصف ابان جیسے متروک راوی کے بارے میں ائمہ جرح و تعدیل کا تو ایک جملہ بھی نہیں لکھا، لیکن اس کی پوزیشن صاف کرنے کے لیے فرمایا:

”رجل صالح ضعفوه من قبل حفظه، له في سنن أبي داود حديث واحد مقرون بغيره“[4]

”ابان نیک آدمی تھا، حافظہ کی وجہ سے انھوں نے اسے ضعیف کہا ہے۔ سنن ابی داود میں اس کی مقرونا روایت ہے۔“

غور فرمایئے! کیا صالح ہونے سے اس کی توثیق ہو جاتی ہے؟ اسے ضعیف ہی

---

[1] الایثار (رقم: ۱) [2] تقریب (۱۸)
[3] تهذيب (۱/ ۹۷، ۱۰۱) [4] شرح کتاب الآثار (۱۱۸)

کہا گیا ہے یا متروک بھی؟ اس کے متروک ہونے کی وجہ سے ہی تو امام ابو داود رحمہ اللہ نے تنہا اس سے روایت نہیں لی بلکہ مقروناً لی ہے۔

قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ نے بھی یہ روایت کتاب الآثار[1] میں بیان کی ہے گویا ابان بن ابی عیاش، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور قاضی ابو یوسف، دونوں کے استاد ہیں۔ مولانا ابوالوفاء افغانی نے اس کے حاشیے میں اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے اسے متروک کہا ہے۔ غور فرمایئے کہ الآثار لمحمد کی شرح لکھنے سے پہلے حاشیہ الآثار لابی یوسف میں مولانا ابو الوفاء اس کے متروک ہونے کے معترف تھے مگر بعد میں شرح الآثار لکھتے ہوئے اس کے دفاع کی ناکام اور بھونڈی سی کوشش کی جس سے اس ''خدمت'' کا پسِ منظر سمجھا جا سکتا ہے۔

عرض ہے کہ تنہا امام احمد رحمہ اللہ ہی نہیں ایک درجن کے قریب محدثین نے اسے متروک کہا ہے۔ بلکہ امام احمد رحمہ اللہ نے تو اسے کذاب بھی قرار دیا ہے۔ امام ابو نعیم رحمہ اللہ نے بھی یہ روایت مسند ابی حنیفہ[2] میں بیان کی ہے اور فرمایا ہے: ''جرحه شعبة وتركه وحدث عنه الثوري وقال: متروك الحديث'' بلکہ انھوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ اسے ''ابو حنیفہ عن ابان'' سے روایت کرتے ہیں اور حسن بن زیاد لؤلؤی اسے ''ابان عن انس'' سے بھی روایت کرتے ہیں۔

امام محمد رحمہ اللہ تو کتاب الآثار میں اسی حوالے سے پہلے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا اثر پھر ابان کی یہ حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں: ''و بهذا كله نأخذه'' ''ہم ان تمام پر عمل کرتے ہیں'' گویا امام محمد اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ابان جیسے متروک اور کذاب کی روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ ابان بن ابی عیاش کے بارے میں ہم یہاں انہی معروضات پر اکتفا کرتے ہیں۔ شائقین مزید تفصیل کے لیے راقم الحروف کی

---

[1] كتاب الآثار (رقم: ٣٦٨)
[2] مسند أبي حنيفة (رقم: ٥٩)

تصنیف "إعلاء السنن في الميزان"[1] ملاحظہ فرمائیں۔

پانچویں حدیث:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اپنے شیخ محمد بن زبیر سے روایت کرتے ہیں، جسے امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب الآثار[2] میں نقل کیا ہے۔ یہ محمد بن زبیر بصری تمیمی ہیں جیسا کہ الایثار[3] میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے اور تقریب[4] میں فرمایا ہے کہ وہ متروک ہے۔

تہذیب[5] میں ہے کہ امام یحییٰ رحمہ اللہ نے فرمایا: "ضعیف، لا شیء" امام بخاری رحمہ اللہ نے "منكر الحديث فيه نظر" امام نسائی رحمہ اللہ نے "ضعیف، لیس بثقة" امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے "ليس بالقوي في حديثه نكارة" کہا ہے۔ امام شعبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس نے ایک شخص پر افترا باندھا تھا۔ ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "قلیل الحدیث" ہے اور غرائب و افراد بیان کرتا ہے۔ کسی ایک محدث سے اس کے بارے میں توثیق و توصیف کا ایک کلمہ بھی منقول نہیں۔

امام محمد اس کی روایت نقل کر کے فرماتے ہیں: "وبه نأخذ" اس پر ہمارا عمل ہے۔ گویا متروک اور منکر الحدیث راوی کی روایت سے استدلال میں یہ بزرگ کوئی عیب نہیں سمجھتے۔ مزید یہ کہ محمد بن الزبیر اسے "حسن بصری عن عمران" سے روایت کرتے ہیں اور حسن کا عمران بن حصین سے سماع بھی نہیں۔[6] اس لیے راوی متروک ہی نہیں سند بھی منقطع ہے۔

---

[1] إعلاء السنن في الميزان (٩٨۔ ١٠٦)

[2] كتاب الآثار (رقم: ٧١٩)

[3] الإيثار (٢٣) [4] تقريب (٢٩٧)

[5] تهذيب (٩/١٦٧) [6] تهذيب (١٦٧)

چھٹی حدیث:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اپنے شیخ عبدالکریم بن ابی المخارق سے روایت کرتے ہیں اور امام محمد نے کتاب الآثار[1] میں اس کی روایات ذکر کی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب[2] میں تو اسے ضعیف کہا ہے، مگر لسان المیزان[3] میں حبیب بن مخنف کے ترجمہ میں ''متروک'' کہا ہے۔ ابن معین، ابن عیینہ وغیرہ نے ضعیف اور نسائی، دارقطنی اور سعدی رحمہم اللہ وغیرہ نے متروک کہا ہے۔ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''لا يختلفون في ضعفه'' ''اس کے ضعیف ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔''

امام مالک رحمہ اللہ اس کی شکل وصورت اور کثرتِ بکا کی وجہ سے دھوکے میں آگئے اور جب حقیقتِ حال سے واقف ہوئے تو اس سے روایت لینے سے معذرت کی اور غلطی کا اعتراف کیا۔ ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے ''كثير الوهم فاحش الخطاء'' کہا ہے۔[4]

ایسے متفق علیہ ضعیف راوی سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ روایت ہی نہیں لیتے بلکہ اس کی روایت سے استدلال بھی کرتے ہیں اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''و به نأخذ''[5] بلکہ یہ عبدالکریم اپنے ضعیف ہونے کے علاوہ مرسل روایت بیان کرتے ہیں۔ پھر بھی اس سے استدلال کیا گیا ہے۔ کیا ضعیف مرسل بھی قابلِ استدلال ہے؟

بلکہ ایک روایت[6] میں تو وہ ''عن رجل عن عمر'' سے روایت کرتا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس پر امام صاحب کا عمل ہے۔ کتاب الآثار لابی یوسف[7] میں

---

[1] كتاب الآثار (٢٠٤، ٣٧٤، ٥٩٥، ٦٢٦، ٧٦٦)

[2] تقريب (٢١٧)

[3] لسان الميزان (٢/١٧٣)

[4] تهذيب (٦/٣٧٧، ٣٧٨)، ميزان (٢/٦٤٦)

[5] رقم: (٦٢٦، ٧٦٦)

[6] (رقم: ٥٩٥)

[7] كتاب الآثار لأبي يوسف (رقم: ٢١٥)

"عبد الکریم عن النبي ﷺ" بھی روایت ہے۔ ایک اور مقام[1] پر عن رجل عن ابن عمر سے بھی روایت ہے۔

ساتویں حدیث:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ایک شیخ ابوالعطوف جراح بن منہال ہیں اور کتاب الآثار میں اس کی روایات منقول ہیں۔[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الایثار[3] میں کہا ہے: "متفق علی ضعفه" وہ بالاتفاق ضعیف ہے۔ امام یحییٰ رحمہ اللہ اور ابن الجارود رحمہ اللہ میں نے اسے "لیس بشيء" ابن مدینی رحمہ اللہ نے "لا یکتب حدیثه" ابن سعد رحمہ اللہ نے ضعیف، امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ ہی نے "منکر الحدیث" نسائی، دولابی، ابو حاتم اور دارقطنی رحمہم اللہ نے متروک اور ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا ہے: "یکذب في الحدیث ویشرب الخمر" وہ حدیث میں جھوٹ بولتا اور شراب پیتا تھا۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ الجراح، کوفی نہیں بلکہ "الجزیرہ" میں رہنے کی بنا پر الجزری تھے اور اس کے بارے میں ہے کہ "یشرب الخمر" وہ شراب پیتا تھا۔ البرقی نے اسے "متهم بالکذب" کہا ہے۔[4]

ایسے جھوٹ بولنے والے شرابی، منکر الحدیث، متروک اور بالاتفاق ضعیف راوی سے بھی امام صاحب روایت ہی نہیں لیتے بلکہ اس کی روایت سے استدلال بھی کرتے ہیں۔[5] مگر اس کے باوجود کتاب الآثار کی تمام روایات صحیح اور کتاب الآثار صحیح احادیث پر مشتمل پہلی کتاب ہے۔ سبحان اللہ!

---

1. (رقم: ٣٢)
2. کتاب الآثار (رقم: ٤٦١، ٥٤١، ٥٨٩)
3. الإیثار (٤)
4. میزان (١/٣٩٠)، لسان (٢/٩٩) وغیرہ
5. کتاب الآثار (رقم: ٤٦١، ٥٤١، ٥٨٩)

آٹھویں حدیث:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شیوخ میں ایک نام سعید بن المرزبان ابوسعد ہے اور کتاب الآثار[1] میں اس سے روایات منقول ہیں۔ یہ ابوسعد سعید بھی ضعیف اور مدلس ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب[2] میں کہا ہے۔ امام ابن معین رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ وہ ”لیس بشیء لا یکتب حدیثه“ ہے۔ عمرو بن علی رحمہ اللہ نے ضعیف الحدیث اور متروک، امام بخاری رحمہ اللہ نے منکر الحدیث، ابو حاتم رحمہ اللہ نے ”لا یحتج به“ نسائی رحمہ اللہ نے ”ضعیف لیس بثقة“، دارقطنی رحمہ اللہ نے متروک، عجلی رحمہ اللہ نے ضعیف، الساجی رحمہ اللہ نے ”صدوق، فیه ضعف“، ابن حبان رحمہ اللہ نے ”کثیر الوهم فاحش الخطأ“، ابو ہشام رفاعی رحمہ اللہ نے ثقہ، ابوزرعہ اللہ نے ”لین مدلس“ کہا ہے۔ ان سے کہا گیا کہ وہ صدوق ہے، انھوں نے فرمایا: ہاں صدوق ہے وہ جھوٹ نہیں بولتا۔[3]

سعید ضعیف ہونے کے علاوہ مدلس بھی ہے اور کتاب الآثار میں یہ روایات معنعن ہیں۔ انصاف شرط ہے کہ اس کے باوصف اس کی کتاب الآثار میں احادیث صحیح ہیں؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے طبقات المدلسین کے پانچویں طبقے میں اسے ذکر کیا ہے جس کے بارے میں انھوں نے فرمایا ہے کہ وہ تصریح سماع کریں تب بھی ان کی حدیث مردود ہے۔

نویں حدیث:

امام صاحب کے شیوخ میں مسلم بن کیسان الاعور بھی ہیں اور کتاب الآثار

---

(1) کتاب الآثار (۲۴۲، ۸۵۰، ۸۹۱) (2) تقریب (۱۲۵)

(3) تہذیب (۷۹/۴، ۸۰)، میزان (۱۵۷/۲، ۱۵۸)

لمحمد[1] اور کتاب الآثار لابی یوسف[2] میں اس کی روایات پائی جاتی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب[3] میں اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔ جبکہ امام دارقطنی ، فلاس، نسائی اور ابن الجنید رحمہم اللہ نے متروک ، ساجی رحمہ اللہ نے منکر الحدیث اور عمرو بن علی فلاس رحمہ اللہ نے ایک دوسرے قول میں ''منکر الحدیث جدا'' کہا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام وکیع رحمہ اللہ اس کے ضعف کی وجہ سے اس کا نام نہیں لیتے تھے۔ امام یحییٰ رحمہ اللہ اور امام ابوداود رحمہ اللہ نے ''لیس بشیء''، امام بخاری رحمہ اللہ نے ضعیف ذاهب الحدیث، امام علی بن المدینی، عجلی، ترمذی، ابوزرعہ اور ابو حاتم رحمہم اللہ نے ضعیف کہا۔ کسی ایک محدث سے بھی کوئی کلمۂ خیر اس کے بارے میں منقول نہیں۔[4] ضعیف ہونے کے علاوہ وہ مختلط بھی ہے۔

مزید یہ کہ کتاب الآثار للامام محمد میں وہ ''عن رجل'' سے روایت کرتا ہے اور اسی روایت کے بارے میں امام محمد فرماتے ہیں: ''وبه نأخذ'' ہمارا اس کے مطابق عمل ہے۔ بجا فرمایا، مگر یہ اس سند سے بہرنوع ضعیف اور نا قابلِ اعتبار ہے، کیونکہ امام صاحب کا استاد مسلم الاعور ضعیف، اس کا استاد ''رجل'' مبہم یعنی مجہول۔ چالیس ہزار احادیث سے اسی نوعیت کے راویوں سے مروی روایات کا انتخاب، عجیب انتخاب ہے۔

دسویں حدیث:

امام محمد کتاب الآثار[5] میں ایک اثر ابراهیم بن یزید المکی سے لائے ہیں جس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''متروك''،[6] امام احمد، نسائی اور

---

[1] کتاب الآثار (رقم: ۷۹۲)
[2] کتاب الآثار لأبي يوسف (۱۷٤، رقم: ۷۹۲)
[3] تقریب (۳۳٦)
[4] تهذیب (۱۰/۱۳۵، ۱۳٦)
[5] کتاب الآثار (رقم: ۱۳٤)
[6] تقریب (۲٤)

علی بن الجنید رحمہ اللہ بھی اسے متروک کہتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سكتوا عنه'' امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ليس بثقة وليس بشيء''۔

دارقطنی اور ابو حاتم رحمہما اللہ اسے منکر الحدیث اور البرقی ''متهم بالكذب'' کہتے ہیں۔ دولابی بھی فرماتے ہیں: ''تركوه''[1]

علامہ ابوالوفاء افغانی نے کتاب الآثار[2] میں ''روى له الترمذي والنسائي'' کہ امام ترمذی رحمہ اللہ اور نسائی رحمہ اللہ نے اس سے روایت لی ہے، کہہ کے خود کو اور اپنے قارئین کو مطمئن کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ حالانکہ امام نسائی رحمہ اللہ نے تو اسے متروک اور ''ليس بثقة ولا يكتب حديثه'' کہا ہے۔ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے کہ بعض اہلِ علم نے اس پر حافظہ کی بنا پر کلام کیا ہے۔[3]

یہی بات انھوں نے ترمذی[4] میں اس سے قبل بھی فرمائی ہے، مگر اس کے ساتھ اس کی روایت کو حسن بھی قرار دیا ہے مگر امام ترمذی رحمہ اللہ متابعت اور شواہد کی بنا پر حسن کہہ دیتے ہیں۔ یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ امام نسائی رحمہ اللہ نے ابراہیم بن یزید المکی سے کوئی روایت نہیں لی۔ تقریب، تہذیب اور الخلاصہ میں اس بارے میں جو ''ت، س'' کی علامت ہے۔ اس میں ''س'' کی علامت سے نسائی مراد ہے اور نسائی کی طرف اس کی روایت کا انتساب طباعتی غلطی ہے۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے میزان[5] میں اور علامہ المزی رحمہ اللہ نے تہذیب[6] میں ''ت، ق'' علامت دی ہے ''س'' نہیں اور اس کی روایت جو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''ما يوجب الحج؟'' ''قال: الزاد والراحلة'' ذکر کی ہے وہ بھی ابن ماجہ میں ہے،

---

[1] تهذيب (١/١٨٠)
[2] كتاب الآثار، حاشيه (١/٣٥٩)
[3] ترمذي مع التحفة (٤/٨٢)
[4] ترمذي مع التحفة (٢/٧٩)
[5] ميزان (١/٧٥)
[6] تهذيب (١/٤٥٢)

نسائی میں نہیں۔ علامہ زیلعی رحمہ اللہ نے نصب الرایہ[1] میں اس روایت پر تفصیلاً نقد کیا ہے۔ ابراہیم بن یزید کے حوالے سے مزید دلچسپ تفصیل راقم الحروف کی تصنیف "إعلاء السنن فی المیزان"[2] میں ملاحظہ فرمائیں۔

گیارھویں حدیث:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شیوخ میں ایک شیخ اسحاق بن ثابت ہیں اور اسحاق اپنے والد ثابت سے روایت کرتے ہیں، سلسلہ سند یوں ہے: "إسحاق بن ثابت عن أبیه عن علی بن الحسین عن النبي ﷺ"[3] جب کہ امام صاحب کے یہ شیخ اور ان کا والد دونوں مجہول ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہی نے تعجیل المنفعہ[4] میں دونوں کا ذکر کیا ہے۔ اسحاق کے بارے میں فرمایا: "لا یدری من هو" اور ثابت کے ترجمہ میں کہا: "لا یعرفان" کہ باپ بیٹا دونوں پہچانے نہیں جاتے کہ کون ہیں۔ اور الإیثار بمعرفة رواة الآثار[5] میں علامہ الحسینی سے نقل کیا ہے: "مجهول كأبیه" کہ اسحاق اپنے باپ ثابت کی طرح مجہول ہے۔

دونوں راوی مجہول اور روایت مرسل، پھر بھی امام محمد فرماتے ہیں: "هو قول أبي حنيفة" کہ اس کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہی کا فتویٰ ہے۔

بارھویں حدیث:

اسی نوعیت کی یہ روایت بھی دیکھیے کہ امام صاحب نے اپنے شیخ كدام بن عبد الرحمان عن أبي كباش أنه سمع أبا هريرة کی سند سے موقوفاً روایت بیان فرمائی ہے، جسے امام محمد نے کتاب الآثار[6] میں ذکر کیا ہے۔ حالانکہ

---

(1) نصب الراية (٨/٣)
(2) إعلاء السنن في الميزان (١٢٩، ١٣٠)
(3) كتاب الآثار (رقم: ٨٤٢)
(4) تعجيل المنفعة (٢٩٠/١، ٣٧٢)
(5) الآثار (٢)
(6) كتاب الآثار (رقم: ٧٩١)

کدام بن عبدالرحمان مجہول ہے۔[1] اور اس کا استاد ابو کباش بھی مجہول ہے۔[2] امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہی روایت عثمان بن واقد عن کدام سے مرفوعاً جامع الترمذی[3] میں نقل کی ہے اور اسے ''غریب'' کہا ہے اور حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری[4] میں فرمایا ہے: ''في سنده ضعف''.

تیرھویں حدیث:

قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ نے کتاب الآثار[5] میں ایک روایت محمد بن عبید اللہ العزمی سے بیان کی ہے۔ یہ دراصل امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے استادِ محترم ہیں اور کتاب الآثار میں امام صاحب کا واسطہ ساقط ہے، جس کی وضاحت حاشیہ میں مولانا ابوالوفاء افغانی نے کر دی ہے اور امام ابونعیم نے بھی مسند ابی حنیفہ[6] میں اسے امام صاحب کا استاد لکھا ہے، جس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ وہ متروک ہے۔[7] امام حاکم رحمہ اللہ نے المدخل میں فرمایا: ''متروك الحديث بلاخلاف'' بلااختلاف وہ متروک الحدیث ہے۔ امام ساجی نے بھی کہا ہے: ''أجمع أهل النقل على ترك حديثه'' کہ اہلِ نقل کا اس کی حدیث کے ترک پر اجماع ہے۔[8]

اس کے بعد مزید اقوال لکھنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ مولانا افغانی نے بھی حاشیہ فرمایا ہے: ''تركه ابن المبارك''، ''عبداللہ بن مبارک نے اسے چھوڑ دیا تھا۔'' یہ متروک کتاب الآثار میں امام صاحب کے استاد ہیں اور کتاب الآثار پہلی صحیح کتاب ہے۔

یہاں یہ عذر لنگ درست نہیں کہ یہ تو کتاب الآثار لابي یوسف میں ہے۔ کیونکہ باور کرایا جاتا ہے کہ یہ دراصل امام صاحب کی کتاب کا نسخہ ہے۔ ہمارا تو یہ

---

[1] تقريب (٢٨٥)
[2] تقريب (٤٢٣)
[3] جامع الترمذي (٢/٣٥٥، ٣٥٦)
[4] فتح الباري (١٠/١٦)
[5] كتاب الآثار (١٢، ١٣، رقم: ٥٦)
[6] مسند أبي حنيفة (٢٠٠)
[7] تقريب (٣٠٩)
[8] تهذيب (٩/٣٢٢، ٣٢٣)

موضوع ہی نہیں کہ امام صاحب کے کون سے شیوخ متروک ضعیف بلکہ کذاب ہیں۔ تاہم یاد رہے کہ ان کے اساتذہ میں محمد بن سائب الکلبی بھی ہیں۔ دیکھیے جامع المسانید الخوارزمی[1] جو رافضی ہیں اور متہم بالکذب بھی۔ عمرو بن عبید بن باب بھی ان کا استاد تھا۔[2] جو کذاب، متروک اور قدری تھا اور اس کا داعی بھی تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دیتا تھا۔ جس کی مزید تفصیل اعلاء السنن فی المیزان میں ملاحظہ فرمائیں۔[3] اسی طرح جابر بن یزید جعفی بھی ان کے استاد ہیں، جیسا کہ جامع المسانید[4] میں ہے اور خود انھوں نے فرمایا ہے: ”ما لقيت أكذب من جابر الجعفي“ کہ میں جابر جعفی سے زیادہ کسی جھوٹے سے نہیں ملا۔

چودھویں حدیث:

امام محمد رحمہ اللہ نے ایک روایت امام صاحب سے بایں سند نقل کی ہے:

”يحيى بن عبد الله عن أبي ماجد الحنفى عن ابن مسعود“[4]

اس سند میں ابو ماجد جسے ابو ماجدہ بھی کہا گیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تو اسے مجہول کہا ہے۔[5] مگر تہذیب[6] میں اس کے بارے میں نقل کیا ہے کہ امام ابن عیینہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نے میں نے یحییٰ بن عبد اللہ بن حارث الجابر سے ..... جو اس کا شاگرد ہے .... امتحاناً پوچھا کہ یہ ابو ماجد کون ہے؟ تو اس نے کہا: ”شيخ طرأ علينا من البصرة“ اور کبھی کہا: ”طير طرأ علينا“ کہ وہ بصرہ سے ہم پر وارد ہوئے تھے۔ ابن عیینہ نے فرمایا: وہ منکر الحدیث ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ مجہول ہے اور میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے سنا وہ ابو ماجد کی اس حدیث کو ضعیف کہتے

---

1. جامع المسانید (١٧١/١)
2. جامع المسانید (٥٠٤/٢)
3. اعلاء السنن في الميزان (١١٧۔ ١٢٣)
4. جامع المسانید (٣٠٤/١)
4. كتاب الآثار (رقم: ١٩)، وأبي يوسف (رقم: ٤٩)
5. تقریب (٤٧٢)
6. تهذيب (٢١٧/١٢)

تھے۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی مجہول اور امام علی بن مدینی نے اس کی حدیث کو منکر کہا ہے۔ اس اڑتے پرندے سے روایت کرنے والے یحییٰ بھی متکلم فیہ ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تو اسے لین الحدیث کہا ہے۔[1]

امام احمد رحمہ اللہ اور ابن عدی رحمہ اللہ نے اگر "ليس به بأس" کہا ہے تو امام یحییٰ رحمہ اللہ نے ضعیف اور "ليس بشيء" ابو حاتم اور نسائی رحمہما اللہ نے ضعیف کہا ہے۔ دار قطنی رحمہ اللہ نے فرمایا: "يعتبر به ولا يتابع على أحاديثه" اور عجلی رحمہ اللہ نے "يكتب حديثه وليس بالقوي" کہا ہے۔[2]

ایسے راوی کی حدیث کو متابعت میں تو قبول کیا جا سکتا ہے، استدلال و احتجاج میں نہیں۔ لیکن امام صاحب رحمہ اللہ ایسے راویوں سے استدلال کرتے ہیں جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے، مگر اس کے باوجود کتاب الآثار صحیح کتاب ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ یہ ماشاء اللہ ''چودہ چاند'' ہیں مگر روایات دو درجن کے قریب ہیں۔ ان کے علاوہ ضعیف، متکلم فیہ، مجہول و مستور اور مبہم راویوں کی بھی متعدد روایات ہیں جیسا کہ قبل ازیں ہم اشارہ کر آئے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ عذر محض عذرِ بارد ہے کہ یہ روایات دوسرے طرق سے بھی مروی ہوں گی۔

کیونکہ یہ اگر ''ثقہ راویوں'' سے تھیں تو کتاب الآثار، جو پہلی ''صحیح کتاب'' تھی، اس میں ان متروک، کذاب، مجہول، ضعیف اور مبہم راویوں کا سہارا ہی کیوں لیا گیا؟ اور کیا جس کتاب میں صحیح احادیث کا التزام ہو اس کی یہی پوزیشن ہوتی ہے؟ جب یہ ثابت ہو چکا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ متروک، کذاب، ضعیف اور مجہول راویوں سے روایت لیتے ہیں اور اس کے مطابق فتویٰ و عمل اختیار کرتے ہیں تو اس کے بعد مبہم راویوں سے روایت کی حیثیت ہی کیا رہ جاتی ہے، مگر اس کے باوجود کتنی دلیری

---

[1] تقریب (۳۷۷) [2] تقریب (۲۳۸/۱۱)

سے یہ باور کرایا جاتا ہے کہ کتاب الآثار صحیح احادیث پر مشتمل پہلا مجموعہ ہے!!

غلطی سے پاک کتاب:

یہاں یہ عجیب دعویٰ بھی دیکھیے کہ موفق المکی نے المناقب میں قاضی عتیق بن داود الیمانی سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ کی شریعت کی حفاظت کی ذمے داری لی ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پہلے شخص تھے جنھوں نے علومِ شریعت کی تدوین کی:

"فيبعد أن يكون، الله تعالى قد ضمنها ثم يكون أول من دونها على خطأ" [1]

"تو بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ذمہ لے اور اس کا پہلا مدون غلطی کرے۔

لیجیے جناب! اب "کتاب الآثار" اور اس کے مدون غلطی و خطا سے پاک قرار پائے۔ (سبحان اللہ) ہماری ان گزارشات سے یہ دعویٰ محض "خواب" محسوس ہوتا ہے اور "مناقب" میں ایسے "خواب" دیکھنے کی شاید ممانعت بھی نہیں۔ یوں کتاب الآثار بھی گویا "کالقرآن" ہے۔ اس لیے اسے اگر پہلی صحیح کتاب قرار دیا گیا ہے تو اس میں کسی کے لیے تعجب کی کیا بات ہے!!

اس سے بھی تعجب خیز بات یہ ہے کہ کہا گیا: "امام صاحب نے چالیس ہزار احادیث میں سے کتاب الآثار کو مدون کیا ہے۔" [2] اور یہ بات مولانا نعمانی وغیرہ علمائے احناف نے بھی فرمائی ہے۔

قارئینِ کرام سے التماس ہے کہ چالیس ہزار احادیث سے انتخاب کا جو عالم ہے اس کا مختصراً جائزہ آپ کے سامنے ہے۔ اسی تناظر میں آپ فیصلہ فرما سکتے ہیں کہ

---

[1] المناقب للموفق (١٣٧/٢)

[2] مناقب الموفق (٩٥)

چالیس ہزار میں سے کتاب الآثار میں ۹۱۶ کے انتخاب کا جب یہ حشر ہے تو باقی روایات کی پوزیشن کیا ہو گی؟

بعض دیگر روایات:

اب یہاں مزید چند روایات کی حقیقتِ حال ملاحظہ فرمائیں، چنانچہ کتاب الآثار[1] میں امام محمد رحمہ اللہ خفین پر مسح کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک اثر لائے ہیں کہ مقیم کے لیے مدتِ مسح ایک دن ایک رات ہے اور مسافر کے لیے تین دن تین راتیں ہیں۔

یہ اثر انھوں نے بواسطہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ "عن حماد عن إبراهيم عن حنظلة بن نباتة الجعفي" بیان کیا ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ نے اسے "کتاب الحجة على أهل المدينة"[2] میں بھی ذکر کیا ہے۔ اسی سند سے یہ اثر مختصراً قاضی ابو یوسف نے بھی کتاب الآثار[3] میں ذکر کیا ہے جس میں صرف خفین پر مسح کا ذکر ہے، مدتِ مسح کی تفصیل نہیں ہے۔

سند میں "حنظلہ بن نباتہ الجعفی" کون ہے؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الایثار میں فرمایا ہے: "لا يعرف حاله" اس کا حال معلوم نہیں۔[4] مگر "تعجيل المنفعة" میں انھوں نے اس کا ذکر نہیں کیا حالانکہ یہ راوی تعجیل المنفعہ کی شرط پر ہے، جس کی وضاحت ہم نے "إتما، المنفعة بتعجيل المنفعة" میں کر دی ہے۔

ہم یہاں دو باتیں قارئین کرام کی خدمت میں ذکر کرنا چاہتے ہیں:

① امام سفیان، امام شعبہ اور ہشام دستوائی رحمہم اللہ تینوں حضرات اسے "حماد عن إبراهيم عن الأسود عن نباتة عن عمر" کی سند سے ذکر کرتے ہیں۔

---

[1] کتاب الآثار (رقم: ۹) [2] کتاب الحجة على أهل المدينة (۲۵/۱)
[3] کتاب الآثار (۱۵، رقم: ۶۹) [4] الإيثار مع الآثار (۸)

جیسا کہ مصنف عبد الرزاق، طحاوی اور بیہقی[1] میں ہے۔ اور حماد سے ان تینوں کی روایت حماد کے اختلاط سے قبل ہے، جیسا کہ پہلے باحوالہ گزر چکا ہے۔ اس لیے امام صاحب کی حماد سے یہاں روایت میں سند اور راوی کے نام میں اختلاف حماد کے اختلاط کا نتیجہ ہے۔ اسے نسخے میں تصحیف و تخلیط پر محمول کرنا اس لیے درست نہیں کہ یوں یہ تصحیف، الآثار اور کتاب الحجہ میں بھی تسلیم کی جائے گی اور وہ بلا دلیل ہوگی۔

② کتاب الآثار کی یہ روایت امام صاحب کی مسانید جمع کرنے والوں میں سے کسی نے بھی ذکر نہیں کی، حتی کہ علامہ الخوارزمی رحمہ اللہ نے بھی جامع المسانید میں اسے ذکر نہیں کیا۔ اور اس حقیقت کا اعتراف مولانا ابو الوفاء افغانی رحمہ اللہ نے کتاب الآثار کی شرح میں کیا ہے۔[2] جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جامع المسانید میں بھی امام صاحب کی تمام مرویات نہیں ہیں۔

دوسری روایت:

امام محمد اللہ نے کتاب الآثار،[3] اور قاضی ابو یوسف نے بھی الآثار[4] میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک اثر جنازہ اٹھانے کے بارے میں نقل کیا ہے، جس کی سند حسبِ ذیل ہے:

"أبو حنيفة عن منصور بن المعتمر عن سالم بن أبي الجعد عن عبيد بن نسطاس عن عبد الله بن مسعود"

اسی سند سے یہ روایت مسند الامام لابن خسرو[5] میں اور مسند الحارثی[6] میں

---

① مصنف عبد الرزاق (١/٢٠٥)، طحاوي (١/٨٣)، بيهقي (١/٢٧٦)

② كتاب الآثار شرح (١/١٦)

③ كتاب الآثار (رقم: ٢٣٥)

④ الآثار (٨١، رقم: ٤٠٤)

⑤ مسند الإمام لابن خسرو (٢/١٠٤٠، ١٠٤٨)

⑥ مسند الحارثي (٢/٨٠٧، رقم: ١٣٩٣)

مذکور ہے۔ استاذ الحارثی نے ذکر کیا ہے کہ امام صاحب سے یہ روایت اسی طرح محمد بن حسن، ابو یوسف، شعیب بن اسحاق، زفر بن الہذیل، اسد بن عمرو، حسن بن زیاد وغیرہ ایک جماعت نے روایت کی ہے۔ علامہ الخوارزمی رحمہ اللہ نے بھی جامع المسانید[1] میں ان اسانید کا ذکر کیا ہے۔ امام صاحب سے یہی روایت اسی سند سے ان کے متعدد تلامذہ کے حوالے سے امام ابو نعیم رحمہ اللہ نے بھی مسند الامام[2] میں بیان کی ہے اور اس کے ساتھ یہ اشارہ بھی کیا ہے:

"روى عنه عبيد الله بن موسى مجوداً، كما رواه الثوري ومسعر، وزاد فيه حديثه عن الحكم"

"عبید اللہ بن موسیٰ نے اسے امام صاحب سے صحیح طور پر روایت کیا جیسے اسے امام سفیان ثوری اور مسعر نے بیان کیا ہے اور اس کی حدیث میں (ایک) حکم کا اضافہ (بھی) کیا ہے۔"

اس کے بعد انھوں نے عبید اللہ بن موسیٰ کی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بواسطہ "منصور عن عبيد بن نسطاس عن أبي عبيدة عن عبد الله بن مسعود" یہی اثر ذکر کیا ہے۔ جس میں جنازے کو اٹھانے کے علاوہ تشہد اور تکبیر عند الرکوع والسجود کی تعلیم دینے کا بھی ذکر ہے۔ اس کے بعد وہ امام سفیان ثوری اور مسعر کی اسانید لائے ہیں جو "منصور عن عبيد عن أبي عبيدة عن عبد الله" کی سند سے ہیں۔

سفیان اور مسعر کے علاوہ شعبہ، جریر بن عبد الحمید، حماد بن زید، ادریس الکوفی، الرحیل بن معاویہ بھی منصور سے یہی اثر بواسطہ "ابو عبیدہ" ہی بیان کرتے ہیں۔ جیسا کہ

---

[1] جامع المسانيد (١/٤٥١۔ ٤٥٣)　[2] مسند الإمام (٢٢٠، ٢٢١)

مسند الطیالسی، المصنف لعبد الرزاق، ابن ابی شیبۃ، ابن ماجہ، الجعدیات للبغوی اور طبرانی[1] میں مروی ہے۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے کہ شعبہ، ثوری، زائدۃ، فضیل بن عیاض، حماد بن زید، جریر بن عبد الحمید، ابوالاحوص، ابن عیینہ، مسعر اور ادریس اسے منصور بن المعتمر سے بواسطہ عبید بن نسطاس عن ابی عبیدہ بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

"وخالفهم أبو حنيفة فرواه عن منصور، ووهم في إسناده، جعله عن سالم بن أبي الجعد عن عبيد بن نسطاس عن ابن مسعود وأسقط أبا عبيدة، والصحيح عن منصور عن عبيد بن نسطاس عن أبى عبيدة، والصحيح عن منصور عن عبيد بن نسطاس عن أبي عبيدة، ورواه أبو عوانة عن منصور كذلك أيضاً"[2]

"ان کی مخالفت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کی ہے۔ اسے انھوں نے منصور سے بیان کیا ہے اس کی سند میں ان سے وہم ہوا ہے جسے انھوں نے "سالم بن أبي الجعد عن عبيد عن ابن مسعود" بنا دیا اور "ابوعبیدہ" کا واسطہ گرا دیا ہے۔ جبکہ منصور سے صحیح بواسطہ عبید عن ابی عبیدہ ہے، منصور سے ابوعوانہ نے بھی اسے اسی طرح (بواسطہ ابو عبیدۃ) بیان کیا ہے۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہی نے الایثار[3] میں عبید بن نسطاس کے ترجمہ میں اشارہ کیا ہے کہ "ابوعبیدہ" کا واسطہ ساقط ہے۔ عرض ہے کہ جہاں ابوعبیدہ کا واسطہ ساقط ہے

[1] مسند الطيالسي (٣٣٠)، المصنف لعبد الرزاق (٦٥١٧)، ابن أبي شيبة (١٦٨/٣)، ابن ماجه (١٤٧٨)، الجعديات للبغوي (٩٠١)، طبراني (٣٧١/٩، ٣٧٢)

[2] العلل (٣٠٦/٥) [3] الإيثار (١٨)

وہاں اس کے ساتھ ساتھ ''سالم بن ابی الجعد'' کا واسطہ بھی منصور اور عبید کے مابین زائد ہے اور امام صاحب رحمہ اللہ کا وہم ہے۔ یہی اشارہ امام ابونعیم رحمہ اللہ نے کیا ہے۔

تیسری حدیث:

امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب الآثار[1] میں ایک روایت یوں ذکر کی ہے:

''أخبرنا أبو حنيفة قال حدثنا أبو هيثم المكي عن يوسف بن ماهك عن حفصة زوج النبي ﷺ، أن امرأة أتت النبي ﷺ''

یہ روایت کتاب الآثار لابی یوسف[2] میں بھی ہے لیکن وہاں ''ابو ہیثم'' کے بجائے ''ابن خثیم'' ہے اور یہی ''ابن خثیم'' صحیح ہے۔ کاتب سے یہاں تصحیف ہوئی ہے کہ اس ابن خثیم کے بجائے ''ابوہیثم'' لکھ دیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الایثار[3] میں ابوخثیم کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ نسخے میں اسی طرح ہے مگر صحیح ابن خثیم ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ الآثار کے نسخے میں یہ پرانی تصحیف ہے۔ یہی روایت ابن خسرو نے مسند الامام[4] میں اور علامہ الخوارزمی نے جامع المسانید[5] میں بھی ذکر کی ہے۔ امام ابونعیم نے بھی مسند الامام[6] میں اسے ذکر کیا ہے۔

اس کے برعکس یہ بھی دیکھیے کہ (۱) وہیب بن خالد،[7] (۲) سفیان ثوری،[8] (۳) روح بن قاسم[9] (۴) معمر[10] یہ روایت ''ابن خثیم عن عبد الرحمن بن

---

(1) كتاب الآثار (٩٧، رقم: ٤٥٠)، باب العزل

(2) كتاب الآثار لأبي يوسف (١٣٤، رقم: ٦١٤)

(3) الإيثار (٣١)

(4) مسند الإمام (٢/٥٦٩، ٩١٢)

(5) جامع المسانيد (٢/٨٦، ١١٠)

(6) مسند الإمام (١٧٨)

(7) أحمد (٦/٣٠٥، ٢٦٦٠١)، طحاوي (٣/٤٢، ٤٣)

(8) أحمد (٦/٣١٨، ٢٦٧٠٦، ٢٦٦٩٨)، سنن الترمذي (٢٩٧٩)

(9) بيهقي (٧/١٩٥)

(10) أحمد (٦/٣١٠، ٢٦٦٤٣)

سابط، عن حفصة بنت عبد الرحمن عن أم سلمة“ کی سند سے بیان کرتے ہیں اور علامہ محمد مرتضٰی الزبیدی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے:

”الصحيح أن الحديث حديث أم سلمة، وأن حفصة هذه هي بنت عبد الرحمن حققه قاسم بن قطلوبغا“ (1)

”صحیح یہ ہے کہ حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہے اور حفصہ یہ عبدالرحمان کی بیٹی ہے جیسا کہ قاسم ابن قطلو بغا رحمہ اللہ نے اس کی تحقیق کی ہے۔“

گو یا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے جو حفصہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہا اور عبد الرحمٰن بن سابط کی بجائے ”یوسف بن ماھک“ کہا یہ ان کا وہم ہے۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے کہ سفیان ثوری، وہیب، روح بن قاسم، معمر، عبدالرحیم بن سلیمان اور قاسم بن معن تو ”ابن خثيم عن عبدالرحمن بن سابط عن حفصة بنت عبد الرحمان عن أم سلمة“ سے روایت کرتے ہیں:

”وخالفهم أبو حنيفة فرواه عن ابن خثيم، فوهم في إسناده في موضعين فقال: عن يوسف بن ماهك مكان ابن سابط، وقال: عن حفصة زوج النبي ﷺ، ولم يقل حفصة بنت عبد الرحمن بن أبى بكر، وأسقط أم سلمة“ (2)

”اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ چنانچہ انھیں ابن خثیم سے روایت کرتے ہوئے دو مقام پر وہم ہوا ہے، ایک تو انھوں نے ابن سابط کے بجائے یوسف بن ماھک کہا اور دوسرا انھوں نے حفصہ بنت عبدالرحمان بن ابی بکر کے بجائے حفصہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہا ہے اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ساقط کر دیا۔“

---

(1) عقود الجواهر المنيفة (٢/١٦١)
(2) العلل (١٥/٢٥٦)

یہاں یہ بھی دیکھیے کہ ابن خسرو نے مسند[1] ہی میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ امام زفر رحمہ اللہ اسے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بواسطہ ''ابن خثیم عن یوسف بن ماہک عن ام سلمہ'' روایت کرتے ہیں۔ مگر اس میں گھپلا یہ ہے کہ یہاں ''حفصہ'' کا واسطہ ساقط ہے اور عبد الرحمان بن سابط کے بجائے یوسف بن ماہک کا ذکر بدستور موجود ہے جس سے وہم کی مزید تائید ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ اس کا مدار لاحق بن حسین مقدسی پر ہے جو کذاب، افاک اور وضاع ہے حتی کہ کہا گیا ہے کہ اس جیسا اور کوئی کذاب نہیں۔[2] اس لیے اس کی ذکر کی ہوئی اس سند کا کوئی اعتبار نہیں۔

اس نوعیت کی اور مثالیں بھی ہمارے پیشِ نظر ہیں، مگر ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ استیعاب مقصود نہیں۔ اس قسم کی معلول روایات کا چالیس ہزار احادیث سے انتخاب بھی عجیب انتخاب ہے اور باور کرایا جاتا ہے کہ ''مدون اول'' غلطی نہیں کر سکتا۔ (سبحان اللہ)

کیا کتاب الآثار اجماع کے مطابق ہے اور اسے تلقی بالقبول حاصل ہے؟

نعمانی صاحب کی لن ترانی بھی دیکھیے، لکھتے ہیں:

''وبعد أن قام عشرين سنة ينتقي الأحاديث والآثار ويعرض ما روى منها بطريق الآحاد على معاني كتاب الله وما أجمعت الأمة عليه، فينتخب من أربعين ألف حديث كتاباً ثم يخرجه للناس لكي ينتفع به''[2]

''امام صاحب بیس سال تک احادیث و آثار کو چھانتے رہے اور ان میں جو خبرِ آحاد کے طریق سے مروی تھیں انھیں کتاب اللہ اور اجماعِ امت پر پیش کرتے رہے، یوں وہ چالیس ہزار احادیث سے کتاب منتخب کرتے

---

[1] مسند (٢/٥٧٠) [2] لسان المیزان (٦/٢٣٧)

[3] الإمام ابن ماجه وكتابه السنن (٥٧)

ہیں اور لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ وہ اس سے استفادہ کریں۔''

کیسا خوبصورت تصور ہے؟ اگر یہ حقیقت ہے تو غور فرمائیے! امام صاحب اپنے شیخ حماد بن ابی سلیمان سے وابستہ ہوئے پندرہ سال اور ایک قول کے مطابق ۱۲ اور ۱۸ سال تک ان کی خدمت میں رہے۔ حماد ۱۲۰ھ میں فوت ہوئے تو امام صاحب ان کے جانشین بنے، اس کے بعد بیس سال تک احادیث سے منتخب مجموعہ کتاب الآثار مرتب کیا، بلکہ احادیث کے انتخاب میں یہ بھی انھوں نے ملحوظ رکھا کہ اخبارِ آحاد کو قرآن پاک اور اجماع امت پر پیش کیا اور انہی احادیث کا انتخاب کیا جو قرآنِ پاک اور اجماع کے موافق تھیں۔ بلاشبہہ یہ بہت بڑی جانفشانی اور عرق ریزی کی بات ہے۔ مگر جب ہم ان چالیس ہزار سے ۹۱۶ کے انتخاب کو دیکھتے ہیں تو حیرانی ہوتی ہے کہ یہ کیسا انتخاب ہے جس میں کذاب، متروک، ضعیف، مجہول و مستور اور مبہم راویوں کی روایات کا انتخاب کیا گیا، بلکہ ان سے استدلال بھی کیا گیا۔

مولانا نعمانی رحمہ اللہ نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ امام صاحب نے اس میں ان صحیح احادیث کا اہتمام کیا ہے جنھیں ائمہ فقہاء کا تلقی بالقبول حاصل ہے۔ ان کے الفاظ ہیں:

''فتوخى فيه الصحيح المتلقى بالقبول من أئمة الفتيا''[1]

مگر حقیقت یہ ہے کہ مولانا نعمانی کے پہلے دعاوی کی طرح یہ دعویٰ بھی کتاب الآثار کی مراجعت کے بعد پورا ہوتا نظر نہیں آتا۔ امام صاحب رحمہ اللہ کے مناقب میں جس طرح جھوٹی احادیث واقوال اور قصص کی بھر مار ہے ہمارے نزدیک تو یہ بھی اسی قبیل کی ایک کوشش ہے۔ بلکہ ہمارے نزدیک نعمانی صاحب کی یہ کوشش دراصل صحیحین کے تقابل میں ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی الجامع الصحیح صحیح احادیث پر مشتمل پہلی کتاب ہے اور

[1] الإمام ابن ماجه وسننه (۷۹)

صحیحین کی روایات کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ نے فرمایا کہ انھیں تلقی بالقبول حاصل ہے اور اکثر اہلِ علم نے فرمایا ہے کہ صحیحین کی احادیث بالاجماع صحیح ہیں۔ نعمانی صاحب اس کے برعکس اس کوشش میں ہیں کہ ثابت کرسکیں کہ کتاب الآثار پہلی صحیح کتاب، اس کی احادیث اجماع کے موافق اور ان کو فقہاء کے ہاں تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہے، اور اگر موطا کی احادیث کا موید عمل اہل المدینہ ہے تو کتاب الآثار کی احادیث کو بھی اہلِ فتاویٰ کے ہاں تلقی القبول حاصل ہے، تاکہ ان تینوں کتابوں سے بہرنوع کتاب الآثار کو مقدم ثابت کیا جائے۔ آیئے سرسری نظر سے اب اس دعوائے غیر مرضیہ کا بھی جائزہ لے لیجیے۔

پہلی روایت:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بواسطہ حماد رحمہ اللہ، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں:

"لا تكون زكاة نفس زكاة نفسين"[1]

"یعنی بچہ مادہ جانور کے پیٹ میں ہوتو مادہ کو ذبح کرنے سے بچہ ذبح نہ ہوگا، تاآنکہ اسے بھی ذبح کیا جائے۔"

چالیس ہزار احادیث و آثار سے انتخاب کر کے قرآن پاک اور اجماع کے موافق اور فقہاء کے ہاں جنھیں تلقی بالقبول حاصل تھا، ان میں سے ایک یہ اثر بھی ہے، جب کہ امام محمد رحمہ اللہ ہی نے فرما دیا ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ تو اسی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے، مگر ہم اس پر عمل نہیں کرتے۔

اہلِ علم خوب جانتے ہیں کہ اس کے برعکس "زكاة الجنين زكاة أمه" کے الفاظ سے حدیث حضرت علی، ابن مسعود، ابوایوب، براء بن عازب، ابن عمرو، ان عباس، کعب بن مالک، جابر بن عبداللہ، ابو امامہ، ابو الدرداء اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے

[1] کتاب الآثار ۱۷۵، رقم: ۸۰۸)

مروی ہے کہ ماں کے پیٹ میں بچہ تام الخلقہ ہو، ماں کو ذبح کیا جائے، بچہ مرا ہوا ہو تو بچہ ذبح کرنے کی ضرورت نہیں، ماں کا ذبح ہونا ہی کافی ہے۔

علامہ زیلعی رحمہ اللہ نے نصب الرایہ[1] میں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ”التلخیص الحبیر“[2] میں ان روایات کی تفصیل بیان کی ہے اور دونوں نے ہی امام ابن المنذر رحمہ اللہ سے یہ بھی نقل کیا ہے:

”لم يرو عن أحد من الصحابة والتابعين وسائر العلماء أن الجنين لا يؤكل إلا باستئناف الذكاة فيه إلا ما روي عن أبي حنيفة، ولا أحسب أصحابه وافقوه عليه“

”کسی ایک صحابی اور تابعی بلکہ تمام علماء سے کسی ایک سے یہ منقول نہیں کہ بچے کو جب تک ذبح نہ کیا جائے اسے نہ کھایا جائے سوائے امام ابوحنیفہ کے، میرا خیال ہے کہ ان کے شاگردوں نے بھی اس میں ان کی موافقت نہیں۔“

امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب الآثار ہی نہیں موطا وغیرہ میں بھی اپنے استاد محترم سے اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ پہلے امام صاحب کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور سعید بن المسیب رحمہ اللہ، کا فتویٰ ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ ہمارا قول اس کے مطابق ہے، مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ابراہیم نخعی کے قول کے مطابق فرماتے ہیں: اس کا کھانا مکروہ ہے، اگر زندہ ماں کے پیٹ سے نکل آئے تو ذبح کیے بغیر نہ کھایا جائے۔[3] علامہ محمد طاہر پٹنی نے بھی فرمایا ہے کہ سب سے پہلے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس مسئلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلفِ امت سے اختلاف کیا ہے۔[4]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے گو اس بارے میں ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے فتوے پر عمل کیا

---

[1] نصب الراية (١٨٩/٤، ١٩٢)
[2] التلخيص الحبير (١٥٧/٤)
[3] موطا (٤٨٣، ٤٨٤)
[4] مجمع البحار (٤٤٢/١)

ہے مگر ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا فتویٰ صحیح سند سے اس کے برعکس بھی ہے: "ذكاته ذكاة أمه" یعنی اس کی ماں کا ذبح اس بچے کا ذبح ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے مختلف اسانید سے یہ اثر نقل کیا ہے۔[1]

بلکہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے "حماد عن ابراہیم" کے واسطے سے ان کا فتویٰ جو کتاب الآثار[2] میں ہے، نقل کر کے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے: "حماد إذا قال برأيه أصاب، وإذا قال: قال إبراهيم، أخطأ" کہ حماد رحمہ اللہ جب اپنی رائے سے کہیں تو درست ہوتا ہے اور جب ابراہیم رحمہ اللہ کا قول بیان کریں تو غلطی کرتے ہیں۔ یہی بات امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے بھی کہی ہے۔[3] اس کے بعد متعدد تابعین کے فتاویٰ، حدیث کے مطابق ذکر کیے ہیں۔

ہم یہاں مزید اس کی اسنادی پوزیشن پر کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتے۔ امرِ واقع یہ ہے کہ یہ اثر صحیح نہیں۔ بالفرض اگر ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے اس فتوے کو تسلیم بھی کیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں تو باور کرایا گیا ہے کہ بیس سال تک احادیث کو قرآن مجید اور اجماع پر پیش کرتے رہے اور اصحاب الفتویٰ نے ان کے مطابق فتویٰ دیا ہوتا تو پھر اس روایت اور اثر کو کتاب کی زینت بناتے، مگر انھیں یہاں نہ گیارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کسی روایت کا علم ہوا اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینِ عام رحمہم اللہ کے کسی فتوے ہی کا علم ہوا، اگر ہوا تو صرف اور صرف ابراہیم نخعی کے فتوے کا علم۔ حالانکہ یہ نقل بجائے خود محفوظ نہیں!!

امام صاحب رحمہ اللہ کا اصول کہاں گیا؟

امام صاحب کے اصولِ فتویٰ میں تو یہ بات بڑے وثوق سے بیان کی جاتی

---

[1] السنن الکبری (۹/۳۳۶) نیز دیکھیے: عبد الرزاق (۸٦٤٥، ۸٦٤٦)، الجعدیات (۱/۲۱٦)

[2] کتاب الآثار (۹) [3] تهذیب (۳/۱۷)

ہے کہ وہ اپنے مسئلے کی بنیاد پہلے قرآن پر، اس میں نہ ملے تو حدیث پر، پھر صحابہ کے اقوال پر رکھتے رہے ہیں۔ رہے تابعین کرام تو ان کے بارے میں وہ فرماتے ہیں:

"هم رجال ونحن رجال"

مگر غور فرمایئے یہاں معاملہ بالکل الٹ ہے۔ احادیث و آثار صحابہ کے بجائے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے فتوے پر فتویٰ ہے، اصول کہاں گیا؟ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے تو فرما دیا ہے:

"إن هذا الحديث لعله لم يبلغ أبا حنيفة فإنه لا تأويل له ولو بلغه لما خالفه وهذا حسن"[1]

"یہ حدیث شاید امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو نہیں پہنچی، کیونکہ اس کی کوئی تاویل نہیں، اگر یہ حدیث انھیں ملتی تو وہ اس کی مخالفت نہ کرتے، اور یہ توجیہ اچھی ہے۔"

بلکہ خود مولانا لکھنوی نے فرمایا ہے: "فقول من قال بموافقة الحديث أقوى" کہ جن کا قول حدیث کے موافق ہے ان کا قول زیادہ قوی ہے۔[2]

اس مختصر وضاحت سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ مولانا نعمانی نے کتاب الآثار کی ترتیب میں جن اصولوں کو بیان کیا ہے وہ واقعی امام صاحب کے مناقب میں دیگر بہت سی روایات و حکایات کی طرح غلط اور محض خانہ ساز نہیں؟

دوسری روایت:

کتاب الآثار، باب ذکاۃ الجنین والعقیقہ کے تحت ہی امام صاحب پہلے "حماد عن ابراہیم" سے روایت کرتے ہیں: "كانت العقيقة في الجاهلية فلما جاء الإسلام رفضت" کہ عقیقہ زمانۂ جاہلیت میں تھا جب اسلام آیا تو وہ ختم ہوگیا۔

---

[1] التعليق الممجد (٢٨٤) [2] أيضاً

اس کے بعد یہی قول انھوں نے "حدثنا رجل عن محمد بن الحنفية" سے نقل کیا ہے۔[1] امام محمد فرماتے ہیں: "و به نأخذ وهو قول أبي حنيفة رحمه الله" ہم اس پر عمل کرتے ہیں اور یہی قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔

ہم یہاں اس بحث میں جانا مناسب نہیں سمجھتے کہ عقیقہ سنت ہے یا واجب، یا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور حنفی مذہب میں یہ جائز ہے یا ناجائز اور منسوخ۔ بلکہ ہم صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ جن آثار کی بنا پر عقیقہ کو جاہلیت کا عمل کہہ کر منسوخ کہا گیا ہے، کیا فی الواقع یہ جاہلیت ہی کا عمل تھا اور اسلام میں اس کا کوئی حکم یا اس پر کوئی عمل نہیں رہا تھا کہ امام صاحب اور ان کے شاگرد رشید نے اس کی مخالفت کی ہے۔

یہاں ہم مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ کی ایک وضاحت ضروری سمجھتے ہیں تاکہ اس حوالے سے پیدا ہونے والی غلط فہمی کا ازالہ ہو جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ نے عقیقہ کے بارے میں جو فرمایا ہے اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ عقیقہ مشروع نہیں یا یہ کہ مکروہ ہے، جیسا کہ الجامع الصغیر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے، ان کے الفاظ ہیں:

"كأنه يشير إلى عدم مشروعية العقيقة الآن أو إلى كراهته كما تفيد عبارته في الجامع الصغير الخ"[2]

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ عقیقہ کی روایت کو حضرت عائشہ، حضرت انس، حضرت سلمان بن عامر الضبی، حضرت سمرہ، حضرت ام کرز، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت بریدہ اسلمی اور حضرت علی رضی اللہ عنہم بیان کریں، حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے تحفۃ المودود میں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "التلخیص الحبیر" میں ان روایات کو ذکر کیا ہے۔

---

[1] كتاب الآثار (١٧٨، رقم: ٨٠٩، ٨١٠)
[2] التعليق الممجد (٢٨٨)

امام مالک رحمہ اللہ فرمائیں: "هذا الأمر الذي لا خلاف فيه عندنا" عقیقہ کے مسئلے میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں۔ امام ابن المنذر فرمائیں کہ سرزمین حجاز میں "قديماً وحديثاً" اس پر عمل ہے۔[1]

کسی ایک صحابی سے اس پر انکار ثابت نہ ہو، حتیٰ کہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بھی عقیقہ کے حق میں ذکر کیا ہے۔ لیکن غیر مستند سند سے مروی تابعی کے قول کی بنا پر یہ عمل، عملِ جاہلیت قرار پائے اور اس کی منسوخی اور عدمِ مشروعیت کا فتویٰ داغ دیا جائے۔ جس حقیقت کا علم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بلکہ سرزمین حجاز کے ائمۂ کرام کو نہ ہو، اس کا انکشاف کوفہ میں امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کو ہو جائے۔ ایں چہ بوالعجبی است۔

ہم یہاں نہ امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اور نہ ہی حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کے اثر کی استنادی حیثیت پر بحث مناسب سمجھتے ہیں، ہمارے نزدیک یہ دونوں اثر سنداً ضعیف اور کمزور ہیں، لیکن امام صاحب اور ان کے تلمیذ رشید کے فتوے کی بنیاد یہی دو اثر ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے تو اس پر انکار کیا ہے۔ بلکہ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے:

"فهذه كتب الحديث المعتبرة مملوءة من أحاديث شرعية العقيقة واستحبابها كما ذكرنا نبذا منها. الثاني: الأحاديث الدالة على استحبابها وشرعيتها لا شك أنها واقعة في الإسلام، وهي معارضة لما بلغه من قول النخعي وابن الحنفية، ومن المعلوم أن أحاديث النبي ﷺ أحق بالأخذ من قول غيره كائنا من كان. الثالث: أنه لو

---

[1] تحفة المودود (٢٧)

كان مطلق مشروعية العقيقة مرتفعة عن الإسلام لما عق النبي ﷺ عن الحسن والحسين... الرابع: أنه لو كانت مشروعيتها المطلقة مرتفعة لما اختارها أصحاب النبي ﷺ بعد...الخ"۔[1]

"یہ معتبر کتبِ احادیث عقیقہ کی مشروعیت اور استحباب کے بارے میں بھری ہوئی ہیں جیسا کہ ان میں سے بعض کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ ثانیاً: احادیث جو عقیقہ کی مشروعیت و استحباب پر دلالت کرتی ہیں بلاریب وہ عہدِ اسلام ہی میں واقع ہوئی ہیں، وہ ابراہم نخعی اور ابن الحنفیہ کے قول کے معارض ہیں اور یہ حقیقت معلوم شدہ ہے کہ احادیثِ نبویہ کسی دوسرے کے قول سے زیادہ حق دار ہیں کہ ان سے استدلال کیا جائے، وہ قول خواہ کسی کا ہی کیوں نہ ہو۔ ثالثاً: اگر عقیقہ کی مشروعیت اسلام میں ختم ہوگئی تھی تو رسول اللہ ﷺ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا عقیقہ نہ کرتے۔ رابعاً: اگر اسلام میں عقیقہ کا حکم مرتفع ہوگیا ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کا اہتمام نہ کرتے۔"

مولانا لکھنوی رحمہ اللہ نے اپنے نقطۂ نظر سے جو بحث کی ہے اس سے قطع نظر ہمیں صرف عرض کرنا ہے کہ عقیقہ کے عمل کی منسوخیت کا علم کسی صحابی کو نہیں ہوا۔ اس کا انکشاف عہدِ تابعین میں ہوا اور وہ بھی ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اور محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ پر، جن کی اسناد خود قابلِ اعتبار نہیں۔ تاہم اس پر امام صاحب اور ان کے ہمنواؤں نے فتویٰ دیا۔ سوال یہ ہے کہ یوں کیا ان آثار کو ائمہ فتویٰ کے ہاں تلقی بالقبول حاصل ہے؟ اور ایسے ہی غیر مستند آثار کو "صحیح کتاب" کی زینت بنایا جا سکتا ہے؟

---

[1] التعليق الممجد (٢٨٨)

تیسری روایت:

امام محمد رحمہ اللہ باب الشرب فی الادعیہ میں ''ابوحنیفہ عن حماد عن ابراہیم'' کی سند سے ذکر کرتے ہیں کہ امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"ما أسكره كثيره فقليله حرام خطأ من الناس، إنما أرادوا السكر حرام من كل شراب"[1]

''یہ کہنا کہ جس کا زیادہ پینا نشہ کا باعث ہے اس کا تھوڑا پینا بھی حرام ہے، یہ لوگوں کی غلطی ہے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ ہر پینے کی چیز سے نشہ حرام ہے۔''

یہ قول نقل کر کے امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"هو قول أبي حنيفة رحمه الله" ''یہی قول امام ابوحنیفہ کا ہے۔''

امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا یہی قول ابن خسرو نے مسند الامام[2] میں نقل کیا ہے۔ اس کے الفاظ میں: "القدح الأخر الذی یسکره هو الحرام" یعنی وہ آخری پیالہ جس سے نشہ ہو وہی حرام ہے۔

ہم یہاں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور حنفی مسلک کی تفصیل اور اس سے متعلقہ مباحث کی تفصیل میں جانا مناسب نہیں سمجھتے کہ یہ سردست ہمارا موضوع بحث نہیں۔ ہم تو اس اثر کے حوالے سے قارئین کرام کی خدمت میں عرض کرنا چاہتے ہیں کہ کیا اسے بھی اصحاب الفتاوی کے ہاں تلقی بالقبول حاصل ہے؟ اگر اصحابِ فتویٰ سے مراد کوفی اور حنفی فقہاء ہیں تو چشم ما روشن، دلِ ما شاد۔ لیکن اگر امت کے دیگر فقہاء بھی مراد ہیں تو ان میں سے کسی نے بھی اس اثر کے تناظر میں فتویٰ نہیں دیا۔ کیونکہ ان

---

[1] كتاب الآثار (١٨٥، رقم: ٨٤٣)

[2] مسند الإمام (٤١٢/١)

کے سامنے یہ حدیث صحیح ہے کہ "ما أسكر كثير فقليل حرام" جسے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ لوگوں کی غلطی بتلاتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان کی تائید و تقلید کرتے ہیں۔ علامہ زیلعی رحمہ اللہ یہی حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں:

"روي من حديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، ومن حديث جابر، ومن حديث سعد بن أبي وقاص، ومن حديث علي، ومن حديث عائشة، ومن حديث ابن عمر، ومن حديث خوات بن جبير، ومن حديث زيد بن ثابت"[1]

گویا یہ حدیث کتبِ احادیث میں آٹھ صحابہ کرام سے مروی ہے۔ امام ترمذی نے اپنی الجامع[2] میں اسی حدیث کے الفاظ سے باب قائم کیا ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کر کے فرمایا ہے کہ اس باب میں حضرت سعد، عائشہ، عبداللہ بن عمرو اور خوات بن جبیر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ بلکہ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث بیس صحابہ سے مروی ہے اور کتاب الاشربہ میں ان روایات کو ذکر کیا ہے۔ یہی بات ان سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری[3] میں ذکر کی ہے اور ان روایات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بلکہ امام عبداللہ بن مبارک نے، جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگردِ رشید ہیں، فرمایا ہے:[4]

"لا يصح في حل النبيذ الذي يسكر كثيره عن الصحابة شيء ولا عن التابعين إلا عن إبراهيم النخعي"

''جس نبیذ کے زیادہ پینے سے نشہ ہو، اس کی (**قلیل مقدار میں**) حلت نہ کسی صحابی سے اور نہ ہی کسی تابعی سے ثابت ہے سوائے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے۔''

---

[1] نصب الرايه (۱/۳۰۱)
[2] الجامع (۳/۱۰۴)
[3] فتح الباري (۱۰/۴۴)
[4] فتح الباري (۱۰/۴۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ((کل مسکر حرام)) ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ سائل نے عرض کیا آپ سچ فرماتے ہیں کہ نشہ آور حرام مگر چکھنے کے طور پر ایک دو گھونٹ؟ تو انھوں نے فرمایا: "ما أسکر کثیرہ فقلیلہ حرام" امام احمد رحمہ اللہ نے اسے روایت کیا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند شرطِ مسلم پر صحیح ہے۔[1]

سائل کے جواب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس وضاحت سے اس تاویل کی بھی جڑ کٹ جاتی ہے جس کا سہارا علامہ طحاوی رحمہ اللہ یا امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے لیا ہے۔

اس حوالے سے جو ہرزہ سرائی مولانا ظفر احمد عثمانی نے کی ہے ہم اس سے بخوبی واقف ہیں، لیکن یہاں اس کا جائزہ ہمارا موضوع نہیں۔

ہم نے پہلے عرض کیا کہ ہمارا مقصد اس مسئلے کی تنقیح و تحقیق نہیں بلکہ صرف یہ عرض کرنا ہے کہ امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ جن الفاظ کو "خطأ من الناس" کہتے ہیں اور امام صاحب رحمہ اللہ بھی ان کی تائید فرماتے ہیں، وہ الفاظ تو حدیث کے ہیں اور بیس صحابہ نے بیان کیے ہیں۔ سب صحابہ اور تابعین کا فتویٰ و عمل اسی پر ہے بجز امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے۔ کیا اس کے بارے میں باور کر لیا جائے کہ اسے بھی اصحاب الفتاویٰ کے ہاں تلقی بالقبول حاصل ہے؟!

چوتھی روایت:

امام محمد کتاب الآثار[2] "باب إدخال المیت القبر" میں "ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم" کی سند سے ذکر کرتے ہیں کہ امام ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ میت کو قبلے کی جانب سے اٹھا کر قبر میں رکھنا چاہیے اور ساتھ یہ بھی فرمایا:

"وحدثني من رأی أھل المدینة یدخلون موتاھم في الزمن

---

[1] فتح الباري (۱۰/۴۵) [2] کتاب الآثار (۴۹)

الأول من قبل القبلة، وأن السل شيء صنعه أهل المدينة بعد ذلك"

"مجھے اس شخص نے بتلایا جس نے اہلِ مدینہ کو دیکھا کہ وہ اپنی میتوں کو پہلے زمانے میں قبلے کی جانب سے قبر میں داخل کرتے تھے، اور قبر کی پاؤں والی جانب سے قبر میں اتارنے کا عمل لوگوں نے بعد میں شروع کیا۔"

امام محمد رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے کہ میت کو قبر کی پاؤں والی جانب سے نہیں، بلکہ قبلے کی جانب سے قبر میں رکھنا چاہیے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔

ہمارا یہاں یہ سوال قطعاً نہیں کہ امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کو یہ خبر دینے والا کون اور کیسا تھا؟ کیونکہ صحابی تو وہ یقیناً نہیں کہ صحابہ سے ان کی نہ روایت ہے نہ رؤیت، صرف سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں جنھیں انھوں نے دیکھا، روایت ان سے بھی نہیں سنی۔ اور ابراہیم ثقات سے ہی نہیں مجہول راویوں سے بھی روایت کرتے ہیں جیسا کہ امام حاکم رحمہ اللہ نے معرفۃ علوم الحدیث[1] میں نقل کیا۔ بلکہ کتاب الآثار[2] میں وہ حنظلہ بن نباتہ اور ابونصر السلمی سے روایت کرتے ہیں جو مجہول و مستور ہیں جیسا کہ الایثار میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہی نے کہا ہے۔

اسی طرح یہاں اس مسئلے کی تنقیح بھی مطلوب نہیں کہ میت کو قبر میں کس جانب سے اتارنا چاہیے۔ بلکہ صرف یہ عرض کرنا ہے کہ امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے اہلِ مدینہ کے بارے میں جو بیان فرمایا ہے وہ کس قدر مبنی بر حقیقت ہے۔

کتاب الآثار میں امام محمد رحمہ اللہ کے الفاظ آپ کے سامنے ہیں اور کتاب الآثار قاضی ابو یوسف میں ان کے الفاظ ہیں:

"كان أهل المدينة يدخلون من قبل القبلة في الزمان الأول

---

[1] معرفة علوم الحديث (١٠٨) [2] كتاب الآثار (رقم: ٩، ٣٢٥)

فأحدثوا السل لضعف أرضهم"[1]

"اہلِ مدینہ پہلے میتوں کو قبلے کی جانب سے قبر میں داخل کرتے تھے، پھر انھوں نے مدینہ کی زمین کمزور ہونے کی بنا پر پاؤں کی جانب سے داخل کرنا شروع کر دیا۔"

مدینہ طیبہ کی زمین نرم اور "ضعیف" تھی یا پتھریلی اور سخت تھی؟ اس کا اہلِ علم خود فیصلہ فرما لیں گے۔ کیا نرم زمین میں "لحد" نکالی جا سکتی ہے؟ إن في ذلك لعبرة!

لیکن اس کے علاوہ یہ بھی تو دیکھیے کہ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ اسی سند سے امام ابراہیم کا یہ بیان بھی نقل کرتے ہیں:

"إن أصحاب محمد ﷺ كانوا يدخلون مما يلي القبلة ومن قبل الرجلين وكل ذلك كانوا يدخلون"[2]

"رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام میت کو قبلے کی جانب سے داخل کرتے تھے اور پاؤں کی جانب سے بھی، ان دونوں طریقوں سے وہ قبر میں میت کو داخل کرتے تھے۔"

قابلِ غور بات یہ ہے کہ جب ان کے قول کے مطابق صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا دونوں پر عمل تھا تو پھر ایک پر اصرار اور دوسرے سے انکار چہ معنی دارد؟ اگر یہ کہا جائے کہ پہلے وہ قبلے کی جانب سے میت کو قبر میں اتارتے تھے بعد میں زمین نرم ہو گئی تو پاؤں کی جانب سے اتارنے لگے۔ تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صحابہ کے اس عمل کو "اِحداث" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟ بینوا توجروا

علاوہ ازیں ہم تو دیکھتے ہیں کہ حارث کا انتقال ہوا تو انھوں نے پہلے سے وصیت کر رکھی تھی کہ میری نمازِ جنازہ حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ پڑھائیں۔ چنانچہ

---

[1] كتاب الآثار (رقم: ٤٢١)
[2] كتاب الآثار (٨٤، رقم: ٤١٨)

انھوں نے نمازِ جنازہ پڑھائی، راوی کا بیان ہے:

"ثم أدخله القبر من قبل رجل القبر، وقال: هذا من السنة"[1]

''پھر انھوں نے حارث کو قبر کی پاؤں والی جانب سے قبر میں داخل کیا اور فرمایا: یہ سنت ہے۔''

اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

"هذا إسناد صحيح وقد قال: هذا من السنة فصار من المسند"

''یہ سند صحیح ہے اور حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے یہ سنت ہے، تو یہ مرفوع ہوگئی۔''

کہنے والوں نے یہ کہہ کر اس سے گلو خلاصی کرائی کہ ''شاید کسی ضرورت کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہو اور صحابی اسے نہ سمجھ سکے تو اسے سنت سے تعبیر کر دیا۔''

یہ حقیقت مؤولین کی سمجھ میں تو آ گئی مگر افسوس صحابہ نہ سمجھ سکے۔ حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ ہی نہیں، بلکہ یہی بات امام عامر شعبی رحمہ اللہ نے بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے ابن علیہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے اور وہ منصور بن عبدالرحمان رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے امام شعبی رحمہ اللہ سے پوچھا کہ آدمی نے میت کو قبر کی پاؤں والی جانب سے قبر میں اتارا ہے تو انھوں نے فرمایا:

"هذا ـ والله ـ سنة" ''اللہ کی قسم یہ سنت ہے۔''[2]

اس کی سند صحیح ہے البتہ مرسل ہے۔ مگر مرسل اور بالخصوص امام شعبی رحمہ اللہ کی، مرسل تو کیا ان کا تو قول بھی مؤولین کے ہاں حجت ہے۔[3]

اور کیا یہاں بھی اسی تاویل کی گنجائش ہے جو حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ کے

---

[1] سنن أبي داود (رقم: ٣٢٠٣)، ابن أبي شيبة (٣/٣٢٨)، بيهقي (٤/٥٤)، عبد الرزاق (٤/٤٩٨)

[2] ابن أبي شيبة (٣/٣٢٧) [3] إعلاء السنن (٣/١١)

بیان میں پیدا کر لی گئی ہے؟

مزید برآں امام عبد الرزاق رحمہ اللہ امام ابن جریج رحمہ اللہ سے اور وہ بہت سے اہلِ مدینہ سے اور وہ بہت سے تابعین سے آنحضرت ﷺ کے دفن کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کو سر کی جانب سے قبر میں دفن کیا گیا، بلکہ حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کو بھی اسی طرح دفن کیا گیا، ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''إن الأمر قبلهم لم يزل على ذلك'' پہلے یہی طریقہ ہمیشہ رہا کہ میت کو قبلے کی جانب سے نہیں بلکہ سر کی جانب سے قبر میں اتارا جاتا تھا۔

مگر یہ روایت مرسل ہونے کے علاوہ اہلِ مدینہ اس میں مبہم و مجہول ہیں اور مسند روایت کے بھی خلاف ہے۔ اس کے برعکس امام شافعی رحمہ اللہ نے تو فرمایا ہے:

''هو من الأمور العامة التي يستغنى فيها عن الحديث، ويكون الحديث فيها كالتكلف بعموم معرفة الناس لها، ورسول الله ﷺ والمهاجرون والأنصار بين أظهرنا ينقل العامة عن العامة، لا يختلفون في ذلك أن الميت يسل سلا، الخ'' [1]

''یہ تو ان عمومی امور میں سے ہے جن میں حدیث کی ضرورت نہیں بلکہ حدیث کی تلاش تو اس میں محض تکلف ہے۔ کیونکہ لوگوں کو اس کی عمومی معرفت حاصل ہے۔ رسول اللہ ﷺ، مہاجرین اور انصار کا عمل نقل العامۃ عن العامۃ کے طریقے پر ہمارے سامنے ہے۔ اس میں ان کا کوئی اختلاف نہیں کہ میت کو قبر کی پاؤں والی جانب سے قبر میں داخل کیا جائے۔''

اندازہ کیجیے! امام شافعی رحمہ اللہ آنحضرت ﷺ اور مہاجرین و انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

[1] كتاب الأم (١/٢٤٢)، المعرفة للبيهقي (٣/١٨٣)

سے اس عمل کو متواتر قرار دیتے ہیں کہ میت کو پاؤں کی جانب سے قبر میں اتارا جائے اور اس مسئلے میں حدیث کی تلاش کو تکلف سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اسے بعد کے دور کی ایجاد قرار دیتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ کہنے والوں نے کہا کہ امام شافعی رحمہ اللہ سے امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ متقدم ہیں۔ مگر امام ابن جریج رحمہ اللہ کا قول بھی امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے قول کی نفی کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ علی بن یزید اور عامر الشعبی کا اسی عمل کو سنت قرار دینا اس پر مستزاد ہے۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ الحارث الہمدانی ۶۵ھ میں فوت ہوئے جب حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ نے ان کا جنازہ پڑھایا۔ عامر الشعبی رحمہ اللہ عہدِ فاروقی میں پیدا ہوئے خود فرماتے ہیں: میں نے ۵۰۰ صحابہ کو پایا ہے۔ جب کہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے بارے میں ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ بعض نے ۴۹ھ کہا ہے۔ اور تقریب [1] میں یہی رجحان حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا معلوم ہوتا ہے۔ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا کسی صحابی سے سماع نہیں صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زیارت کی ہے۔ [2]

بلکہ امام ابوداود رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

"مرسل الشعبي أحب إلي من مرسل النخعي" [3]

"میرے نزدیک شعبی کی مرسل نخعی کی مرسل سے زیادہ محبوب ہے۔"

بایں طور بھی کہ جب امام شعبی رحمہ اللہ کو بہر نوع تقدم حاصل ہے تو انصاف کا تقاضا ہے کہ ان کے بیان کو راجح قرار دیا جائے کہ وہ اسے سنت کہتے ہیں۔

ہم نے اس مسئلے میں دیگر آثار اور مباحث سے قصداً صرفِ نظر کیا ہے۔ مقصد صرف یہ تھا کہ امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا یہ بیان خود ان کے دوسرے بیان کے

---

[1] تقریب (٢٤) [2] تهذیب (١/١٧٨)

[3] تهذیب (١/٦٨)

معارض ہے، جو علت انھوں نے بجانب پاؤں سے دفن کرنے کی بتلائی وہ بھی پھس پھسی ہے، امام ابن جریج سر کی جانب سے دفن کرنے کا ذکر کرتے ہیں جب کہ حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ اور عامر شعبی رحمہ اللہ نے پاؤں والی جانب سے دفن کرنے کو سنت قرار دیا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اسی پر متواتر عمل بتلایا ہے۔ اگر اس کے برعکس اکا دکا عمل ہے تو اسے ''سنت'' نہ خود کرنے والوں نے کہا ہے اور نہ ہی دیگر حضرات نے۔ کیا ''تلقی بالقول'' اسی کا نام ہے؟

پانچویں روایت:

امام محمد رحمہ اللہ باب الصلاة بعرفة و جمع میں ''ابو حنیفہ عن حماد'' کی سند سے امام ابراہیم رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

''إذا صليت يوم عرفة في رحلك فصل كل واحد من الصلاتين لوقتها''

''جب تم عرفہ کے دن اپنے مقام پر نماز پڑھو تو دونوں نمازیں (ظہر وعصر) ان کے اپنے اپنے وقت میں پڑھو۔''

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا موقف ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ وہ اپنے مقام پر بھی اسی طرح پڑھے جس طرح امام کے ساتھ دونوں پڑھی جاتی ہیں۔ کیونکہ عصر وقوفِ عرفہ کے لیے پہلے کر دی گئی ہے، فرماتے ہیں:

''كذلك بلغنا عن عائشة أم المؤمنين وعن عبد الله بن عمر وعن عطاء بن أبي رباح وعن مجاهد''[1]

''اسی طرح ہمیں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عطاء اور مجاہد رحمہما اللہ سے پہنچا ہے۔''

---

[1] كتاب الآثار (٧٠، رقم: ٣٤٣)

کتاب الآثار کی روایات و آثار کو جو اصحاب الفتیا کے ہاں معمول بہا اور تلقی بالقبول کا درجہ باور کرایا گیا ہے، امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے اثر پر تو تلمیذ رشید کا بھی عمل نہیں بلکہ جمہور فقہاء و محدثین کا بھی عمل نہیں۔ جس کی تفصیل یہاں مطلوب و مقصود نہیں۔ بلکہ تلمیذ رشید اس کے مقابلے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، عطاء بن ابی رباح اور مجاہد رحمہما اللہ کا فتویٰ و عمل پیش کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے مقابلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اثر بہر نوع مقدم و مؤثر ہے۔ وہ معروف اصول کہاں گیا کہ حدیث نہ ہو تو امام صاحب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کا لحاظ رکھتے ہیں؟!

ہمیں معلوم ہے کہ بعض متاخرین نے تلاش سے ایک صحابی کا اس حوالے سے اثر امام صاحب کی تائید میں پیش کیا ہے مگر کتب احادیث و آثار میں اس کا بالاسناد وجود مفقود ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اگر ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی تائید میں صحابی کا قول ہوتا تو امام محمد رحمہ اللہ اس کے مقابلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کو پیش کرنے کا تکلف نہ کرتے اور امام صاحب سے اختلاف کی جسارت بھی نہ کرتے۔

چھٹی روایت:

اسی طرح امام محمد رحمہ اللہ ''ابوحنیفہ عن حماد'' سے امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا یہ قول ذکر کرتے ہیں کہ امام نمازِ جمعہ میں تشہد میں بیٹھا ہو اور کوئی شخص اس حالت میں آ کر امام کی نماز سے ملتا ہے تو وہ امام کے سلام کے بعد دو رکعت جمعہ کی پڑھے، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے، مگر:

”لسنا نأخذ بهذا، من أدرك من الجمعة ركعة أضاف إليها أخرى، وإن أدركهم جلوساً صلى أربعاً، وبذلك جاءت الآثار من غير واحد“

''ہم اس پر عمل نہیں کرتے، بلکہ جو جمعہ کی ایک رکعت پائے وہ دوسری ساتھ ملا کر پڑھے، اور اگر تشہد میں ملا ہے تو چار (ظہر کی) رکعتیں پڑھے، اس کے مطابق بہت سے آثار آئے ہیں۔''

اس کے بعد انھوں نے اپنی سند سے حضرت انس، حسن بصری، سعید بن المسیب، خلاس بن عمرو، علقمہ بن قیس، اسود بن یزید رحمہم اللہ، جو امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے استاد ہیں، سفیان ثوری رحمہ اللہ اور زفر کا یہی فتوی ذکر کیا ہے۔[1]

اس کی تائید میں مرفوع احادیث بھی ہیں۔ مگر یہ تفصیل ہمارا موضوع نہیں۔ ہمیں تو بس یہ عرض کرنا ہے کہ کتاب الآثار کی روایات و آثار کو اصحاب الفتویٰ کے ہاں تلقی بالقبول حاصل نہیں، جیسا کہ نعمانی صاحب نے باور کرانے کی کوشش کی ہے۔ امام صاحب کا فتویٰ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے قول پر ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور بہت سے تابعین کا فتویٰ و عمل اس کے خلاف ہے۔ تلقی بالقبول کی بات ہوتی تو امام محمد رحمہ اللہ اس کی مخالفت نہ کرتے۔

ساتویں روایت:

امام محمد، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اور وہ حماد رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے امام طاؤس رحمہ اللہ اور امام سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ سے ثلث یا ربع پر مزارعت کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں۔ میں نے اس کا امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے ذکر کیا تو انھوں نے اسے مکروہ قرار دیا اور فرمایا: طاؤس اپنی زمین مزارعت پر دیتے تھے، اس لیے انھوں نے ایسا کہا۔

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام ابراہیم رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے، مگر ہم امام طاؤس رحمہ اللہ اور سالم رحمہ اللہ کے قول پر عمل کرتے ہیں کہ ثلث،

---

[1] کتاب الآثار (۲۶، رقم: ۱۲۸)

ربع پر مزارعت میں کوئی حرج نہیں۔[1]

غور فرمایئے! امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے قول کو ''الآثار'' میں بیان فرمایا اور اس پر فتویٰ دیا، کیا اسے فقہاء اور اصحابِ فتویٰ کے ہاں تلقی بالقبول حاصل ہے؟ اسے تو ان کے تلمیذ رشید نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ لطف کی بات یہ ہے کہ علامہ کوثری رحمہ اللہ نے تو فرمایا ہے:

''بل نعترف بأن المجتهد قد يخطئ في التفريع، ولأبي حنيفة بعض أبواب في الفقه من هذا القبيل ففي كتاب الوقف أخذ بقول شريح القاضي وجعله أصلا ففرّع عليه المسائل وأصبحت فروع هذا الكتاب غير مقبولة حتى ردها صاحباه، وهكذا فعل في كتاب المزارعة حيث أخذ بقول إبراهيم النخعي وجعله أصلا ففرّع عليه الفروع''[2]

''بلکہ ہم اعتراف کرتے ہیں کہ مجتہد کبھی تفریعات میں غلطی کر جاتا ہے اور ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بعض فقہی ابواب اسی نوعیت کے ہیں۔ چنانچہ کتاب الوقف میں انھوں نے قاضی شریح رحمہ اللہ کے قول کو اصل قرار دے کر اس پر مسائل کی تفریعات قائم کیں تو اس کتاب کی فروعات غیر مقبول ٹھہریں، حتی کہ ان کے دونوں شاگردوں نے اسے رد کر دیا۔ اسی طرح انھوں نے کتاب المزارعہ میں کیا کہ ابراہیم رحمہ اللہ کے قول کو لیا اور اسے اصل قرار دے کر اس سے فروعات نکالیں۔''

گویا وقف اور مزارعت کے بارے میں امام صاحب رحمہ اللہ کا موقف علامہ کوثری رحمہ اللہ کی نگاہ میں بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔ مگر افسوس کہ ایسا اثر بھی نعمانی

---

[1] كتاب الآثار (١٧٢، رقم: ٧٧٤)

[2] تأنيب الخطيب (٢٠٣)

صاحب کے نزدیک فقہاء کے ہاں تلقی بالقبول کے درجے میں ہے۔ (سبحان اللہ)

ہم نے بفضل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کتاب الآثار کا اسی نقطہ نظر سے مطالعہ کیا ہے، ہم نے دیکھا کہ امام محمد کتاب الآثار میں ذکر کردہ آثار و روایات کے بارے میں کھلے دل سے اختلاف کرتے ہیں۔ کبھی فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے قول پر عمل کرتے ہیں، مگر ہم نہیں مانتے۔ وہ ان کے مقابلے میں صحابہ و دیگر تابعین کے عمل کو ترجیح دیتے ہیں جس کی تین درجن کے قریب مثالیں پیشِ نظر ہیں۔ مگر اس تفصیل کا یہ مقالہ عجالہ متحمل نہیں۔

بلکہ امام صاحب اگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کے عمل کو لیتے ہیں تو امام محمد رحمہ اللہ اس کے برعکس حضرت عمر، علی اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کے عمل کو لیتے ہیں۔ کبھی دونوں بزرگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر کو چھوڑ کر دوسرے صحابی کے اثر کو لیتے ہیں۔ غرض یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و آثار میں بھی اخذ وردّ کا ذکر موجود ہے۔ اس لیے کتاب الآثار میں مروی آثار کو اصحاب الفتویٰ کے ہاں تلقی بالقبول کا درجہ دینا اندھیرے میں تیر چلانے کے مترادف ہے اور صحیحین کے مقابلے میں دل کے بہلانے کی بے کار کوشش ہے۔

چند دیگر روایات:

بلکہ کتاب الآثار میں بعض ایسی روایات ہیں جو بہرنوع بے بنیاد ہیں اور وہ بھی ہیں جو صحیح احادیث کے معارض ومخالف ہیں۔ مثلاً قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”عن أبي حنيفة عن حماد عن سعيد بن جبير عن ابن عمر أنه قال: صلى النبي ﷺ في الكعبة أربع ركعات، قال: فقلت له: أرني المكان الذي صلى فيه إلخ“[1]

[1] الآثار (١١٧، رقم: ٥٤٦)

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں چار رکعت پڑھی ہیں۔ میں نے ان سے کہا: مجھے وہ مقام دکھایئے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے۔''

اس روایت کے بارے میں مولانا ابوالوفاء افغانی رحمہ اللہ نے حاشیہ میں لکھا ہے:

''صحاح میں روایت معروف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے، آپ کے ہمراہ اسامہ، بلال اور عثمان الحجبی رضی اللہ عنہم تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں نماز پڑھی اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ آپ نے کس جگہ نماز پڑھی۔''

یعنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیت اللہ کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہی نہ تھے۔ اور انھوں نے بلال رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس جگہ نماز پڑھی تھی، مگر کتاب الآثار میں اس کے بالکل برعکس ہے۔ مولانا افغانی نے اس حقیقت کا اظہار اور یہ اختلاف تو ذکر کر دیا، مگر کاش مولانا رحمہ اللہ یہ بھی ذکر کر دیتے کہ ''صحاح'' میں کعبہ کے اندر کتنی رکعت نماز پڑھنے کا ذکر ہے تو معاملہ صاف ہو جاتا۔ صحیح بخاری [1] ہی میں دو رکعتوں کا ذکر ہے۔ علامہ محمد بن یوسف الشامی نے سبل الہدی میں ''ذکر قدر صلاته ﷺ في الكعبة'' کے تحت اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''بخاری و مسلم میں یحییٰ بن سعید کی روایت میں، بخاری اور نسائی میں ابوالفضل نعیم ابن دکین، ابن خزیمہ میں ابو عاصم الضحاک بن مخلد، اسماعیلی میں عمر بن علی، مسند امام احمد میں عبداللہ بن نمیر، یہ سب سیف بن ابی سلیمان عن مجاہد عن ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں نماز پڑھی؟ انھوں نے کہا:

[1] صحيح البخاري (٣٩٧)

ہاں، دو رکعتیں پڑھی ہیں۔ سیف بن ابی سلیمان کی متابعت مسند احمد میں خصیف نے کی ہے اور مجاہد کی متابعت مسند احمد، نسائی میں ابن ابی ملیکہ نے اور عمرو بن دینار نے کی ہے جیسا کہ مسند احمد میں ہے۔"[1]

جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں مختلف و متعدد اسانید سے دو رکعت پڑھنے کا ہی ذکر ہے۔ بلکہ علامہ ابن یوسف شامی نے حضرت جابر، عثمان بن طلحہ، عبداللہ بن زبیر، عبدالرحمان بن صفوان رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی دو رکعت پڑھنے کا ہی ذکر کیا ہے۔[2]

اہلِ علم خوب جانتے ہیں کہ بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنے یا نہ پڑھنے، نماز کی تعداد کے بارے میں سوال کرنے یا نہ کرنے کا ذکر تو احادیث میں ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ نے ان کے مابین تطبیق دی ہے۔ مگر یہ کسی صحیح روایت میں نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں چار رکعتیں پڑھی ہیں۔ یہ روایت کتاب الآثار میں ہے، مگر سند صحیح نہیں۔ کیونکہ حماد بن ابی سلیمان اپنی عمر کے آخر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ امام صاحب ان کے اس دور میں بھی "حماد" سے استفادہ کرتے رہے ہیں بلکہ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"لا يقبل من حديث حماد إلا ما رواه عنه القدماء شعبة وسفيان الثوري والدستوائي وما عدا هؤلاء رواه عنه بعد الاختلاط"[3]

"حماد کی وہی حدیث مقبول ہو گی جو ان سے ان کے پہلے شاگرد شعبہ، سفیان ثوری اور ہشام دستوائی بیان کریں اور جو ان کے علاوہ ہیں انھوں نے اختلاط کے بعد سماع کیا ہے۔"

---

[1] سبل الهدیٰ (٥/٢٤١) [2] فتح الباري (١/٥٠١)

[3] مجمع الزوائد (١/١١٦)

یہی بات امام احمد نے بھی فرمائی ہے،[1] جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر آئے ہیں۔ اس لیے یہ روایت تو تبھی قابلِ اعتنا ہو سکتی ہے جب حماد سے اس کے قدماء تلامذہ بیان کریں یا اس کی کسی اور ثقہ نے متابعت کی ہو۔ ورنہ یہ بہر حال غلط اور شاذ ہے۔

دوسری روایت:

قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کتاب الآثار میں ابو حنیفہ عن حماد، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

"إنه كان لا يسجد في صّ، ولا يسجد في سورة الحج إلا في الأولى"[2]

''وہ سورہ ص میں سجدہ نہیں کرتے تھے اور سورۃ الحج میں صرف پہلا سجدہ ہی کرتے تھے۔''

مولانا ابوالوفاء افغانی نے حاشیہ میں فرمایا ہے کہ ''حماد عن ابن مسعودؓ'' کے درمیان میں ''عن ابراہیم'' کا واسطہ گرا ہوا ہے۔ امام محمد نے کتاب الآثار میں یہ اثر ابراہیم کے واسطے سے نقل کیا ہے اور اس میں سورۃ الحج میں سجدہ کا ذکر نہیں۔

عرض ہے کہ بلاشبہ امام محمد رحمہ اللہ نے الآثار[3] میں یہ اثر ''عن ابراہیم'' کے واسطے سے ہی ذکر کیا ہے اور اس میں سورۃ الحج میں سجدہ کرنے یا نہ کرنے کا ذکر بھی نہیں۔ روایت میں ایسا اختلاف کوئی بعید نہیں۔ مگر یہ جو قاضی ابو یوسف نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سورۃ الحج میں صرف پہلا سجدہ کرنے کا ہی ذکر فرمایا ہے یہ محدثین اور ائمہ کی تصریحات کے بالکل خلاف ہے۔ چنانچہ امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وقد صحت الرواية فيه من قول عمر بن الخطاب

---

[1] تهذيب (١٦/٣) [2] الآثار (٤٠، رقم: ٢٠٣)

[3] الآثار (٤٢، رقم: ٢٠٩)

وعبدالله ابن عباس وعبد الله بن عمر وعبد الله بن مسعود وأبي موسى وأبي الدرداء وعمار رضی اللہ عنہم''[1]

''یعنی سورۃ الحج میں دوسجدوں کے بارے میں صحیح روایت حضرت عمر، ابن عباس، ابن عمر، ابن مسعود، ابوموسیٰ، ابوالدرداء اور عمار رضی اللہ عنہم کے قول وعمل سے آئی ہے۔''

اس کے بعد انھوں نے بالاسناد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سورۃ الحج میں دونوں سجدے کرنے کی روایت ذکر کی ہے۔ یہی بات امام بیہقی رحمہ اللہ نے المعرفہ[2] میں اور ان کا با اسناد اثر السنن[3] میں ذکر کیا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ کی یہی بات علامہ زیلعی نے نصب الرایہ[4] میں، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''التلخیص الحبیر''[5] میں بلانکیر نقل کی ہے، حتی کہ علامہ ابن قدامہ نے تو فرمایا ہے:

''فإنه قول من سمينا من الصحابة لم نعرف لهم مخالفاً في عصرهم فيكون إجماعاً''[6]

''یہ ان صحابہ کا قول ہے جن کا ہم نے نام لیا ہے، ہم نہیں جانتے کہ ان کے زمانے میں کسی نے ان کی مخالفت کی ہو تو یہ اس پر (صحابہ کا) اجماع ہوا۔''

بلکہ ابو اسحاق تابعی جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے استاد ہیں، فرماتے ہیں: ستر سال سے تو میں نے لوگوں کو سورۃ الحج میں دونوں سجدے کرتے دیکھا ہے۔[7]

اس لیے کتاب الآثار کی یہ روایت بھی ضعیف ہونے کے علاوہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے معروف عمل کے خلاف بیان ہوئی ہے۔ اس کی سند صحیح ہوتی تو ہم اس

---

[1] المستدرك (٢/٣٩٠)
[2] المعرفة (٢/١٥٣)
[3] السنن (٢/٣١٨)
[4] نصب الراية (٢/١٨٠)
[5] التلخيص الحبير (٢/٩)
[6] المغني (١/٦٤٩)
[7] ابن أبي شيبة (٢/١٢)، المغني لابن قدامة (١/٦٤٩)

بارے میں ان کے دو قول تسلیم کر لیتے۔ إذ لیس فلیس!

تیسری روایت:

قاضی صاحب ہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بواسطہ "الهيثم عن أبي قحافة" بیان کرتے ہیں:

"أنه أتى به النبي ﷺ ولحيته قد انتشرت فقال: لو أخذتم، وأشار بيده إلى نواحي لحيته"[1]

"انھیں نبی ﷺ کی خدمت میں لایا گیا، ان کی ڈاڑھی منتشر تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: کاش تم اس کو کاٹتے اور آپ نے اپنے ہاتھ سے ڈاڑھی کی دونوں طرف اشارہ کیا۔"

مولانا ابوالوفاء افغانی نے اس روایت پر سکوت اختیار کیا ہے۔ یہ روایت بھی سنداً و متناً غور طلب ہے۔ الہیثم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے استاد الہیثم بن ابی الہیثم ہیں۔ ابو الہیثم کا نام حبیب تھا۔ تہذیب التہذیب[2] میں ان کا تذکرہ موجود ہے اور وہ ثقہ ہیں۔ تابعین سے وہ روایت کرتے ہیں اور الایثار میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ وہ اتباع التابعین میں شمار ہوتے ہیں۔[3] وہ یہ حدیث حضرت ابوبکر کے والد محترم ابوقحافہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت کرتے ہیں۔ سبحان اللہ

یہی روایت علامہ الحارثی نے مسند ابی حنیفہ[4] میں اور انہی کے واسطے سے علامہ الخوارزمی نے جامع المسانید[5] میں "عن الهيثم عن رجل أن أبا قحافة" سے بیان کی ہے۔ مگر یہ "رجل" بھی مجہول ہے۔ ہیثم تبع تابعی ہیں۔ اس لیے یہ

---

[1] الآثار (۲۳٤، رقم: ۱۰۳۸)
[2] تهذيب التهذيب (۱۱/۸۱)
[3] الايثار (۲۷)
[4] مسند أبي حنيفة (۳۵۹) مترجم
[5] جامع المسانيد (۲/۳۰۹)

''رجل'' بہرحال صحابی تو نہیں، اس لیے سند میں کم سے کم دو واسطے ساقط ہیں۔ رہی یہ بات کہ آپ ﷺ نے حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کی ڈاڑھی کے بکھرے بالوں کو دیکھ کر کاٹ چھانٹ کا حکم فرمایا تو یہ بھی اسی بے سند روایت کا کرشمہ ہے۔ ورنہ صحیح روایات میں تو سر اور ڈاڑھی کے بالوں کی سفیدی اور انھیں بس رنگنے کا ذکر ہے۔ اس لیے یہ روایت بھی بے اصل ہونے کے علاوہ صحیح روایات کے تناظر میں منکر ہے۔

چوتھی حدیث:

قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ امام صاحب رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

''بلغني أن رسول الله ﷺ مر بأم سلمة وهي تسبح بنواتها فقام عليها هنية ثم قال لها: لقد قلت كلمات لهن أكثر مما قلت ثم أخبرها أنه قال: سبحان الله عدد خلقه، سبحان الله زنة عرشه، سبحان الله مداد كلماته''[1]

''مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے، وہ اپنی گٹھلیوں پر تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ آپ ﷺ تھوڑی دیر وہاں رُکے، پھر ان سے فرمایا: میں نے کچھ کلمات کہے ہیں ان کا ثواب اس سے بہت زیادہ ہے جو کچھ تم نے پڑھا۔ پھر آپ ﷺ نے انھیں بتایا کہ میں نے یہ کلمات پڑھے ہیں: ''سبحان الله عدد خلقه الخ''

یہ روایت اصولِ حدیث کی اصطلاح میں امام صاحب کی بلاغات میں سے ہے۔ مگر یہاں چند باتیں غور طلب ہیں:

① بتلایا گیا ہے کہ یہ واقعہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں پیش آیا۔ جب کہ صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ یہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث کے ہاں پیش آیا مگر اس

---

[1] الآثار (رقم: ٤٢، ٢١٧)

میں گٹھلیوں کا ذکر نہیں۔ مستدرک حاکم، طبرانی اور ترمذی وغیرہ میں ہے کہ یہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں پیش آیا، اس میں گٹھلیوں کا ذکر ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے۔ ابوداود، ترمذی وغیرہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ہے کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے ہاں گئے، اس میں نام کا ذکر نہیں اور اس میں بھی گٹھلیوں کا ذکر ہے، مگر سند اس کی بھی محلِ نظر ہے۔

ہمیں یہاں ان روایات کی اسنادی پوزیشن مطلوب نہیں، صرف یہ دیکھنا ہے کہ مسند روایات میں سے صحیح روایت میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ ہے، ایک میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اور دوسری میں ایک عورت کا۔ کسی مسند روایت میں، گو وہ ضعیف سند سے ہی کیوں نہ ہو، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نام نہیں آیا۔ اس لیے الآثار کی یہ روایت معلق ہونے کے علاوہ اس میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ذکر منکر ہے۔ اسے تعددِ واقعہ پر محمول کرنا بھی عبث ہے اس لیے کہ جب یہ سنداً صحیح ثابت ہی نہیں تو تعدد کیسا؟

پانچویں روایت:

امام محمد رحمہ اللہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

"حدثنا شيخ لنا يرفعه إلى النبي ﷺ أنه نهى عن تربيع القبور وتخصيصها"[1]

"ہمارے ایک شیخ نے ہمیں حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا کہ قبر کو چوکور بنایا جائے اور اسے چونا گچ کیا جائے۔"

یہ روایت امام صاحب نے "شیخ" مبہم و مجہول سے روایت کی ہے اور مولانا ابوالوفاء افغانی نے اعتراف کیا ہے: "لم أظفر بإسناده في كتب الحديث" کہ کتبِ حدیث میں اس کی سند پانے میں، میں کامیاب نہیں ہوا۔[2]

[1] الآثار (۵۲، رقم: ۲۵۷) [2] حاشية كتاب الآثار (۲۰۱/۲)

سند کیا یہ متن بھی ان الفاظ سے غریب ہے۔ البتہ تجصیص کی ممانعت دیگر احادیث سے ثابت ہے اور قبروں پر عمارت بنانا بھی ممنوع ہے، جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ مگر ''الآثار'' میں جو الفاظ آئے ہیں، ان کا ثبوت بہرحال محل بحث ہے۔

چھٹی روایت

امام محمد رحمہ اللہ نے الآثار میں "أبو حنيفة أخبرني رجل عن الحسن عن عمر بن الخطاب" کی سند سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

"الاب أحق بالصلاة على الميت من الزوج" ''باپ عورت کا جنازہ پڑھانے کا خاوند سے زیادہ حق دار ہے۔''[1]

مگر قاضی ابو یوسف نے امام صاحب سے اسے "عمن حدثه عن الحسن" حسن بصری کا قول ذکر کیا ہے۔ علامہ الخوارزمی نے جامع المسانید[2] میں اسے امام محمد سے نقل کیا ہے، قاضی ابو یوسف کی روایت ذکر نہیں کی۔ المصنف لابن ابی شیبہ[3] میں یہ بواسطہ اسماعیل بن علیہ عن یونس، اور المصنف لعبد الرزاق[4] میں یہ بواسطہ ہشام بن حسان یہ قول حسن بصری سے ہی منقول ہے۔[5]

غور طلب بات یہ ہے کہ الآثار محمد میں ''عن عمر ابن الخطاب'' کا اضافہ کس کا ہے؟ جبکہ الآثار لابی یوسف میں بھی یہ اسی سند سے حسن بصری کا قول ذکر ہوا ہے۔

ساتویں حدیث:

امام محمد رحمہ اللہ نے الآثار میں ''ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراہیم'' کی سند سے حضرت

---

1. الآثار (٢٦١)
2. جامع المسانيد (٤٥٦/١)
3. المصنف لابن أبي شيبة (٣٦٣/٣)
4. المصنف لعبد الرزاق (٤٧٢/٣)
5. نیز دیکھیے: الأوسط لابن المنذر (٤٣٧/٥)

عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے نمازِ صبح کی پہلی رکعت میں ﴿ قُلْ يَاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ﴾ اور دوسری میں: ﴿ لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ﴾ تلاوت کی۔[1]

جبکہ الآثار لابی یوسف[2] میں اسی سند سے ہے کہ انھوں نے ﴿ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ﴾ اور ﴿ قُلْ يَاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ﴾ تلاوت فرمائی، امام صاحب الفاظِ حدیث کو خوب یاد رکھنے والے تھے، مگر یہاں الآثار کے ان نسخوں میں یہ اختلاف کس بات کا غماز ہے؟ اگر اسے تکلفاً تعدد پر محمول کیا جائے تب بھی سوال یہ ہے کہ نماز میں خلافِ ترتیبِ مصحف قراءت کرنے کو مکروہ قرار دیا گیا ہے۔[3] مگر امام محمد کی کتاب الآثار میں وارد شدہ الفاظ کی روشنی میں اسے مکروہ قرار دیا جا سکتا ہے؟

آٹھویں حدیث:

امام محمد رحمہ اللہ نے امام صاحب رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

"حدثنا شيخ لنا يرفعه إلى النبي ﷺ قال: ارحموا الضعيفين: المرأة والصبي"[4]

"ہمیں ہمارے ایک شیخ نے حدیث بیان کی اور وہ اسے نبی ﷺ سے مرفوع بیان کرتے تھے کہ دو کمزوروں پر رحم کرو، عورت اور بچے پر۔"

یہ روایت بھی معلق ہے اور امام صاحب کے شیخ کا نام نہیں ہے۔ علامہ الخوارزمی نے جامع المسانید[5] میں بھی اسے کتاب الآثار سے نقل کیا ہے۔ مگر اس کی سند کیا ہے؟ اور یہ متن بھی، امام صاحب کے علاوہ ہی سہی کسی اور سند سے کتبِ احادیث میں پایا جاتا ہے؟

---

1. الآثار (رقم: ۱۸۷)
2. الآثار لأبي يوسف (رقم: ۲۳۵)
3. السعاية (۳۰۹/۲)
4. الآثار (۲۰۰، رقم: ۹۱۳)
5. جامع المسانيد (۹۰/۱)

"إني أحرج عليكم حق الضعيفين اليتيم والمرأة" کے الفاظ سے حدیث تو ابن ماجہ، مسند امام احمد، ابن حبان اور مستدرک حاکم میں پائی جاتی ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے گو اسے "الصحیحۃ"[1] میں ذکر کیا ہے مگر یہ صحیح نہیں۔ ابن عجلان مدلس مختلط ہونے کے علاوہ سعید عن ابی ہریرۃ سے اس کی روایات بالخصوص تخلیط کا شکار ہیں اور یہ بھی ''سعید عن ابی ہریرۃ'' سے ہے۔ پھر اس میں یتیم اور عورت کے حقوق اور مال میں گھپلے کی حرمت کا بیان ہے مگر کتاب الآثار کی روایت میں بچے اور عورت پر رحم کا حکم ہے۔ رحم کرنا چاہیے، مگر ان الفاظ کا ثابت ہونا محلِ بحث ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اور اس میں فرق واضح ہے۔

یہاں پھر ہم قارئین کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کروانا چاہتے ہیں: ''بہت بعید ہے کہ پہلا مدون غلطی کرے'' کیا تسلیم کر لیا جائے کہ محولہ روایات میں بھی غلطی کا کوئی امکان نہیں؟

یہ اور اسی نوعیت کی دیگر روایات سے امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کے اس قول کی قلعی بھی کھل جاتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ امام صاحب وہی بیان کرتے ہیں جو انھیں حفظ ہوتی ہے اور جو حفظ نہیں ہوتی بیان نہیں کرتے۔[2] اور یہ بھی کہا گیا ہے: امام صاحب کے نزدیک یہ شرط ہے کہ راوی نے تحمل سے لے کر ادا تک حدیث کو یاد رکھا ہو۔ کیا یہ روایات انھی شروط کے مطابق صحیح ہیں؟

ہم انھی چند روایات پر اکتفا کرتے ہیں جن سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں رہتا کہ کتاب الآثار کی روایات کی پوزیشن کیا ہے۔ بلاشبہہ اس میں ثقہ راویوں سے بھی روایات ہیں، مگر انھی کی بنیاد پر اس میں جو کذاب، متروک، ضعیف، مجہول اور مبہم راویوں سے روایات ہیں انھیں صحیح باور کرانا اندھیرے میں تیر چلانے کے

[1] الصحیحة (رقم: ١٠٥٠)
[2] تاریخ بغداد (٤١٩/١٣)

مترادف ہے۔ ان کے علاوہ اس کی مراسیل و منقطع روایات، مدلس اور مختلط راویوں کی احادیث اس پر مستزاد ہیں۔

نعمانی صاحب کا ایک اور دعویٰ:

مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے:

''کتاب الآثار کا موضوع صرف احادیثِ احکام یعنی سنن ہیں، جن سے مسائلِ فقہ کا استنباط ہوتا ہے الخ۔''[1]

بڑی خوب صورت بات ہے جو انھوں نے فرمائی مگر افسوس کہ یہ بھی ان کے دیگر دعاوی کی طرح صحیح ثابت نہیں ہو پاتی، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ قاضی ابو یوسف کی کتاب الآثار، جسے وہ امام صاحب کی کتاب الآثار کا نسخہ قرار دیتے ہیں، میں تو بہت سی احادیث کا تعلق احکام اور سنن سے قطعاً نہیں۔ مولانا ابو الوفاء افغانی رحمہ اللہ نے اس کی جو فہرست موضوعات کے مطابق بنائی ہے اگر نعمانی رحمہ اللہ ایک نظر اسے ہی دیکھ لیتے تو یہ بوگس دعویٰ قطعاً نہ کرتے۔

چنانچہ مولانا افغانی رحمہ اللہ نے کتاب الایمان کے تحت اکیس، کتاب العلم کے تحت دس، کتاب الآداب کے تحت پچیس، کتاب الفتن کے تحت تیرہ، کتاب شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت سولہ، کتاب المناقب میں ستائیں احادیث و آثار ذکر کیے ہیں۔ یوں کتاب الآثار کی کل روایات ۱۰۶۷ میں سے ۱۱۳ روایات کا تعلق احکام و سنن سے قطعاً نہیں۔

اسی طرح کتاب الآثار امام محمد میں باب الجهاد في سبيل الله، باب فضائل الصحابة، باب الصدق والكذب والغيبة والبهتان، باب تقييد العلم، باب ليلة القدر، باب من عمل عملا ألبسه الله رداءه، وارحموا الضعيفين، باب من دل على خير كمن فعله، باب الزهد، باب الرفق

[1] ابن ماجہ اور علمِ حدیث (ص: ۱۶۹)

والحرق، باب الرقیة من العین بھی کیا احکام اور سنن سے متعلق ہیں؟

نعمانی صاحب تو کتاب الآثار پر تخصص کا درجہ رکھتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ان ابواب کو دیکھتے ہوئے بھی وہ کتاب الآثار کا موضوع صرف احادیثِ احکام یعنی سنن قرار دینے پر بے جا اصرار فرماتے ہیں!!

کتاب الآثار کیا چالیس ہزار احادیث سے انتخاب ہے؟

مولانا نعمانی رقم طراز ہیں:

''اسناد و روایت کے اعتبار سے کتاب الآثار کی مرویات کا کیا درجہ ہے اس کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی نظرِ انتخاب نے چالیس ہزار احادیث کے مجموعہ سے چن کر ان کو روایت کیا ہے۔ صدر الائمہ موفق مکی تحریر فرماتے ہیں: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کتاب الآثار کا انتخاب چالیس ہزار احادیث سے کیا ہے۔''[1]

اولاً: تو موفق مکی کا یہ دعوی بلا دلیل ہے۔ ثانیاً: چالیس ہزار احادیث سے منتخب روایات کا جائزہ ہم قارئین کی خدمت میں پیش کر چکے ہیں، اس تناظر میں تو یہ دعویٰ محض دیوانے کے بڑ کے مترادف ہے۔ ثالثاً: خود نعمانی صاحب نے ہی لکھا ہے: ''امام حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی احادیث کی تعداد چار ہزار بیان کی ہے۔ دو ہزار حماد سے، دو ہزار باقی مشائخ سے۔''[2]

لہٰذا جب امام صاحب کی مرویات کی تعداد بقول حسن اللؤلؤی چار ہزار ہے تو پھر چالیس ہزار سے انتخاب کے دعوے کی حیثیت ہی کیا رہ جاتی ہے؟ یہاں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ علامہ الخوارزمی نے "الحسن بن زیاد عن أبي حنیفة" کی مرویات کو "مسند أبي حنیفة الذي رواه الحسن" سے نقل کر

[1] ابن ماجہ اور علمِ حدیث (ص: ۱۶۴)
[2] ایضاً (ص: ۷۵)

کے جامع المسانید میں جمع کر دیا ہے۔ تو کیا اس سند سے مروی روایات کی تعداد جامع المسانید میں چار ہزار ہے؟ حالانکہ جامع المسانید میں کل روایات ۱۷۷۸ ہیں۔[1] ان میں وہ روایات بھی ہیں جو حسن لؤلؤی کی سند سے نہیں ہیں۔ تو یوں وہ چار ہزار احادیث کیا ہوئیں؟ فاعتبروا یا أولی الأبصار.

ہم یہاں امام صاحب کی مرویات کے حوالے سے دیگر بیانات، جن کا تذکرہ نعمانی صاحب نے بھی کیا ہے، کی تفصیلی وضاحت میں جانا نہیں چاہتے کہ ہمارا موضوع نہیں۔

کتاب الآثار کی خدمت:

کسی کتاب کی عظمت اور اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ اس کی کس قدر شروح و حواشی لکھے گئے؟ غریب الفاظ کی کس حد تک وضاحت کی گئی؟ اور کہاں تک مشکلات اور ان کا حل پیش کیا گیا؟ اور اسانید و رجال کے تتبع میں کہاں تک کوشش ہوئی؟ کس کس نے اس پر استدراک، اس کے شواہد اور متابعات لکھے؟ کس کس نے اس پر اعتراضات و الزامات اور کس کس نے ان کا دفاع کیا؟ اس حوالے سے ہم جب دیکھتے ہیں تو کتاب الآثار جسے "أم الأم" اور حدیث کا پہلا صحیح مجموعہ قرار دینے پر اصرار ہو رہا ہے، کو وہ مقام نہیں ملا جو موطا، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو حاصل ہے۔ محدثِ ہند شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اسی حوالے سے رقم طراز ہیں:

"إن شئت الحق الصراح فقس كتاب الموطأ بكتاب الآثار لمحمد والأمالي لأبي يوسف تجد بينه وبينهما بعد المشرقين، فهل سمعت أحداً من المحدثين والفقهاء تعرض لهما واعتنى بهما؟"[2]

"اگر تم واضح حق چاہتے ہو تو موطا کا کتاب الآثار امام محمد رحمہ اللہ اور قاضی

---

[1] جامع المسانید مطبوعہ مکتبہ حنفیہ کوئٹہ [2] حجة الله (۱/۱۳٤)

ابو یوسف رحمہ اللہ کی الامالی سے تقابل کرو، تو تم موطا اور دوسری دونوں کتابوں کے مابین بعد المشرقین پاؤ گے۔ کیا محدثین اور فقہاء میں سے کسی سے سنا ہے کہ وہ ان دونوں کی طلب کے درپے ہوئے ہوں اور ان کا اعتنا اور اہتمام کیا ہو؟''

قاضی عیاض نے تو کہا ہے:

''لم یعتن بکتاب من کتب الحدیث والعلم اعتناء الناس بالموطأ''[1]

''لوگوں نے جس قدر موطا کا اعتنا کیا ہے اس قدر حدیث اور علم کی کسی کتاب کا نہیں کیا۔''

قاضی عیاض نے نوے اہلِ علم کا ذکر کیا ہے جنھوں نے موطا کی احادیث اور رجال پر بحث کی ہے۔ ان کے بعد اس کتاب کی خدمت کرنے والے کون کون ہیں ان کا شمار مشکل ہے۔ اس کے برعکس کتاب الآثار کے بارے میں مولانا نعمانی رحمہ اللہ نے ہی لکھا ہے: ''حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور حافظ قاسم قطلو بغا رحمہ اللہ نے اس کے رجال پر کتابیں تصنیف کی ہیں، صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ کتاب الآثار امام محمد رحمہ اللہ پر امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح لکھی، علامہ مرادی نے بھی سلک الدرر فی أعیان القرن الثانی عشر میں شیخ ابو الفضل نور الدین علی بن مراد موصلی شافعی المتوفی ۱۱۴۷ھ کے ترجمہ میں ان کی شرح آثار الامام محمد کا ذکر کیا ہے۔''[2]

یہ ہے کل جمع پونجی جس کا ذکر کتاب الآثار کے حوالے سے مولانا نعمانی نے کیا ہے۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ علمائے امت نے اس سے کس قدر اعتنا

---

[1] مقدمة تحفة الأحوذي (٨٥)

[2] ابن ماجہ اورعلم حدیث (۱۷۴)

کیا ہے۔ بلکہ خود علمائے احناف نے اس کی کیا قدر افزائی کی ہے۔ بس یہی دو نام ہیں: ایک علامہ طحاوی رحمہ اللہ اور دوسرا علامہ قاسم رحمہ اللہ کا۔

آخری دور میں مولانا ابوالوفاء افغانی رحمہ اللہ نے اس کی مفصل شرح لکھی لیکن وہ بھی پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ پائی۔ نو سو سولہ روایات میں سے صرف ۲۶۹ روایات کی شرح وحواشی لکھ پائے تھے کہ پیامِ اجل آ پہنچا اور یوں یہ شرح ادھوری رہ گئی۔ اس حقیقت کے باوجود یہ کہنا کہ کتاب الآثار ''ام الام'' اور یہ پہلا صحیح مجموعہ احادیث ہے'' بلکہ ''موطا کی کتاب الآثار سے وہی نسبت ہے جو صحیح مسلم کو صحیح بخاری سے ہے'' محض دل کے بہلانے کا ذریعہ اور احساسِ محرومی کے ازالے کی گھٹیا کوشش ہے۔

ہماری ان گزارشات سے یہ حقیقت نصف النہار کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ کتاب الآثار اپنی روایات کے آئینے میں قطعاً اس قابل نہیں کہ اس کی تمام یا اکثر روایات کو صحیح اور اسے صحیح احادیث پر مشتمل پہلی کتاب قرار دیا جائے۔ کیونکہ اس میں کذاب، متروک، ضعیف، مجہول اور مبہم راویوں کی روایات پائی جاتی ہیں۔ مدلس اور مختلط راویوں کے علاوہ منقطع اور مرسل، معلق اور بلاغات بھی ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ایسے راویوں کی روایات سے استدلال بھی کیا ہے۔

اس لیے اس کی منقطع اور معلق روایات کو صحیح بخاری کی معلقات کے تناظر میں سمجھنا کوئی عقل مندی نہیں۔ اس کی بعض روایات میں متن کے اعتبار سے سخت نکارت پائی جاتی ہے اور کئی روایات صحیح احادیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متواتر عمل کے بھی خلاف ہیں۔ لہٰذا اس کی روایات و آثار کے بارے میں تلقی بالقبول کا دعویٰ بھی حقیقت کا منہ چڑانے کے مترادف ہے۔



جامع المسانید للخوارزمي

حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ نے مسند کے نام سے کوئی کتاب مرتب نہیں کی۔ حتی کہ مولانا ابو الوفاء افغانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

”وَلَمْ يُصَنِّفِ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ رضي الله عنه كِتَاباً فِي الْأَخْبَارِ وَالْآثَارِ كَمَا صَنَّفَ الْإِمَامُ مَالِكٌ رضي الله عنه الْمُوَطَّأَ“[1]

”امام اعظم رضی اللہ عنہ نے کوئی کتاب احادیث و آثار میں تصنیف نہیں کی، جیسے امام مالک رضی اللہ عنہ نے الموطا لکھی ہے۔“

البتہ ان کے بعض تلامذہ نے اور بعض متاخرین نے امام صاحب کی مرویات کو ”الآثار“ اور ”مسند“ کے نام سے جمع کیا ہے اور انہی کتابوں کو شیخ ابو المؤید محمد بن محمود بن محمد الخوارزمی الخطیب نے ”جامع المسانید“ کے نام سے مرتب کیا ہے۔

شیخ ابو المؤید ۶۵۵ھ میں فوت ہوئے۔[2] مگر حاجی خلیفہ نے ان کا سنۂ وفات ۶۶۵ھ لکھا ہے۔[3] یہی سن مطبوع جامع المسانید کے لوح پر ہے لیکن عقود الجواہر میں علامہ الزبیدی نے ۶۷۵ھ لکھا ہے، جب کہ بستان المحدثین میں ۶۷۴ھ ہے۔

افسوس ہے کہ ان کے بارے میں کوئی تفصیل میسر نہیں، تمام مراجع میں صرف اتنی سی بات لکھی گئی ہے:

---

[1] مقدمه كتاب الآثار لأبي يوسف.

[2] الجواهر المضية (١٣٢/٢)، الفوائد البهية (ص: ٢٠٠، ٢٠١) وغيره).

[3] كشف الظنون (١٦٨٠/٢)

''انھوں نے امام نجم الدین طاہر بن محمد الحفصی سے فقہ کی تعلیم پائی، خوارزم کے قاضی بنے۔ بغداد گئے۔ حجِ بیت اللہ کا شرف حاصل کیا، کچھ عرصہ وہاں رہے، پھر مصر و شام گئے، پھر بغداد لوٹ آئے اور وہاں درس دیا۔''

غالبًا درس سے مراد درسِ حدیث نہیں، وعظ و ارشاد کا درس ہے۔ تبھی ''الخطیب'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ان کے شیوخِ حدیث، تلامذہ اور طلبِ حدیث میں ان کی مساعی کا کہیں کوئی ذکر نہیں ملتا۔

جامع المسانید کی وجہِ تصنیف:

شیخ الخوارزمی فرماتے ہیں:

''میں نے شام میں بعض جاہلوں سے سنا، وہ امام ابو حنیفہ کی تحقیر کرتا تھا اور کہتا تھا کہ ان سے قلیل روایات منقول ہیں، ان کی کوئی مسند نہیں: ''فَلَحِقَتْنِي حَمِيَّةٌ دِينِيَّةٌ رَبَّانِيَّةٌ وَعَصَبِيَّةٌ حَنَفِيَّةٌ نُعْمَانِيَّةٌ'' تو مجھے حمیتِ دینِ ربانی اور حنفی نعمانی عصبیت نے یہ مسانید جمع کرنے پر آمادہ کیا۔''[1]

علامہ شبلی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ اس کے جمع کرنے کا باعث ''حمیتِ مذہبی کا جوش'' تھا۔[2]

گویا یہ ''خدمت'' خدمتِ حدیث کے جذبے سے نہیں بلکہ ''حنفی نعمانی حمیت'' کے جذبے کا نتیجہ تھا۔ انھی مسانید کے بارے میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ان کا امامِ اعظم کی طرف نسبت کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ مسند ابو بکر کو جو

---

[1] مقدمه جامع المسانيد (ص: ٤)

[2] سیرتِ نعمان (ص: ۱۳۲)

حضرت امام احمد کا ترتیب دہ ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کردیں، اس میں زیادہ مغالطہ نہیں۔"[1]

اس مسند کی استنادی پوزیشن یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ نے اسے طبقات کتبِ حدیث کے چوتھے طبقے میں شمار کیا ہے جس میں ضعیف محتمل کے علاوہ موضوع، مقلوب، شدید نکارت پر مشتمل احادیث ہیں اور انہی کے قریب جامع المسانید ہے۔[2]

شیخ خوارزمی کا علمی مقام:

علامہ خوارزمی رحمہ اللہ بلاشبہہ خطیب اور بڑے حنفی عالم تھے۔ انھوں نے امام صاحب رحمہ اللہ کی مسانید کو جمع کرنے میں اپنی مذہبی حمیت کا فریضہ ادا کیا اور جو کچھ متقدمین نے لکھا تھا اسے اکٹھا کر دیا، مگر انتہائی معذرت سے عرض ہے کہ خود انھیں حدیث سے کس قدر لگاؤ تھا، اس کا اندازہ ان کے مقدمہ ہی سے ہوسکتا ہے، جس میں انھوں نے اہلِ علم کے مناقب میں لکھا ہے:

"وَجَعَلَهُمْ بِلِسَانِ نَبِيِّهِ كَأَنْبِيَاءِ أَهْلِ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ. فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ السَّلَامُ: عُلَمَاءُ أُمَّتِي كَأَنْبِيَاءِ بَنِي إِسْرَائِيلَ"[3]

"انھیں ان کے نبی کی زبان سے اہلِ تورات و انجیل کے انبیاء (علیہم السلام) کی طرح قرار دیا، چنانچہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔"

ان الفاظ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کوئی خطیب یا صوفی تو کہہ سکتا ہے، حدیث کا طالب علم یہ جسارت نہیں کرسکتا۔ علامہ سخاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"قَالَ شَيْخُنَا، وَمَنْ قَبْلَهُ الدَّمِيرِيُّ وَالزَّرْكَشِيُّ: إِنَّهُ لَا أَصْلَ

---

[1] بستان المحدثین مترجم (ص:۵۴)

[2] حجة الله (۱/۱۳۵)

[3] مقدمه (ص:۳)

لَهُ، وَزَادَ بَعْضُهُمْ: وَلَا يُعْرَفُ فِي كِتَابٍ مُعْتَبَرٍ"[1]

"ہمارے شیخ (حافظ ابن حجر رحمہ اللہ) اور ان سے قبل علامہ دمیری رحمہ اللہ اور علامہ زرکشی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔ اور بعض نے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ کسی معتبر کتاب میں اس کا ذکر نہیں۔"

یہی بات علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے "فتح المغیث"[2] میں زبان زد مشہور حدیث کے ضمن میں کہی ہے۔

نیز دیکھیے: شرح نخبة الفكر لعلي قاري (ص: ١٩٥)، المصنوع في معرفة الحديث الموضوع (ص: ٩٣)، الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة (ص: ٢٧٤)، الفوائد المجموعة (ص: ٢٨٦)، تمييز الطيب (رقم: ٨٧١)، أسنى المطالب (ص: ١٤٠)، الدرر المنتثرة للسيوطي (ص: ١١٣)، كشف الخفاء (٨٣/٢)، اليواقيت والدرر للمناوي (١٥٤/١)، الكشف الإلٰهي عن شديد الضعف والموضوع والواهي للطرابلسي (٤٩٨/٢)، التذكرة للزركشي (ص: ١٦٦)، الشذرة لابن طولون (رقم: ٦٠٢)، تذكرة الموضوعات للفتني (ص: ٢٠) الضعيفة (رقم: ٤٦٦) وغيره.

بلاشبہ علامہ رازی وغیرہ بعض علماء نے اسے حدیث قرار دیا ہے جیسا کہ علامہ عجلونی رحمہ اللہ نے کشف الخفاء میں کہا ہے مگر یہ سب زبانی جمع خرچ ہے، کسی مستند حدیث کی کتاب میں اس کی کوئی سند نہیں۔

اسی بے اصل روایت کے بارے میں یہ بھی دیکھیے کہ قاضی نصیر الدین بن قاضی سراج محمد برہان پوری نے کہہ دیا کہ یہ حدیث موضوع اور بے اصل ہے تو طوفان امنڈ آیا۔ خود شیخ کے خسر علم اللہ بیجاپوری نے انھیں کافر قرار دیا اور فتویٰ دیا کہ انھیں قتل کر

---

[1] المقاصد الحسنة (ص: ٢٨٩) [2] فتح المغيث (١١/٤)

دیا جائے اور آگ میں جلا دیا جائے۔ اس فتوے پر عمل درآمد کرانے کے لیے ایک محضر نامہ مرتب کیا جس پر علماء کے دستخط اور مہریں ثبت کرائیں۔ صرف شیخ فضل اللہ برہان پوری اور شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی نے اس کی تصدیق سے انکار کیا اور بڑی مشکل سے ان کی جان بخشی ہوئی۔[1]

باعثِ تعجب ہوگا کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی مرحوم نے حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کی سوانح میں لکھا ہے:

''حضرت کی مجالس کا رنگ بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ چھوٹے پیمانے پر انبیائے کرام علیہم السلام کا رنگ تھا، "عُلَمَاءُ أُمَّتِي كَأَنْبِيَاءِ بَنِي إِسْرَائِيلَ" والی حدیث صاف چسپاں ہوتی تھی۔''[2]

اسی حدیث سے امام غزالی رحمہ اللہ کی عظمت کی کہانی علامہ راغب کی ''محاضرات الادباء'' کے حوالے سے شیخ اسماعیل حقی نے تفسیر ''روح البیان''[3] میں، نیز شیخ عبدالقادر بن عبداللہ نے تعریف الأحباء بفضائل الإحباء علیٰ ھامش الاحیاء[4] میں ذکر کی ہے۔ اس کو شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے معراج کا قصہ بنا دیا، جیسا کہ شمائلِ امدادیہ[5] میں ہے۔ یہ اور اسی نوعیت کی مزید تفصیل اس فقیر کے مقالات[6] میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) علامہ الخوارزمی نے فرمایا کہ مجھ سے بعض مجہولوں نے کہا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے قلیل روایات منقول ہیں۔ جب کہ امرِ واقع یہ ہے کہ ''مجہول'' نے جو کچھ کہا کبار محدثین نے بھی یہی بات کہی ہے۔ اگر وہ ان کے کلام سے آگاہ ہوتے تو

---

[1] نزھۃ الخواطر (۴۱۷/۵، ۴۱۸)، برصغیر پاک و ہند میں علمِ فقہ (ص: ۲۷۴، ۲۷۵)

[2] سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری (ص: ۱۱۶)

[3] روح البیان (۳۷۴/۵، ۳۷۵)

[4] تعریف الأحباء بفضائل الإحباء" علیٰ ھامش الاحیاء (۴۴/۱، ۴۵)

[5] شمائل امدادیہ (ص: ۱۳۴) [6] مقالات جلد ۱، ص: ۲۹۶

شاید ''مجهولوں'' کی بات پر ناراضی کا اظہار نہ فرماتے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ امام مسلم رحمہ اللہ ،[1] امام نسائی رحمہ اللہ[2] اور امام عبداللہ بن مبارک[3] وغیرہ نے انھیں ''قليل الحديث'' اور ''مسكيناً في الحديث'' کہا ہے۔ حتی کہ ان کے ایک اور شاگرد اسرائیل بن یونس نے، جو ثقہ محدث ہیں، بھی کہا ہے کہ وہ ''قلیل الحدیث'' تھے۔[4] بلکہ امام یحییٰ بن سعید القطان نے تو کہا ہے: ''لم يكن بصاحب حديث'' کہ وہ صاحبِ حدیث نہ تھے۔ یعنی حدیث ان کا موضوع نہ تھا۔[5] اسی قسم کا قول حافظ ابن عبدالبر نے حفص بن غیاث سے نقل کیا ہے۔[6]

علامہ شعرانی نے امام صاحب کا قیاس کو نصوص پر مقدم کرنے کا سبب ہی یہ بتلایا ہے کہ ان کے دور میں اس قدر روایات جمع نہیں ہوئی تھیں، اگر تدوینِ حدیث کے دور میں زندہ رہتے، جس میں حفاظ محدثین نے شہر بہ شہر پھر کے احادیث کو جمع کیا تو وہ انہی کو اپنا مرجع بناتے اور ہر قسم کا قیاس چھوڑ دیتے، ان کے الفاظ ہیں:

''إِنَّهُ لَوْ عَاشَ حَتَّى دُوِّنَتْ أَحَادِيْثُ الشَّرِيْعَةِ وَبَعْدَ رَحِيْلِ الْحُفَّاظِ فِيْ جَمْعِهَا مِنَ الْبِلَادِ وَالثُّغُوْرِ، وَظَفِرَ بِهَا لَأَخَذَ بِهَا وَتَرَكَ كُلَّ قِيَاسٍ قَاسَهُ''[7]

خطیب الخوارزمی نے فرمایا ہے کہ میں نے ان مسانید کو چالیس ابواب میں ذکر کیا ہے، کیونکہ عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، ابو سعید، ابو ہریرہ، ابو الدرداء اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو میری چالیس

---

[1] الكنىٰ والأسماء (٢٧٦/١) [2] الضعفاء (ص: ٣١٠)

[3] قيام الليل، ص: ١٢٣، الضعفاء لابن حبان: ٧١/٣، الجرح والتعديل: ٤٥٠/٤، ق ١)

[4] فضائل أبي حنيفة لابن أبي العوام (ص: ١٥١)

[5] الضعفاء للعقيلي (٣٨٢/٤)، ابن عدي (١٢٣/١٥)، تاريخ بغداد (٤١٦/١٣)

[6] جامع بيان العلم (١٤٥/١) [7] الميزان الكبرىٰ (٦٦/١)

احادیث بیان کرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا۔ ملخصاً

ان کے الفاظ ہیں:

"وَأَرَدْتُ أَنْ أَجْمَعَ هَذِهِ الْمَسَانِيْدَ فِيْ أَرْبَعِيْنَ بَاباً الخ"[1]

اس حوالے سے پہلی بات تو یہ ہے کہ "چالیس احادیث کی روایت" کی فضیلت میں جتنی روایات ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے انھیں "العلل المتناهية" جلد اول میں "بَاب ثَوَاب من حفظ أَرْبَعِيْن حَدِيْثًا" کے تحت ذکر کیا ہے اور اس کے تحت حضرت علی، ابن مسعود، معاذ بن جبل، ابو الدرداء، ابو سعید، ابو ہریرہ، ابو امامۃ، ابن عباس، ابن عمر، ابن عمرو، جابر بن سمرہ، انس اور بریدۃ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی احادیث ذکر کی ہیں اور سب کو ضعیف قرار دیا ہے۔[2] یہی بات امام دارقطنی، امام ابن عساکر، علامہ نووی، حافظ ابن حجر، امام بیہقی، ابن السکن وغیرہ نے کہی ہے۔[3]

ثانیاً: خطیب الخوارزمی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: "أما حديث ابن عباس..."، رہی ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث، مگر اس کی اسانید ذکر کر کے لکھتے ہیں:

"قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَجِيْدِ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ أَبِيْ رَوَّادٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ... الخ"[4]

غور فرمایئے! یہ تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تو نہیں۔ یہ روایت اسی سند سے العلل المتناهية، المحدث الفاصل اور جامع بیان العلم[5] میں بھی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے۔ حیرت ہے کہ خطیب الخوارزمی اسے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث باور کراتے ہیں اور نقل "ابن عباس عن معاذ" سے کرتے ہیں!!

---

[1] (ص: ۷) [2] ملاحظہ ہو: العلل المتناهية (۱/۱۱۱، ۱۱۲)

[3] المقاصد الحسنة (ص: ٤١١)، التلخيص (۳/۲۰۸)، شعب الإيمان (۳/۲٤۱)، جامع بيان العلم (۱/٤٤)، كشف الخفاء (۲/۳۲۲) وغیرہ۔ [4] مقدمہ (ص: ۷، ۸)

[5] العلل المتناهية (۱/۱۱۲)، المحدث الفاصل (ص: ۱۷۳)، جامع بيان العلم (۱/٤٤)

ثالثاً: مقدمہ جامع المسانید ہی میں چالیس ابواب کے عناوین لکھے گئے ہیں، آخری باب کا عنوان ہے: ''المباب الأربعون في معرفة مشايخ هذه المسانيد على حروف المعجم'' یعنی چالیسواں باب، ان مسانید کے مشائخ کے تعارف میں حروف معجم کے مطابق۔ اب کون سمجھے کہ اس باب کا امام صاحب کی مسانید کی ترتیب سے کیا تعلق ہے؟ یہی حال اس کے پہلے دو ابواب کا ہے۔

رابعاً: یہی خطیب الخوارزمی رحمہ اللہ امام صاحب رحمہ اللہ کا ایک اصول یہ ذکر کرتے ہیں کہ انھوں نے اصح احادیث کی بنا پر بعض احادیث پر عمل نہیں کیا:

''فَمِنْهَا: قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: « إِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلْ خَبَثًا » تَرَكَهُ أَبُوْ حَنِيْفَةَ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي الصَّحِيْحَيْنِ'' الخ[1]

چنانچہ انھی میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب پانی دو قلوں کے برابر ہو تو پلید نہیں ہوتا۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اسے اس لیے چھوڑ دیا کہ یہ حدیث صحیحین میں نہیں، اس کی سند مضطرب اور قُلہ مشترک لفظ ہے۔ اس کے مقابلے میں بخاری و مسلم میں متفق علیہ حدیث ہے کہ کھڑے پانی میں کوئی پیشاب نہ کرے۔ پھر اس سے وضو کرے۔

سوال یہ ہے کہ کیا حدیثِ قلتین کے بارے میں امام صاحب کا یہ تبصرہ ان سے منقول ہے یا محض خانہ ساز ہے؟ کہاں امام صاحب اور کہاں صحیحین اور ان کے مصنفین؟ کیا احناف کے نزدیک صحیحین کی حدیث باعثِ ترجیح ہے؟ اگر یہ وجہِ ترجیح امام صاحب کے نزدیک مسلّم ہے تو احناف اسے تسلیم کیوں نہیں کرتے؟ امام صاحب تو اس حدیثِ صحیح کو تسلیم کرتے ہوئے اسے ''بہتے پانی'' پر محمول کرتے ہیں[2] اور قاضی ابو یوسف اس تاویل پر فرطِ محبت سے امام صاحب کے سر کا بوسہ لیتے ہیں۔ کیا حدیث

---

[1] مقدمة (ص: ٤٣)
[2] الموسوعة (٨١٩)

کی اس تاویل کی گنجایش ہے؟ فاعتبروا یا أولي الأبصار.

علاوہ ازیں خطیب خوارزمی نے یہاں بخاری ومسلم کی حدیث کے الفاظ یوں نقل کیے ہیں:

"لَا يَبُوْلَنَّ أَحَدُكُمْ فِيْ الْمَاءِ الدَّائِمِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ مِنْهُ: وَلَفْظُ مُسْلِمٍ رحمہ اللہ: ثُمَّ يَغْتَسِلُ مِنْهُ"[1]

حالانکہ صحیح بخاری ومسلم میں یہ حدیث: "ثُمَّ يَتَوَضَّأُ مِنْهُ" کے الفاظ سے قطعاً نہیں، بلکہ دونوں میں "ثُمَّ يَغْتَسِلُ" کے الفاظ سے ہے۔[2] اور یہ روایت بواسطہ محمد بن سیرین عن ابی ہریرہ ہے، جب کہ مسند ابی حنیفہ میں یہ جن الفاظ سے ہے وہ بجائے خود ایک معمہ ہے۔

اسی باب میں خطیب خوارزمی کی بیان کردہ ترمذی کی ایک حدیث کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"ذَكَرَهُ التِّرْمِذِيُّ فِيْ جَامِعِهِ وَهُوَ حَدِيْثُ مَيْمُوْنَةَ، قَالَتْ: اِجْتَنَبْتُ أَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ فَاغْتَسَلْتُ فِيْ جَفْنَةٍ فَفَضَلَتْ فَضْلَةٌ فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِيَغْتَسِلَ مِنْهَا، قُلْتُ: إِنِّيْ اغْتَسَلْتُ مِنْهَا، قَالَ: إِنَّ الْمَاءَ لَيْسَ عَلَيْهِ جَنَابَةٌ وَلَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ، فَاغْتَسَلَ مِنْهُ. قَالَ أَبُوْ عِيْسٰى التِّرْمِذِيُّ رحمہ اللہ: هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ حَسَنٌ"[3]

حالانکہ یہ حدیث ان الفاظ سے جامع ترمذی میں قطعاً نہیں۔ ترمذی[4] میں یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے اور وہ بھی مختصراً: "اِغْتَسَلَ بَعْضُ أَزْوَاجِ

---

[1] مقدمه (ص: ٤٣)
[2] صحيح البخاري (٢٣٩)، صحيح مسلم (٢٨٢)
[3] مقدمه (ص: ٤٤)
[4] سنن الترمذي (٦٥)

النَّبِيِّ ﷺ فِيُ جَفُنَةٍ" اوراس میں صرف آپ ﷺ کے وضو کرنے کا ذکر ہے، غسل کرنے کا نہیں۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ اور سیاق علیحدہ ہے۔[1] خطیب صاحب نے دونوں کو خلط ملط کر دیا اور یہ تفصیلی روایت بنا دی جو دراصل سنن دارقطنی[2] میں ہے اور امام دارقطنی رحمہ اللہ نے وضاحت فرمائی ہے: "میمونہ رضی اللہ عنہا کا اس حدیث میں نام صرف شریک لیتے ہیں۔"

دراصل یہ حدیث: "ابن عباس قَالَ: اِغُتَسَلَ بَعُضُ أَزُوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ" سے ہے جیسا کہ ترمذی وغیرہ میں ہے، بلکہ ابوزرعہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نہیں بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح ہے۔ العلل لابن أبي حاتم.[3] اور اس میں "یتوضأ" کا لفظ ہے، غسل کا نہیں۔

شیخ الخوارزمی کی عصبیت:

شیخ الخوارزمی کی عصبیت اور مذہبی حمیت کا اندازہ کیجیے کہ حماد بن ابی حنیفہ (المتوفی: ۱۷۷ھ) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

"هُوَ إِمَامٌ فِيُ عِلُمِ الُحَدِيُثِ وَالُفِقُهِ ثِقَةٌ عَدُلٌ وَثَّقَهُ أَصُحَابُ الُحَدِيُثِ"[4]

"وہ علم حدیث وفقہ کے امام ثقہ عدل ہیں اور اصحاب الحدیث نے ان کی توثیق کی ہے۔"

بلاشبہ حماد، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے وارث اور نیک و صالح انسان تھے، مگر وہ نہ علم حدیث کے امام تھے نہ ہی محدثین میں سے کسی نے انھیں ثقہ کہا ہے، بلکہ حافظ ذہبی نے میزان، المغني في الضعفاء اور ذیل الدیوان[5] میں لکھا ہے:

---

[1] سنن الترمذي (٦٢) [2] سنن دارقطني (رقم: ١٣٣)

[3] العلل لابن أبي حاتم (٤٣/١) [4] جامع المسانيد (٤٣٤/٢)

[5] ميزان (٥٩٠/١)، المغني في الضعفاء (١٨٨/١)، ذيل الديوان (ص: ٣٠)

"ضَعَّفَهُ ابْنُ عَدِيٍّ وَغَيْرُهُ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ" اور ديوان الضعفاء[1] میں لکھتے ہیں: "مُقِلٌّ ضَعِيفُ الْحَدِيثِ"۔ اور تاريخ الاسلام[2] میں ۱۷۱۔۱۸۰ھ کے حوادث کے تحت لکھتے ہیں:

"لَيَّنُوهُ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ، وَقَدْ ذَكَرَهُ ابْنُ عَدِيٍّ فِي الْكَامِلِ"[3]

شیخ عبدالقادر القرشی نے ان کا ترجمہ ذکر کیا ہے اور کسی محدث سے کوئی کلمہ توثیق کا نقل نہیں کیا۔[4] جبکہ مولانا عبدالحی لکھنوی نے الفوائد البهية[5] میں توثیق کی ہے، حافظ ذہبی کے حوالے سے لکھا کہ ابن عدی نے حفظ کی بنا پر اس کی تضعیف کی ہے۔ یہ ہے حقیقت شیخ الخوارزمی کے بلادلیل قول کی کہ محدثین نے اس کی توثیق کی ہے۔ سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ.

اسی طرح انھوں نے سلیمان بن داود بن بشر الشاذکونی کے ترجمہ میں تاریخ بغداد سے اس کے حافظِ حدیث ہونے کے حوالے سے تو لکھا ہے، کیوں کہ اس کی کچھ روایات جامع المسانید کی ''زینت'' ہیں، مگر تاریخ بغداد ہی میں جو اس کے کذاب اور وضاع ہونے کا ذکر ہے، ان کی مذہبی عصبیت کی بھینٹ چڑھ گیا۔[6]

نیز احمد بن الصلت بن المغلس الحمانی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قَالَ الْخَطِيبُ: وَبَعْضُ النَّاسِ يَقُولُونَ: أَحْمَدُ بْنُ الصَّلْتِ يَضَعُ الْحَدِيثَ"[7]

خطیب الخوارزمی نے خطیب بغدادی کی عبارت کا جو حلیہ بگاڑا ہے اس پر ہم

---

[1] ديوان الضعفاء (ص: ۷۳) [2] تاريخ الاسلام (ص: ۱۰۱)

[3] شائقین مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: الكامل لابن عدي (۳/۳٤۵)، لسان الميزان (۲/۳٤٦)

[4] الفوائد البهية (ص: ٦۹) [5] الجواهر المضية (۱/۲۲٦)

[6] ملاحظہ ہوں: تاریخ بغداد (۹/٤٦۔٤۷)، میزان (۲/۲۰۵)، لسان (۳/۸۵۔۸۸)

[7] جامع المسانيد (۲/۳۹۸)

سوائے انا للہ وانا الیہ راجعون کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ تاریخ بغداد میں ہے:

"وَبَعْضُ النَّاسِ يَقُوْلُوْنَ: أَحْمَدُ بْنُ الصَّلْتِ، وَبَعْضُهُمْ: أَحْمَدُ بْنُ عَطِيَّةَ....قَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ: اِبْنُ الصَّلْتِ هَذَا يَضَعُ الْحَدِيْثَ" [1]

اندازہ کیجیے خطیب رحمہ اللہ نے کیا کہا اور شیخ الخوارزمی کیا نقل کر رہے ہیں کہ بعض لوگوں نے اسے "يَضَعُ الْحَدِيْثَ" کہا ہے۔ فَوَا أَسفا...!

حالانکہ یہ قول امام دارقطنی کا ہے اور خطیب بغدادی نے اس کے بعد امام ابن عدی سے یہ بھی نقل کیا ہے: "مَا رَأَيْتُ فِيْ الْكَذَّابِيْنَ أَقَلَّ حَيَاءً مِنْهُ" کہ میں نے جھوٹوں میں اس سے کم بے حیا نہیں دیکھا، یعنی سب سے بڑا بے حیا احمد بن الصلت ہے۔ اب اسے نقل میں خیانت کہیں یا جامع المسانید کے نسخے میں خطا سمجھیں۔ واللہ اعلم

اسی طرح ایک الحسن بن زیاد اللؤلؤی ہیں، شیخ الخوارزمی نے خطیب بغدادی سے حسبِ ضرورت کلام نقل کیا، مگر خطیب بغدادی نے محدثین سے جو اس پر جرح نقل کی ہے، اسے بالکل نظر انداز کر دیا۔ [2]

لطف کی بات یہ ہے کہ شیخ الخوارزمی نے الحسن بن زیاد کا جو قول کہ "میں نے ابن جریج کی بارہ ہزار احادیث ایسی لکھی ہیں کہ تمام فقہاء ان کے محتاج ہیں۔" نقل کیا ہے، اس کا راوی یہی احمد بن الصلت ہے اور حسن لؤلؤی خود بھی کذاب ہے۔ اس نوعیت کی اور بھی مثالیں ہیں مگر یہاں استیعاب مقصود نہیں۔

شیخ الخوارزمی کے مبلغِ علم کا اندازہ فرمایئے کہ "أيوب(١) بن هانئ يروى عن أبي حنيفة، أحمد(٢) بن أبي طيبه، إسماعيل(٣) بن ملحان، إسماعيل(٤) النسوي، إسماعيل(٥) بياع السابري، إسماعيل(٦) بن

---

[1] تاريخ بغداد (٣٤/٥)

[2] ملاحظہ ہوں: جامع المسانيد (٤٣٤/١)، تاريخ بغداد (٣١٤/٧، ٣١٧)

علبان، أخضر[(٧)] بن حكيم، اليسع[(٨)] بن طلحة، إبراهيم[(٩)] بن سعيد، أبيض[(١٠)] بن أغر" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان کا ترجمہ میں نے تاریخ بغداد، تاریخ البخاری، ابن نجار میں نہیں پایا، شاید یہ بغداد نہیں آئے۔[1]

اس سے یہ تو واضح ہو جاتا ہے کہ شیخ الخوارزمی کو تاریخ و رجال کی معرفت کے لیے صرف تین کتابیں میسر ہیں جن میں انھیں یہ تراجم نہیں ملے۔

چلیے تسلیم کرتے ہیں کہ مزید مراجع ان کے پاس نہیں تھے، مگر کیا کیجیے کہ انہی راویوں میں سے اسماعیل بیاع السابری جو دراصل اسماعیل بن سمیع الحنفی ابو محمد ہیں، ان کا ترجمہ امام بخاری نے التاریخ الکبیر[2] میں ذکر کیا ہے۔ ایوب بن ہانی کا ترجمہ الجرح والتعدیل، تاریخ ابن معین، الثقات لابن حبان، اور سؤالات السلمي[3] وغیرہ میں ہے۔ اور احمد بن ابی طیبہ کا ترجمہ الجرح والتعدیل، الثقات لابن حبان، التاریخ الکبیر، وذکر تاریخ وفاته في ترجمة أبيه عیسٰی بن سلیمان أبو طيبة الأوسط، الإرشاد[4] وغیرہ میں ہے۔

علاوہ ازیں یہ بھی دیکھیے، شیخ الخوارزمی کتاب الآثار للشیبانی سے نقل کرتے ہیں:

"أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ أَنَّهُ كَانَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ"[5]

جبکہ کتاب الآثار میں ہے:

---

[1] جامع المسانيد (٣٩٠/٢) [2] التاريخ الكبير (٣٥٦/١)

[3] الجرح والتعديل (٢٦١/٢)، تاريخ ابن معين (٤٨٤/٤، رقم: ٥٤٠١)، الثقات لابن حبان (٥/٦، ١٣٧/٨)، سؤالات السلمي (١٠٢)

[4] الجرح والتعديل (٦٢/٢)، الثقات لابن حبان (٣/٨)، التاريخ الكبير (٤٠٣/٦) وذكر تاريخ وفاته في ترجمة أبيه عيسٰى بن سليمان أبو طيبة الأوسط (٣٧٤/٢)، الإرشاد (٢٧٢/١-٢٧١) [5] جامع المسانيد (٢٨٩/١)

"أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ كَانَ يَمْسَحُ عَلَى الْجُرْمُوقَيْنِ"[1]

اسی طرح استحاضہ کے بارے میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی روایت بحوالہ محمد بن المظفر اور ابن خسرو کتاب الآثار سے روایت لائے ہیں جو حسبِ ذیل سند سے ہے:

"أَبُو حَنِيفَةَ عَنْ أَيُّوبَ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ يَحْيٰى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ"[2]

جبکہ کتاب الآثار رقم (۵۰) میں امام محمد اسے بغیر واسطہ امام ابو حنیفہ لائے ہیں اور مولانا ابو الوفاء افغانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

"لَا يَكَادُ يَصِحُّ رِوَايَةُ الْإِمَامِ عَنْ أَيُّوبَ"[3]

"امام صاحب کی ایوب سے روایت صحیح نہیں ہے۔"

یعنی وہ امام محمد کے استاد ہیں، امام صاحب کے نہیں۔ شیخ ابن خسرو نے مسند الامام میں دو احادیث بواسطہ "مُحَمَّدٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ أَيُّوبَ بْنِ عُتْبَةَ" ذکر کی ہیں، ایک یہی استحاضہ کے بارے میں اور دوسری طلق کی روایت کہ شرم گاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، یہ جسم کا حصہ ہے۔[4]

جب کہ یہ دونوں احادیث امام محمد براہ راست، بغیر واسطہ امام صاحب، ایوب بن عتبہ سے لائے ہیں۔[5]

جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ شیخ الخوارزمی نے مکھی پہ مکھی ماری ہے، وہ محض ناقل ہیں اور بسا اوقات نقل میں بھی خطا کر جاتے ہیں۔

---

[1] كتاب الآثار (رقم: ١٤)
[2] جامع المسانيد (٢٦٧/١)
[3] شرح كتاب الآثار (ص: ٨٩)
[4] مسند لابن خسرو (رقم: ١٤، ١٥)
[5] دیکھیے: الآثار (رقم: ٥٠)، موطا إمام محمد (رقم: ١٣، ص: ٢٢٩) إدارة الثقافة

یہ بھی یہاں ملحوظ رہے کہ شیخ الخوارزمی اسی حدیثِ استحاضہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"أَخْرَجَهُ الْإِمَامُ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ فِي الْآثَارِ، فَرَوَاهُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، ثُمَّ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ"[1]

مگر اس سند سے یہ روایت کتاب الآثار میں قطعاً نہیں۔ مولانا ابو الوفاء رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: شاید یہ کتاب الآثار کے نسخوں میں ساقط ہوگئی ہے۔ یہ روایت کتاب الآثار اور جامع المسانید میں "أم حبيبة بنت أبي سفيان" سے، جبکہ ایوب کے علاوہ یہ روایت معمر، ابان، ہشام الدستوائی بھی یحییٰ بن ابی کثیر سے کرتے ہیں اور وہ "أم حبيبة بنت جحش" کا نام لیتے ہیں۔[2]

نیز ابو سلمہ بن عبدالرحمان کا حضرت ام حبیبہ سے سماع نہیں، جیسا کہ امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔[3] مگر یہ شیخ الخوارزمی کا موضوع نہیں۔

شیخ الخوارزمی نے امام صاحب کے فضائل و مناقب میں لکھا ہے:

"إِنَّهُ أَوَّلُ مَنْ دَوَّنَ عِلْمَ الشَّرِيعَةِ وَرَتَّبَهُ أَبْوَابًا ثُمَّ تَابَعَهُ مَالِكٌ"[4]

''امام صاحب علمِ شریعت کے پہلے مدون ہیں اور امام مالک نے موطا میں انہی کی پیروی کی ہے۔''

ان کا یہ دعویٰ محض عقیدت پر مبنی ہے۔ جن حضرات نے سب سے پہلے

---

(1) الجامع المسانيد (١/٢٦٧)

(2) بيهقي (١/٣٥١)، العلل للدارقطني (١٥/٣٨٤)

(3) المراسيل (ص: ٢٥٦)، العلل لابن أبي حاتم (رقم: ١١٩)، تهذيب (١٥/٣٢٢)

(4) جامع المسانيد (١/٣٤)

احادیث مدون کرنے یا ابواب میں احادیث مرتب کرنے کا ذکر کیا ہے انھوں نے اس کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ مثلاً: الفهرسة لابن النديم، تدريب الراوي، تنوير الحوالك، مقدمه فتح الباري، الجامع للخطيب، المحدث الفاصل وغیرہ۔ اسی طرح اس فقیر کے مقالات کی جلد (۳) میں بھی اس دعوے کی حقیقت بیان کر دی گئی ہے، شائقین اس کی مراجعت فرمائیں۔

اسی نوعیت کے اور بھی تسامحات ہیں جو خطیبِ خوارزم سے سرزد ہوئے ہیں، بلکہ ان مسانید سے روایات نقل کرنے میں بھی ان سے تسامحات ہوئے ہیں مگر ہمارا مقصد یہ نہیں، بلکہ یہ ذکر کرنا ہے کہ انھوں نے بعض ''مجهولون'' کے جواب میں مذہبی جوش و جذبے کے تحت جامع المسانید میں پندرہ مسانید کو جمع کیا۔

حدیث سے ان کی دلچسپی کتنی تھی، ہماری ان چند گزارشات سے اس کی قلعی کھل جاتی ہے۔ کیونکہ وہ ''خطیب'' تھے، ''محدث'' نہیں تھے۔ یہی خطیب صاحب امام صاحب کے مناقب میں معروف موضوع روایت: ''أَبُو حَنِيْفَةَ سِرَاجُ أُمَّتِيْ'' سے امام صاحب کے ذکرِ خیر کا آغاز کرتے ہیں اور اپنے جدِ اعلیٰ ''العلامة أخطب خطباء الشرق والغرب صدر الأئمة أبو المؤيد موفق بن أحمد المكي'' کے قصیدے کا بھی ذکر فرماتے ہیں۔[1]

گویا یہ خاندانی خطیب ہیں۔ جدِ اعلیٰ نے ''المناقب'' پر کتاب لکھی اور انھوں نے ''جامع المسانید'' لکھ کے مسلکی حمیت کا ثبوت دیا، جب کہ امرِ واقع یہ ہے کہ موفق مکی اگرچہ زمخشری کا تلمیذ ہونے کے ناتے ادیب اور معتزلی تھا مگر اس کے علاوہ وہ رافضی بھی تھا، جس کا اعتراف المناقب کا اختصار کرنے والے شیخ کردری نے بھی کیا: ''اَلْمُعْتَزِلِيُّ الْقَائِلُ بِتَفْضِيلِ عَلِيٍّ عَلَى كُلِّ الصَّحَابَةِ''، کہ وہ معتزلی تھا

[1] مقدمہ (ص: ۳)

اور تمام صحابہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیتا تھا۔[1]

اسی نے ''فضائل علی'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں اس نے اپنے رافضی ہونے کا ثبوت دیا۔ ملاحظہ ہو: ترجمہ ''حسن بن غفیر''[2] اس کی یہ کتاب مطبع حیدریہ نجف اشرف، عراق سے دوسری بار ایک رافضی محمد رضا موسوی کے مقدمہ اور حواشی سے ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئی اور ٹائٹل پر مصنف کے نام کے ساتھ ''الحنفي'' ہونے کی بھی صراحت کی گئی۔

شیخ ابو غدہ نے ذکر کیا ہے کہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے افضل کہتا ہے، غالی شیعہ ہے اور اس پر رافضی ہونے کا اطلاق ہوتا ہے۔[3]

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے تحفہ اثنا عشریہ[4] باب ہفتم، در امامت حدیث ہفتم کے تحت اس کے غالی زیدی ہونے اور اہلِ سنت کے ہاں اس کی ذکر کی ہوئی روایات کے ناقابلِ قبول ہونے کا ذکر کیا ہے۔ منہاج الکرامہ کا رافضی مصنف اس کی عبارتوں کو اپنی تائید میں پیش کرتا ہے، جس کے جواب میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ وہ جھوٹی روایات نقل کرتا ہے:

''لَيْسَ هُوَ مِنْ عُلَمَاءِ الْحَدِيْثِ وَلَا مِمَّنْ يُرْجَعُ إِلَيْهِ فِيْ هَذَا الشَّأْنِ أَلْبَتَّةَ''[5]

''وہ علمائے حدیث میں سے نہیں اور نہ یقیناً اس عظیم الشان علم میں اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔''[6]

---

[1] المناقب للكردري (۸۸/۱) [2] لسان الميزان (۲۴۳/۲، ۲۴۴)

[3] حاشية الرفع والتكميل (ص: ۱۱۲)، مقدمه فتح الباري (ص: ۴۵۹)

[4] تحفہ اثنا عشریہ (ص: ۳۴۰، ۳۴۱) [5] منهاج السنة (۴۲/۵)

[6] نیز دیکھیں: (۶۲/۷، ۹۶، ۴۰۱، ۴۰۳)

حافظ ذہبی فرماتے ہیں: ''خَطِیبُ الْخَوَارِزْمِ فَلَیْسَ حُجَّةً بِالْاِتِّفَاقِ''[1] کہ خطیب خوارزم بالاتفاق حجت نہیں۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں: اس کتاب (مناقبِ اہلِ بیت) میں جھوٹی روایات ہیں۔

چنانچہ جیسے اس نے ''فضائل علی'' اور ''مناقب اہل البیت'' لکھ کے روافض کو خوش کیا، اسی طرح امام صاحب کے مناقب لکھ کے حنفیوں کو خوش کیا اور ''پدرم سلطان بود'' کے مطابق شیخ الخوارزمی نے اپنے جدِ اعلی کو ''صدر الائمہ'' کے لقب سے نوازا۔ حالانکہ اس کی یہ کتابیں موضوعات کا پلندہ ہیں۔

شیخ الخوارزمی نے جامع المسانید میں جن مسانید کی مرویات جمع کی ہیں ان میں اکثر و بیشتر بجائے خود اس قابل نہیں کہ ان کو مرجع بنایا جائے۔ ان کا بنیادی ماخذ الحارثی اور ابن خسرو کی مسانید ہیں، اول الذکر متہم بوضع الحدیث اور ثانی الذکر حاطب اللیل اور علمِ حدیث سے بے خبر تھا۔

ایک صاحب عمر بن الحسن ابو الحسن الاشنانی ہیں جس کے بارے میں علامہ کوثری نے اعتراف کیا ہے کہ اسے امام دارقطنی نے ضعیف اور حاکم نے کذاب کہا ہے۔[2] حسن بن زیاد لؤلوی بھی مشہور کذاب ہے۔ طلحہ بن محمد بھی ضعیف اور داعی الی الاعتزال تھا۔ ان اصحاب المسانید کے علاوہ یہ بات بجائے خود بحث طلب ہے کہ ان حضرات کی امام صاحب تک اسانید کی پوزیشن کیا ہے۔ بلاریب وہ اکثر مجاہیل، ضعفاء بلکہ متروک وکذابین پر مشتمل ہیں اور اسی حقیقت کے تناظر میں شاہ ولی اللہ نے جامع المسانید کو چوتھے طبقے کی کتب میں شمار کیا۔ بلکہ شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں:

''یہ امر ہر عقل مند جانتا ہے کہ کسی شخص کی مرویات اس وقت تک رطب ویابس یعنی صحیح وضعیف کا مجموعہ رہتی ہیں جب تک وہ شخص، جس کی

---

[1] المنتقی (ص: ٤٧٠) [2] تانیب (ص: ٩٠، ٩٣)

بزرگی وفضیلت کا ہم اعتقاد رکھتے ہیں، خود اس مخطوط کو چند دفعہ گہری نظروں سے مطالعہ کر کے متمیز نہ کر دے اور جب تک وہ اپنے شاگردوں کو تعلیم نہ کرے۔ کسی قسم کا اعتماد اور بھروسا نہیں ہوسکتا۔'' [1]

کیا امام صاحب کی طرف منسوب ان مسانید کی پوزیشن قابلِ بھروسا ہے؟

اس لیے انھیں امام صاحب کی مسانید باور کروانا ایسے ہی ہے جیسے مسند احمد میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مرویات کو مسند ابوبکر کہا جائے جیسا کہ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔



[1] بستان المحدثین (ص: ۵۳)

Designed By: عبدالواسع 0307-4122161



UMM UL QURA PUBLICATIONS
Sialkot Road, Lodhi Town Gujranwala
0092 321 6466422